

بقیہ روایت کے ساتھ فتح الباری جلد ۲ ص ۲۵۲ اور فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۲۹ میں بھی مذکور ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں وصحیح البیہقیؒ (فتح الباری جلد ۱ ص ۳۵۲) کہ اس حدیث کی امام بیہقیؒ نے تصحیح کی ہے اور مولانا سید النور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ووافقه الحافظ فی المجلد السادس اور فیض الباری جلد ۲ ص ۶۴ کہ امام بیہقیؒ کی اس تصحیح پر حافظ ابن حجرؒ نے اتفاق کیا ہے اور علامہ عثمانیؒ بھی اس کی تائید کرتے ہیں (فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۲۹) علامہ بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ رجال ابی یعلیٰ ثقات (مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۱۱) ابویعلیٰ کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں علامہ عزیزی لکھتے ہیں وہو حدیث صحیح (السراج المنیر جلد ۲ ص ۱۳) کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ:-

صحیح خبر الانبیاء احياء فی قبورهم (مرقات جلد ۲ ص ۲۱۱) الانبیاء احياء فی قبورهم کی حدیث صحیح ہے علامہ عبد الرؤف منادیؒ (المعتنی ص ۱۲۷) فرماتے ہیں ہذا حدیث صحیح (فیض القدیر جلد ۳ ص ۱۱۸) کہ یہ حدیث صحیح ہے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:-

ابویعلیٰ بنقل ثقات از روایت انس بن مالک اور وہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون (مدارج النبوة ج ۲ ص ۲۴) وجذب القلوب ص ۱) قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ:-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ و روحہ لا تفارقه، لما صح ان الانبیاء احياء فی قبورهم (تحفة الذاکرین شرح حصن حصین ص ۲۸ طبع مصر) اور دو کے مقام پر لکھتے ہیں کہ:-

وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احياء فی قبورهم رواہ المنذری وصحیح البیہقی (نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۶۴) بلاشبہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ علامہ منذریؒ نے یہ روایت بیان کی ہے اور امام بیہقیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے۔

علامہ سیّد سمہودی لکھتے ہیں

ورواه ابو یعلیٰ برجال ثقات ورواه البیہقی
ابو یعلیٰ نے ثقہ راویوں سے یہ روایت کی ہے اور امام بیہقی
نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ (وفاء الوفا ج ۲ ص ۴۷)

اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہا پوری لکھتے ہیں کہ۔ اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز
پڑھتے ہیں صحیح ہے (فضائل درود ص ۳)

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام یعلیٰ کے طریق سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جو محدثین
کرام اس کی تصحیح کرتے ہیں کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلیل موجود
نہیں ہیں کہ اس کے راوی سب ثقہ ہوں اور جو محدثین کرام اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔

اعتراض

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس حدیث کی سند میں حسن بن قتیبہ خراسانی ہے جس کے متعلق ذہبی نے میزان
الاعتدال میں ابن عدی کا قول لا بأس بہ ذکر کر کے اپنی اور دوسرے ائمہ کی رائے ذکر فرمائی ہے قلت بل
مرہا لك قال الدارقطني في رواية البرقاني مستروك الحديث قال ابو حاتم ضعيف قال الاذني
واهي الحديث قال العقيلي كثير الوهم اه (جلد ۱ ص ۲۴) یعنی ائمہ جرح و تعدیل کی نظر میں یہ ہالک
مستروك الحديث ضعیف واہی الحدیث اور کثیر الوہم ہے حافظ ابن حجر نے لسان المیزان جلد ۲
ص ۲۴ میں ذہبی کی پوری عبارت نقل فرما کر اس جرح کی تصدیق فرمادی ہے حافظ خطیب بغدادی نے
بھی اسے واہی الحدیث اور مستروك الحديث فرمایا ہے (تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۳۴) باقی رہا شوکانی
کا تحفۃ الذاکرین میں حدیث ردّ اللہ علیٰ روحی کی تشریح میں یہ لکھنا لہذا صلی اللہ علیہ وسلم
حي في قبره وروحه لا تفارقه، ماصح ان الانبياء احياء في قبورهم (ص ۲) تو سابق مقصّل جرح
کے موجود ہوتے صح سے مصطلح صحت مراد لینا تو مشکل ہے یہ صح بمعنی ثبت ہی ہو سکتا ہے جب تک حدیث
پر وضع کا حکم یقینی نہ ہو محدثین کے نزدیک ثبت سے اس کی تعبیر ہو سکتی ہے نیل الاوطار میں حافظ شوکانی
نے یہی لفظ اختیار کیا ہے وقد ثبت في الحديث ان الانبياء احياء في قبورهم (جلد ۳ ص ۳)
ایسی احادیث کا تذکرہ مواظ اور فضائل کی مجال میں تو کیا جاسکتا ہے لیکن عقیدہ کی بنیاد اس پر نہیں رکھی
جاسکتی اہل حدیث اور ائمہ فنی کے نزدیک اعتقاد کے لیے خبر واحد صحیح ہونی چاہیئے

الجواب :- یہ جو کچھ کہا گیا ہے قطعاً باطل اور سراسر مردود ہے اولاً اس لیے کہ جن محدثین کرامؒ نے یہ حدیث سند کے ساتھ نقل کی ہے ہمارے علم میں وہ تین ہیں الاقلال امام ابو یعلیٰ الموصلیؒ ان کی سند امام بیہقیؒ اور علامہ سیکیؒ وغیرہ نے اسی طرح نقل کی ہے جس طرح ہم نے پہلے بیان کی ہے اور ایک ایک راوی کی توثیق اور محدثین کرامؒ کی تصحیح بھی نقل کر دی گئی ہے نہ تو اس سند میں حسن بن قتیبہ خراسانی ہے اور نہ کوئی اور مجروح راوی ہے اور محدثین کرامؒ اسی ابو یعلیٰؒ کی سند کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے، اور اس کے رجال ثقات ہیں اور قاضی شوکانیؒ کے پیش نظر بھی یہی روایت ہے اور اس حدیث کے روات پر کوئی معقول جرح مذکور اور موجود نہیں ہے بہندہ ذری کا البتہ کوئی علاج نہیں الثانی امام ابن عدیؒ نے اس کو اپنی سند کے ساتھ پیش کیا ہے اور اس کا حوالہ امام بیہقیؒ نے (حیات الانبیاء ص ۱۱) اور علامہ ذہبیؒ نے (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۱۱۱) اور حافظ ابن حجرؒ نے (لسان المیزان جلد ۲ ص ۲۴) میں دیا ہے اور اس کی سند یوں ہے - ابن عدی حدیثنا قسطنطین ثنا الحسن بن عرفہ ثنا الحسن بن قتیبہ الخ اس سند میں الحسن بن قتیبہ الخراسانی ہے اور علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی جرح صرف اس سند پر ہے۔

الثالث امام البزارؒ (ابو جراح احمد بن عمرو بن عبد الحاق الحافظ العلامة صاحب المسند المتوفی ۲۹۲ھ تذکرہ جلد ۲ ص ۲۴) نے یہ روایت سند کے ساتھ نقل کی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے مسند میں پانچ احادیث ہی روایت کرتے ہیں۔ علامہ بیہقیؒ نے مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۱۱ میں بزارؒ کا حوالہ بھی دیا ہے مسند بزارؒ کی سند ہمارے پیش نظر نہیں ہے ممکن ہے بزارؒ کی سند میں بھی الحسن بن قتیبہ الخراسانی ہو لیکن علامہ بیہقیؒ نے خصوصیت سے یہ فرمایا ہے کہ رجال ابن یعلیٰ ثقات - تو دارودار ابو یعلیٰؒ کی سند پر ہے اور وہ بالکل صحیح ہے اور محدثین کرامؒ اسی کی تصحیح کرتے ہیں اور حیات انبیاء کرام علیہم السلام کی بنیاد اس صحیح حدیث پر رکھتے ہیں معترضین حضرات بلا وجہ یہ جرح نقل کر کے اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے اور عوام کے صاف اذہان کو الجھانے کی بے کار سعی کر رہے ہیں وثانیاً - قاضی شوکانیؒ نے صحیح اور ثبوت کے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ اصول حدیث اور فن روایت کے مطابق استعمال کیے ہیں اور یہ دونوں لفظ مقبول حدیث پر بولے جاتے ہیں، معترض نے جو یہ کہا ہے کہ صحیح بمعنی ثبوت کے ہے اور محدثین جو حدیث قطعی طور پر جعلی ثابت نہ ہو اس پر بھی ثبوت کا لفظ اطلاق کرتے ہیں

ستہ حضرت العلامة مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی فرماتے ہیں کہ مسند بزارؒ کی سند میں الحسن بن قتیبہ موجود ہے جیسا کہ ان کی تقریظ میں یہ بات گزر چکی ہے اور طبقات سیکیؒ ج ۲ ص ۲۸۱ کی سند میں بھی یہی الحسن بن قتیبہ ہے۔

(محصلاً) توبہ خالص سینہ زاد اختراع اور ایجاد بندہ ہے اور محدثین کرامؒ اس سے بالکل ناواقف ہیں اور قاضی شوکانیؒ کے وہم میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ ہمارے محسن کرم فرما اور وکیل ان پر کیا کیا غفایات فرمائیں گے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) محدثین کرامؒ کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:-

من اللفاظ المستعملة عند اهل الحديث
في المقبول الجيد والمقبول - وانصالح والمعرف
والمحفوظ والمجود والثابت اه
محدثین کرامؒ کے نزدیک حدیث مقبول پر جو الفاظ استعمال
کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں جیدہ - قوی ، صالح معترف ، محفوظ
موجود اور ثابت ۔

(تدیب الراوی ص ۱۷ طبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کرامؒ کے نزدیک جیدہ ، قوی اور ثابت وغیرہ الفاظ ایک ہی درجہ کے ہیں اور یہ الفاظ حدیث مقبول میں استعمال کئے جاتے ہیں نہ کہ اس حدیث پر جو اگرچہ قطعی طور پر موضوع ثابت نہ ہو سکے مگر صحیح اور مقبول بھی نہ ہو اور پھر آگے امام سیوطیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

والمجود والثابت يشملان ايضا الصحيح -
لفظ مجود اور ثابت صحیح کو شامل ہیں ۔

(تدیب الراوی ص ۱۵)

اس سے بصراحت یہ بات واضح ہو گئی کہ صحیح اور ثابت یا بالفاظ دیگر صحیح اور ثبت ایک ہی معنی پر اطلاق ہوتے ہیں، ان میں استعمال کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں، لہذا معترض صاحب کی یہ سیدہ زاد توجیہ مردود اور توجیہ القول بمالایرضی بہ قائل کا مصداق ہے وثائق معترض کا یہ ارشاد کہ اہل حدیث اور ائمہ فن کے نزدیک اعتقاد کے لیے خبر واحد صحیح ہونی چاہیئے، اس میں بھی خاصا کلام ہے اگر لفظ اہل حدیث اور ائمہ فن سے ان کی اپنی اصطلاح مراد ہے تو وہ اس کو خوب جانتے ہیں کیونکہ صاحب البیت ادرای بہا فیہ اور اگر اس سے جمہور محدثین کرامؒ اور متکلمین وغیرہم مراد ہیں تو ان کے نزدیک قطعی عقیدہ میں خبر واحد صحیح بھی ناکافی ہے، شرح عقائد ص ۱۰ وغیرہ میں اس کی بحث موجود ہے ہاں اگر خبر واحد اجماع اور نقلی امت بالقول سے موید ہو جائے۔ جیسے یہ مذکور حدیث ہے تو بات جدا ہے۔ ہمیں اس موقع پر یہ بحث مقصود نہیں جب سنداً یہ روایت صحیح ہے اور محدثین کرامؒ کی نصیحت اس پر مستزاد ہے تو مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ (الانبياء احياء في قبورهم) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں معترض صاحب اصرار دھر کی باتیں بنا کر اس خفی مسلک کو کیوں کمزور کرنے کے درپے ہیں؟

علامہ ذہبیؒ کا وہم

اس صحیح حدیث کے سلسلہ میں قدرے محقول نما اعتراض جو سامنے آیا ہے وہ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ الذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) کا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:-

حجاج بن الاسود عن ثابت البنانی نكرة
ماروى عنه فيما اعلم سوى مستلم بن سعيد
فأثنى بخير منكر عنه عن أنس في أن الأنبياء
أحياء في قبورهم يصلون رواه البيهقي -
(ميزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۷ طبع مصر)
حجاج بن الاسود ثابت بنانی سے روایت کرتے ہیں
مگر وہ مجہول ہیں ہماری دانت کے مطابق مستلم
بن سعید کے بغیر ان سے کسی نے روایت نہیں کی اور
اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک منکر روایت بیان کی
ہے وہ یہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں
نزدہ ہوتے اور نمازیں پڑھتے ہیں، امام بیہقی نے
یہ روایت نقل کی ہے۔

علامہ ذہبیؒ کے اس اعتراض کا تجزیہ یوں کیا جاسکتا ہے (۱) یہ کہ حجاج بن الاسود مجہول ہے نكرة
(۲) یہ کہ مستلم بن سعید کے علاوہ اس سے کسی اور نے روایت نہیں کی (۳) یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے طریق
سے جو روایت انہوں نے نقل کی ہے وہ منکر ہے جس کا مضمون یہ ہے الانبياء احياء في قبورهم يصلون۔
لہذا یہ روایت مخدوش ہے۔

الجواب :- آپ ترتیب وار ہر ایک شق کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ علامہ ذہبیؒ کا یہ قول کہ حجاج بن الاسود (نكرة) مجہول ہے صحیح نہیں ہے حافظ ابن حجرؒ نے علامہ
ذہبیؒ کا یہ اعتراض نقل کر کے آگے لکھا ہے۔

قال احمد ثقة ورجل صالح وقال
ابن معين ثقة وقال ابو حاتم صالح الحديث
وذكره ابن حبان في الثقات -
کہ امام احمدؒ ان کو ثقہ اور مرد صالح کہتے ہیں اور امام ابن
معینؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں ابو حاتمؒ ان کو صالح الحدیث
کہتے ہیں اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔

(لسان المیزان جلد ۲ ص ۱۷)

جب ائمہ جرح و تعدیل اور چوٹی کے محدثین کرامؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں تو پھر وہ نكرة اور مجہول کیسے
ہے؟

ع۲ حافظ ابن حجر اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ:-

وعنه جریر بن حازم وحماد بن سلمة وروح
بن عبادۃ واخرون .
حجاج بن الاسود سے جریر بن حازم وحماد بن سلمہ وروح
بن عبادہ اور دیگر حضرات روایت کرتے ہیں۔

اور اخرون میں آگے عیسیٰ بن یونس کا نام بھی لیا ہے (دیکھئے لسان جلد ۲ ص ۱۵۸) جب
ان سے روایت کرنے والے مسلم بن سعید کے علاوہ اور بھی موجود ہیں تو علامہ ذہبی کا یہ اعتراض بھی ختم ہو
گیا کہ اس سے ہماری دانست میں صرف مسلم بن سعید ہی نے روایت کی ہے غرضیکہ اصول حدیث
کے رُو سے نہ تو یہ راوی مجہول الحال ہے اور نہ مجہول العین اس لیے علامہ ذہبی کے اس اعتراض کی
کوئی وقعت نہیں۔

ع۳ یہ شنی پہلی دو شقوق کا نتیجہ ہے جب وہ دونوں باطل ہیں تو یہ خود بخود باطل ہو جاتی ہے۔
علاوہ ازیں خبر منکر وہ ہوتی ہے جس کو کوئی ضعیف راوی ثقہ راویوں کے خلاف روایت کرتا ہو یا بعض
کے نزدیک کوئی ثقہ راوی اپنے سے ثقہ تر راوی کے خلاف روایت کرتا ہو جس کو بعض شناسے
بھی تعبیر کرتے ہیں (علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ بعض محدثین شناساؤں منکر کو ایک ہی سمجھتے ہیں اور بعض
فرماتے ہیں کہ شاذ وہ روایت ہوتی ہے جس میں ثقہ یا صدق راوی دیگر ثقات کی مخالفت کرے
اور منکر وہ روایت ہے جس میں ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرے) (تدیب الراوی ص ۱۵۲)
مگر اس روایت کی حیثیت ہرگز یہ نہیں ہے کیونکہ حجاج بن الاسود ثقہ ہے، ضعیف نہیں اور پطرس
نے کسی ثقہ یا ثقہ تر راوی کی مخالفت بھی نہیں کی تو ان کی روایت اصول حدیث کے اعتبار
سے کیونکر منکر ہو گئی ہے؟ نظریہ ظاہر علامہ ذہبی کو یہ دہم ہوا ہے کہ انہوں نے اس سابق حدیث
حضرت انسؓ کی ایک اور روایت کے آئینہ میں دیکھا ہے حالانکہ وہ الگ اور مستقل روایت ہے
اور یہ الگ حدیث ہے اور پھر یہ مذکور روایت اس کے مخالف بھی نہیں بلکہ اس کی تائید ہے
وہ دوسری روایت یوں آتی ہے۔

حماد بن سلمة عن ثابت البناني وسليمان التيمي
عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله
عليه وسلم قال اتيت وفي رواية مدرت
حماد بن سلمة، ثابت بناني اور سليمان التيمي سے روایت
کرتے ہیں اور وہ حضرت انس بن مالک سے وہ
فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

علی موسیٰ لیلۃ اُسرٰی بی عند الکشیف لاجمہ
وہو قاضی بصلی فی قلابہ۔

میں معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس
سے گذرا جو سرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس اپنی قبر
میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

(مسلم جلد ۲ ص ۲۶۸ و مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۸)

اس صحیح روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے
اور حجاج بن الاسود کی سابق روایت اس حدیث کے کسی طرح مخالف اور منافی نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ
باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اپنی قبروں میں نماز پڑھنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے اپنی قبر میں نماز پڑھنے سے کوئی مخالفت اور منافات لازم نہیں آتی اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے اپنی قبر میں نماز پڑھنے سے باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اپنی قبروں میں نماز پڑھنے کی مخالفت
پیدا ہوتی ہے، اگر مسلم کی اس صحیح روایت کے پیش نظر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز
پڑھنا ثابت ہے اور اس سے اسلام کے کسی عقیدہ پر زور نہیں پڑتی تو یقین کامل ہے کہ دیگر حضرات
انبیاء کرام علیہم السلام کے اپنی قبروں میں نماز پڑھنے سے بھی کسی عقلی اور نقلی دلیل کی مخالفت
لازم نہیں آتی، یہ دونوں روایتیں ایک دوسرے کے مخالف اور منافی تو ہرگز نہیں ہاں ایک دوسری
کی مؤید ضرور ہیں اور حجاج بن الاسود کی روایت میں متن کی زیادت ہے (اس میں حضرت موسیٰ علیہ
السلام کی نماز کے علاوہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی نماز کا بھی ذکر ہے) اور محدثین کرام
کا فائدہ ہے کہ جب ثقہ راویوں سے سند اور متن میں زیادت مروی ہو تو وہ قابل قبول ہوتی ہے
(ملاحظہ ہو مستدرک جلد ۳ وغیرہ) علامہ سخاویؒ نے اپنے استناد محترم حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے
لکھتے ہیں کہ:-

وشاہد الحدیث الاول ما ثبت فی صحیح مسلم
من روایۃ حماد بن سلمۃ

اس سابق حدیث کا شاہد اور مؤیدہ حدیث ہے
جو صحیح مسلم میں حماد بن سلمہؒ کے طریق سے مروی ہے

(القول البدیع ص ۱۲۶)

اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری جلد ۳ ص ۳۵ میں اس کا ذکر کیا ہے اور حضرت مولانا
عثمانیؒ نقل فرماتے ہیں کہ:-

وشاہد هذا الحدیث ما ثبت فی صحیح مسلم
اس حدیث کا شاہد وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں

من رواية حماد بن سلمة عن ثابت عن
النس رفعه الخ
حماد بن سلمہ کے طریق سے ثابت بنانی سے مروی
ہے کہ حضرت انسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
مرفوعاً روایت کی ہے۔ (فتح الملعون جلد ۳۲۹)

الغرض حجاج بن الاسود اور حماد بن سلمہ کی دونوں روایتیں ایک دوسری کی مؤید، باعث تقویت
اور شاہد ہیں نہ کہ ایک دوسرے کی مخالف اور منافی اس لیے علامہ ذہبی کا اعتراض بے جا ہے۔

منکر اور شاذ کی تعریف

اس مقام پر یہ بحث بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگی کہ منکر اور شاذ کی تعریف عرض کر دی جائے
تاکہ علامہ ذہبیؒ کا اس روایت کو منکر کہنے کا پس منظر اور پیش منظر سامنے آجائے امام مہم فرماتے ہیں کہ
وعلامة المنكر في حديث المحدث اذا ما عجزت
روايته للحديث على رواية غيره من اهل
الحفظ والرضى خالفته روايته روايتهم
اولئك توافقها فاذا كان الاغلب من حديثه
كذلك كان مهجورا الحديث غير مقبوله
ولا مستعمله اه (مسلم جلد ۵ ص ۵۰)

حدیث بیان کرنے والے کی حدیث کے منکر ہونے کی
علامت یہ ہے کہ جب اس کی حدیث دوسرے اہل حفظ
اور پسندیدہ راویوں کی حدیث پر پیش کی جائے تو اس
کی روایت ان کی روایت کے مخالف ہو یا ممکن ہی نہ ہو کہ
اس کی روایت ان کی روایت کے موافق ہو سکے جب
اس کی حدیث پر یہ اغلب ہو تو اس کی حدیث متروک
اور غیر مقبول ہوگی۔

اس تعریف کے پیش نظر حجاج بن الاسود کی روایت کسی طرح منکر نہیں کیونکہ یہ حماد بن سلمہ کی
روایت کے موافق مؤید اور اس کی شاہد ہے اور اس کے مخالف کسی طرح نہیں ہے حضرت
امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ :-

قال الشافعي ليس الشاذ من الحديث ان يروي
الفقهاء ما لا يرويه غيره هذا ليس بشاذ وانما الشاذ
ان يروي الثقة حديثا يخالف فيه الناس هذا
الشاذ من الحديث۔

شاذ وہ روایت نہیں ہے جس کو ایک ثقہ راوی بیان
کرتا ہو اور دوسرے بیان نہ کرتے ہوں بلکہ شاذ وہ
روایت ہے جس کو ثقہ راوی بیان کرے مگر اس کی
روایت دوسرے راویوں کی روایت کے مخالف ہو
ایسی حدیث شاذ ہوتی ہے۔

اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ :-

لأن الزيادة إما أن تكون لا تنافي بينها وبين رواية من لم يذكر هذه تقبل مطلقاً لأنها في حكم الحديث المستقل الذي يتفرد به الثقة ولا يرويه عن شيخه غيره وإما أن تكون منافية بحيث يلزم من قبولها رد الرواية الأخرى فهذه هي التي يقع الترجيح بينها وبين معارضتها فيقبل الراجح ويبرد المرجوح (شرح نخبته الفكر ص ۳۷)

اور امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ :-

ثم يفسرون الشذوذ بمخالفة الثقة من هو وثق منه المنقول عن أئمة الحديث المتقدمين كابن هدي ويحيى القطان وأحمد وابن معين وابن المديني والبخاري وابن فرغته وإبي حاتم والنسائي والدارقطني وغيرهم اعتباراً بالترجيح فيما يتعلق بالزيادة المنافية بحيث يلزم من قبولها رد الرواية الأخرى (تدريب الراوي ص ۵۸ طبع مصر)

زیادت یا تو ایسی ہوگی کہ جن روایت نے یہ بیان نہیں کیا یہ ان کی حدیث کے مخالف نہیں تو وہ مطلقاً قابل قبول ہے کیونکہ وہ ایک مستقل حدیث کے حکم میں ہے جس کے بیان کرنے میں ثقہ راوی متفرد ہے اور اس کے شیخ سے کوئی دوسرا اس کو بیان نہیں کرنا اور یا یہ روایت منافی ہوگی باہیں طور کہ اس کے قبول کرنے سے دوسری روایت کا رد لازم آتا ہو تو ایسی زیادت اور اس کے معارض حدیث میں ترجیح کا سوال پیدا ہوگا راجح کو قبول کر لیا جائے گا اور مرجوح کو رد کر دیا جائے گا۔

پھر محدثین کرامؒ شذوذ کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ ثقہ راوی اوثق کی مخالفت کرتا ہو اور متقدمین ائمہ حدیث مثلاً امام ابن مہدیؒ، یحیی القطانؒ، احمدؒ، ابن معینؒ ابن المہدیؒ بخاریؒ، ابو زرعةؒ، ابو حاتمؒ، نسائیؒ، اور دارقطنیؒ وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ ترجیح کا اعتبار اور سوال اس منافی روایت سے متعلق ہے اور منافات بھی اس حیثیت کی کہ اس زیادت کے قبول کر لینے سے دوسری روایت کا رد لازم آتا ہو۔

اور علامہ خزازؒ نے بھی اس کی اسی نہج پر بحث اور تحقیق کی ہے (ملاحظہ ہو توجیہ النظر ص ۲۱۹ طبع مصر) ان روشن اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شاذ کی تعریف میں مخالفت اور منافات بنیادی شرط ہے باہیں طور کہ اس شاذ کے قبول کر لینے سے دیگر ثقافت کی روایت کا رد

مخالفت لازم آتی ہو لیکن حجاج بن الاسود کی روایت سے نہ تو حماد بن سلمہ کی روایت کی مخالفت اور منافات ہے اور نہ دیگر ثقہ راویوں کی روایت سے اس کا تضاد ہے اس لیے اس کو منکر یا ثناء کہہ اور سمجھ کر اس سے گریز اور پہنچتی کرنا تحقیق کے میدان سے کوسوں دور ہے۔

علماء اسلام اور مسلمہ حیات

اس صحیح حدیث اور دیگر شرعی دلائل سے علماء ملت نے جو کچھ سمجھا ہے اس مقام پر اس کا ذکر کرنا بھی ایک حد تک ضروری ہے تاکہ اس حدیث کی صحت کے علاوہ اس کی مراد اور مطلب بھی واضح ہو جائے اور اس حدیث کے بارے میں انصاف و دیانت کی دنیا میں کوئی شبہ باقی نہ رہے باقی جو حضرات ذاتی رائے کو چھوڑنا نہ چاہتے ہوں ان کے لئے دفنوں کے دفتر بھی بیکار ہیں۔

حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں کہ:-

ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبہا موت بل یستمر حیا والانبیاء احياء فی قبورہم (فتح الباری جلد ۲۲ طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے جس پر پھر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حافظ ابن حجر نے اس عبارت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبروں میں زندگی صریح الفاظ میں بیان فرمائی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا ہے کہ قبر میں آپ کی زندگی مستمر اور دائمی ہے جس پر پھر موت طاری اور وارد نہیں ہوتی جس طرح کہ بعض حضرات کے نزدیک نبیین کے سوال کے وقت عام مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے پھر ان پر وفات طاری کر دی جاتی ہے گو جمہور اس کے بھی خلاف ہیں۔

نوٹ ضروری:- چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قطعی اور صریح دلائل کی روشنی میں وثائق اچھی ہے اور یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے۔ اور نفس موت میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، ہاں اس کے بعد قبر اور برزخ میں دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حیات اور زندگی حاصل ہے

اور یہ برزخی حیات دائمی اور ہمیشہ کے لیے ہے لہذا ایسی حیات کے تسلیم کرنے سے
بہرگز کوئی شرک لازم نہیں آتا جیسا کہ بعض کوناہ فہم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کیونکہ جب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وفات آچکی
ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آئے گی اور کُلِّ نَفْسٍ ذَاقَتْ الْمَوْتَ کا اٹل
فیصلہ ان کے حق میں بھی پورا ہوگا اور جب اُن کو حُیُّ الْقَیُّوم سے اس حیات
دائمہ کی صفت میں کوئی مماثلت ہی حاصل نہیں تو پھر شرک کیسا؟ ہاں اگر کوئی شخص
ان کی کسی قسم کی وفات کا قائل نہ ہو تو پھر یہ فتویٰ اس کی طرف رُخ پھیر سکتا ہے۔
حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ:-

ان الله جل ثناؤه عز الى الانبياء ارواحهم فهو احياء عند ربهم كالنفس هداية
لجنت الانبياء صلواته والوفاء جلد طه، زرقانی شجر
لجنت الانبياء صلواته والوفاء جلد طه، زرقانی شجر
(مواعظ جلد ۳۳۲)

پہلے باحوالہ یہ بحث گزر چکی ہے کہ قبر اور برزخ میں مومنین اور کفار سب کی طرف ارواح لوٹا
جاتے ہیں تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام تو بہت اونچا ہے اس لیے قبور میں ان کی حیات
ردارواح کے طور پر ہی ہوگی اور حضرت امام بیہقیؒ کی اس عبارت کا یہی مطلب ہے۔
حضرت ملا علی القاریؒ ارقام فرماتے ہیں کہ:-

المعتقد المعتقد انه صلى الله عليه وسلم حي في
قبره كسائر الانبياء في قبورهم وهو احياء
عند ربهم وان الارواحهم تعلقا بالعالم العلوي
والسفلي كما كانوا في الحال الدنيا فيهم
بحسب القلب عرشيون وباعتبار القلوب
عرشيون اه (شرح شفاء جلد ۱۲۲)
قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم
السلام اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے ہاں زندہ
ہیں اور ان کے ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں
سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا سو وہ
کے اعلا سے عرشی اور جسم کے اعتبار سے فرشی
ہیں۔
طبع مصر

اس عبارت میں حیات انبیاء علیہم السلام کو قابل اعتماد عقیدہ قرار دیا ہے اور یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ ان کے ارواح طیبہ کا تعلق جنت ملائعہ اعلیٰ، رفیق اعلیٰ اور علیین سے بھی قائم رہتا ہے اور عالم سفلی یعنی قبر میں ان کے اجسام مبارکہ سے بھی جس طرح کہ دنیا میں تھا کہ وہ قلب کے اعتبار سے عرشی اور غالب کے عمار سے فرشی تھے۔

علامہ سہروردی لکھتے ہیں کہ :-

لا تشك في حياته صلى الله عليه وسلم بعد وفاته وكذا سائر الانبياء عليهم الصلوة والسلام احياء في قبورهم حياة اكمل من حياة الشهداء التي اخبر الله بها في كتابه العزيز (وفاء الوفاء جلد ۳ ص ۳۷)

وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی اُس حیات سے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کیا ہے بڑھ کر ہے۔

اس عبارت میں وفات کے بعد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا ذکر ہے اور یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ ان کی حیات شہداء کی حیات سے جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے زیادہ کامل اور اعلیٰ درجہ پر ہے یعنی جس طرح کہ ان کا درجہ بلند ہے اسی طرح قبر میں ان کی زندگی بھی شہداء کی زندگی سے عمد اور ارفع ہے۔ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

واما ادلة حياة الانبياء فمقتضاها حياة الابدان كحالة الدنيا مع الاستغناء عن الغذاء (وفاء الوفاء جلد ۳ ص ۳۷)

بہر کیف حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں تھی مگر خوراک سے مستغنی ہیں۔

یعنی ان کی حیات محض برزخی اور روحانی ہی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے مگر جس طرح دنیا میں اجسام مادہ خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبر میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حسی اور دنیوی خوراک کی حاجت نہیں بلکہ وہ اس سے مستغنی ہیں۔

امام علی بن عبد الکافی اسکی لکھتے ہیں کہ :-

واما حياة الانبياء اعلیٰ واکمل وانتم جميع لانها للروح والجسد على الدوام على ما كان في

بہر حال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات تو تمام سے اعلیٰ اکمل اور اتم ہے کیونکہ ان کی حیات جسم اور روح دونوں کو

الدنيا اه (شفاء السقام ص ۱۵۴)

اور دوسرے مقام پر ارقام فرماتے ہیں کہ:-

فان الصلوة يستدعي جسداً حياً وكذا له
الصفات المذكورة في الانبياء ليلة الاسراء
كلها صفات الاجسام ولا يلزم من كونها حياً
حقيقة ان يكون الابدان معها كما كانت
في الدنيا من الاحتياج الى الطعام والشراب
والامتناع عن التفوذ في الحجاب الكثيف
وغیر ذلك من صفات الاجسام التي نشاهد
بل قد يكون لها حكم اخر فليس في العقل ما
يمنع من اثبات الحيوة الحقيقية لهو
اما الادراكات كالعلم والسمع فلا شك
ان ذلك ثابت وسند كوثبته لساثر
الموتى فكيف بالانبياء انتهى
(شفاء السقام ص ۱۴۳)

دوامی طور پر حاصل ہے جس طرح کہ دنیا میں تھی۔

نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے اور اسی طرح معراج
کی رات حضرات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں
جتنی صفات کا ذکر ہے وہ تمام اجسام کی صفات ہیں
اور اس حیات کے حقیقی حیات ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ
اس حیات کے ساتھ ابدان کو کھانے پینے کی دلی حاجت
ہو جیسے دنیا میں تھی یا یہ کہ وہ کثیف پردہ میں نفوذ نہ کر
سکیں اور اسی طرح اجسام کی دیگر صفات کا ہم دنیا میں
مشاہد کرتے ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ اُن ابدان کا حکم دنیوی
ابدان سے جدا اور الگ ہو عقلاً اس میں کوئی متنازع نہیں
کہ ان کے لیے حقیقی حیات ثابت ہو ہے اور ان کا مثلاً علم اور
سمع وغیرہ تو ان کے ثبوت میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں
یہ تو تمام مومنوں کے لیے ثابت ہیں پھر بھلا حضرات انبیاء
کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے کیوں ثابت نہ ہوں گے؟

اس عبارت سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حقیقی اور جسمانی حیات پر خاصی روشنی پڑتی
ہے اور اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حیات جسمانی کے جملہ لوازمات قبر میں ثابت نہیں ہیں مثلاً
کھانے اور پینے کی جس طرح حاجت دنیا میں ہوتی ہے اس طرح قبر میں نہیں ہوتی اور اسی طرح دیگر کئی
احکام میں بڑا فرق اور تفاوت ہے، ہاں دنیوی حیات کی طرح ان کو ادراک علم اور شعور حاصل ہے اور
انہی اہم امور کی وجہ سے اس کو دنیوی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کے فرزند ارجمند علامہ
تاج الدین السبکی (المتوفی ۷۸۰ھ) حضرت انسؓ کی مذکور حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-
عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
الانبياء احياء في قبورهم يصلون فاذا ثبت ان
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حی فالجی لا بد من ان یکون
اما علما و جاہلا ولا یجوز ان یکون النبی صلی
اللہ علیہ وسلم جاہلا ھ

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد ۲۸ طبع مصر)

اور غنا پڑھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو زندہ کے لیے لازم ہے
یا تو وہ عالم ہو اور یا جاہل اور یہ بات تو ہرگز جائز نہیں کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاہل ہوں (معاذ اللہ) تو لا
آپ عالم ہوں گے) الخ

اس عبارت میں علامہ سبکی نے ایک تو حضرت انسؓ کی حدیث سے استدلال کر کے ثبوت کر دیا
ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح اور قابل احتجاج ہے اور پھر واضح الفاظ میں یہ بات آشکار کر دی ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ اور صفت علم سے متصف ہیں۔
اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:-

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی
یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامة ویبلغ
الصلوۃ والسلام علی ما بیننا ھ
(جلد ۲۸ ص ۲۸۲)

قبر میں حیات کے جو نتائج مرتب ہیں امام موصوفؒ نے ان کو اس عبارت میں بالکل نمایاں
کر کے پیش کر دیا ہے کہ حس و علم اور عرض اعمال و تبلیغ صلوٰۃ و سلام بالکل متحقق ہیں کچھ غلط کاریاں کم فہم
لہ عرض اعمال کے بارے میں نہایت مختصر تحقیق یہ ہے کہ صحیح روایت اجمالی طور پر عرض اعمال ثابت ہے چنانچہ حضرت
عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

حیاتی خیر لکم تحدد ثون و یحد ث لکم و وفاتی
خیر لکم تعرض علی اعمالکم فہا رأیت من خیر
حمدت اللہ علیہ و ما رأیت من شر استغفرت اللہ
لکم و راہ البزار و رجالہ الصیح (جمع الزوائد)
جلد ۲۲ و فاء الوفا جلد ۲، ذکرہ السبکی فی
شفاء السقام ص ۲ و العلامة داؤد بن سلیمان البغدادیؒ
کہ میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم (مشکل مشلے)
بیان کرو گے اور (میری طرف سے) ان کی حقیقت بیان
کر دی جائے گی اور میری موت بھی تمہارے لیے بہتر
ہو گی تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے سو جو اچھے ہوں گے
میں ان پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کروں گا اور جو بُرے ہوں گے
میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگوں گا اس کو
(باقی بر صفحہ آئندہ)

لوگوں نے امام اہل سنت ابو الحسن الاشعریؒ (المتوفی ۳۳۰ھ) کی طرف یہ عقیدہ منسوب کیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی نبوت کے قائل نہیں (معاذ اللہ) ان کم فہموں کو شبہ یہ ہوا ہوگا کہ چونکہ وفات کے ساتھ تکلیفی زندگی ختم ہو جاتی ہے اس لیے نبوت اور رسالت کے فرائض بھی شاید وفا کے ساتھ ختم ہو چکے ہیں اشاعرہ نے اس غلط نظریہ کی اپنے امام سے جو پُر زور مدافعت کی ہے وہ متعدد فی المنحة الوہبیت فی رد الوہابیت ص ۱۵ طبع (بقیہ صفحہ) بزاز نے روایت کیا ہے اور اس کے استنبول والہ زرقانی فی شرح المواہب ص ۳۳ سب راوی بخاری کے راوی ہیں۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت بسند صحیح ہے (خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸) علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے (زرقانی شرح مواہب ص ۳۳) اور حضرت مولانا شیخ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے (فرست عقیدۃ الاسلام ص ۱) اور مولانا عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۲۱۳) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بھی اس روایت سے استدلال کیا ہے ملاحظہ فرمادی عزیزی ج ۱ ص ۶۹ فارسی و مترجم اردو ج ۱ ص ۱۴۶) اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ اُمت کے اعمال ہر روز حضورؐ کے روبرو پیش کئے جاتے ہیں آپ اعمال خیر کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور بد اعمالیوں پر مطلع ہو کر نالائقوں کے لیے استغفار فرماتے ہیں (پہلا سورہ النحل رکوع ۱۲ تفسیر ص ۳۵) اور اسی مضمون کی روایت مشہور ثقہ اور مامون تابعی حضرت بکر بن عبداللہؒ سے بھی مروی ہے (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۹) والجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۵۰ والسرائح المیز ج ۱ ص ۲۳ وخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸ اور اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں دھڑا اسناد صحیح الی بکوالمتوفی ۱۶۸ھ الصارم المنکی ص ۱۶۸) اور حضرت نقضانیؒ فرماتے ہیں کہ ابن المبارکؒ نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے روایت کی ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آپ کی اُمت کے اعمال صبح و شام پیش نہ کئے جاتے ہوں کذا فی المواہب نشر الطیب ص ۲۱ اور ص ۲۲۹ میں تصریح فرمائی ہے کہ یہ عرض اجمالی ہے تفصیلی نہیں (محصلہ) اور مولانا سہارنپوریؒ لکھتے ہیں کہ اور جو عقیدہ نہیں بلکہ یہ عقیدہ ہے کہ جب حق تعالیٰ چاہے جس شے کو چاہے آپ پر منکشف کر دیوے اور ملائکہ درود و سلام پہنچاتے ہیں اور اعمال اُمت بھی آپ پر پیش ہوتے ہیں تو درست ہے الخ (الہدایہ فی القائل ص ۲۱۶ و ۲۱۷) طبع امدادیہ دیوبند) اور نیز حضرت فرماتے ہیں اس بات کو خوب یاد کر لینا ضروری ہے کہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبر میں زندہ ہیں اور عالم غیب میں اور جنت میں جہاں چاہیں باذن تعالیٰ (باقی بر صفحہ آئندہ)

کتابوں میں مذکور ہے چنانچہ علامہ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں کہ:-

ومن عقائدنا ان الانبياء عليهم السلام احياء
في قبورهم فابن الموت الى ان قال وصنف البيهقي
رحمته الله جزوا سمعناه في جولة الانبياء عليهم السلام
بجائے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام
اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو پھر ان پر موت کہاں؟ (پھر آگے فرمایا)
کہ امام بیہقی نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں جیائے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آسکتے ہیں اور صلوة و سلام بلا تک نہ بچانے میں اور
اعمال امت آپ پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت حق تعالیٰ چاہے دنیا کے احوال کشف ہو جاتے ہیں اس میں
کوئی مخالف نہیں مگر یہ کہ ہر جگہ محفل مولود میں اور دیگر مجالس ذکر میں ہر روز آتے ہوں یا ہر صوت و ندا اور عرض و محالہ
دنیا کے ہر روز معلوم ہوتے ہوں بدون اعلام حق تعالیٰ کے اس کو تسلیم نہیں کرتے اور یہ کہ سب اشیاء کا علم حق
تعالیٰ نے اُن کو دیا ہے اس کو بھی قبول نہیں کرتے بلکہ جس قدر دیا جاتا ہے اس قدر جانتے ہیں اور بس اس
(البراہین القاطعہ ص ۱۹۹، ۲۰۰) الغرض یہ حدیث بالکل صحیح ہے لیکن یہ یاد رہے کہ عرض اعمال سے امت کے
تمام اعمال کا عرض مراد نہیں ہے جیسا کہ نتیجہ تشبیہ کا مسلک ہے یا جس طرح غالی قسم کے اہل بدعت کا باطل نظریہ
ہے بلکہ یہ عرض صرف اجمالی ہے جس میں روز وغیرہ بعض اعمال پیش کئے جاتے ہیں چنانچہ مولانا سید محمد انور شاہ
صاحب فرماتے ہیں کہ:-

انہ عرض کعرض الاسماء علی الملائکۃ کا علم
محیط الی ان قال فعلیہ انک لا تدری ما
احد ثوابہ: مع عرض الاعمال علیہ صلی
اللہ علیہ وسلم اھ (فہرست عقیدۃ الاسلام ص ۱۰)
یہ عرض (فہرست اجمالی ہے) جس طرح کہ چیزوں کے نام
فرشتوں پر پیش کئے گئے تھے اس سے علم محیط امرائیں
ہے (پھر آگے فرمایا) سو اس کی دلیل یہ ہے کہ قیامت کے
دن آپؐ فرمایا جائے گا کہ تو نہیں جانتا کہ تیرے بعد ان
بدعتیوں نے کیا کیا بدعات گھڑی ہیں حالانکہ آپؐ پر اعمال
پیش ہوتے رہے۔

یعنی اگر اس عرض اعمال سے تفصیلی عرض مراد ہو جو امت کے تمام اعمال اور خیریات کو شامل ہو تو انک
لا تدری ما احد ثوابہ کہنا صحیح نہیں ہو سکتا اور یہ صحیح صریح اور مشہور روایت ہے تو اس کا مطلب
یہ اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ شفی القلب اور بد بخت بدعتیوں نے جو بدعات آپؐ کے بعد ایجاد کی ہیں ان کا
آپؐ کو علم نہیں حالانکہ ان کے اعمال بھی آپؐ پر پیش ہوتے ہیں تو یہ سوائے عرض اجمالی کے اور کیا (باقی بر صفحہ آئندہ)

فی قبورهم واشتند تکبیرا لاشاعة علی من
نسب هذا القول الی التشیخ اه
(طبقات جلد ۲ ص ۲۶)

ایک سالہ تصنیف فرمایا ہے جو خود ہم نے سنا ہے اور
جن لوگوں نے امام ابو الحسن اشعری کی طرف یہ غلط یا منسوب
کی ہے اشاعرہ نے سختی سے اس کا رد کیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ متکلمین اشاعرہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں جہات کو تسلیم
کرتے ہیں اور اپنے امام ابو الحسن الاشعری کا بھی یہی مسلک بیان کرتے ہیں اور اس کے خلاف جہات ان کی
طرف نسبت کی گئی ہے سختی سے وہ اس کی تردید کرتے ہیں اور دلائل کی مدد میں امام بیہقیؒ کی کتاب سہار البیہقیؒ
(نقیبہ صفحہ ۱۰۸ شتہ) ہو سکتا ہے؛ مؤلف تسکین القلوب نے ص ۱۰۳ میں حضرت شاہ صاحبؒ کا نام لیے بغیر بلا دلیل
راقم پر غصہ کیا ہے کہ مولوی صاحب تطبیق میں فرماتے ہیں کہ یہ عرض اعمال چونکہ اجمالی ہوتا ہے تفصیلی نہیں الخ اور آگے
اس اجمال کی نفی کی جو لا حاصل بحث کی ہے اس سے حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی جواب کا بالکل رد نہیں ہوا ان کا
جواب و تطبیق اپنی جگہ قائم ہے ہاں مگر انصاف شرط ہے

امام تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب السبکی الشافعیؒ (المتوفی ۷۷۷ھ) لکھتے ہیں

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
حی بیہ حش و بیعہ و تعرض علیہ اعمال الامۃ
و یبلغ الصلوۃ والسلام علی ما بیننا اه
(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۲)

چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں اور زندگی کے آثار میں سے احساس اور
علم بھی ہے اس لیے آپ قبر مبارک میں حش و علم کی صفت سے بھی متصف ہیں اور آپ پر اعمال اُمت اور
صلوٰۃ و سلام پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ السید نور الدین علی بن احمد السمرودی الشافعیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں :-

انا لا نسلم ان لا یستغفر بعد الموت لما
سبق من حیاتہ ومن استغفارا متہ بعد
الموت عند عرض اعمالہ علیہ اه
(وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۱۱)

جیشک ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ آپؐ وفات کے بعد استغفار
نہیں کرتے کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپؐ زندہ ہیں اور
جب اُمت کے اعمال آپؐ پر پیش کئے جاتے ہیں تو آپؐ
ان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ (باقی آئندہ صفحہ پر)

امام ابو القاسم عبد اکبر بن ہوازن القشیری (المتوفی ۳۶۵ھ) لکھتے ہیں کہ:-

فاما ما حكي عنه وعن اصحابه انهم يقولون ان محمداً صلى الله عليه وآله وسلم ليس نبى في فبرة ولا رسول بعد موته فبهنا ان عظيم وكذب محض لم ينطق به منهم احد ولا سمع في مجلس مناظرة ذلك عنهم ولا وجد في كتاب لهم وكيف يصح ذلك وعندهم محمد صلوات الله عليه حي

جو بات امام ابو الحسن اشعریؒ اور ان کے اصحاب سے حکایت کی گئی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں نبی نہیں اور نہ وفات کے بعد رسول ہیں (معاذ اللہ) تو یہ بہتان عظیم اور خالص جھوٹ ہے اور ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ بات نہیں کہی اور نہ کسی مجلس مناظرہ میں ان سنی گئی ہے اور نہ ان کی کسی کتاب میں اس کا ثبوت ہے

(یقینہ صفحہ ۱) اس عبارت میں بھی آپ پر عرض اعمال کی اور امت کے لیے آپ کے استغفار کی تصریح ہے۔ قاضی شروکانی لکھتے ہیں کہ

وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم حي بعد وفاته وانه يشرب طاعات امتنا الخ

محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وفات کے بعد زندہ کئے گئے ہیں اور آپ امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

(رنیل الاوطار ص ۲۶)

عام موتی پر عرض اعمال

اجمالی طور پر بعض اعمال کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) پر عرض اہل سنت والجماعت کے ہاں ایک مسلم حقیقت ہے جیسا کہ اس کتاب میں درج شدہ حوالوں سے آپ کو یہ امر بخوبی معلوم ہو گیا ہے اہل حق کے نزدیک جملہ اموات پر بھی بعض اعمال پیش کئے جاتے ہیں اچھے ہوں تو ان پر وہ خوش ہوتے ہیں بُرے ہوں تو ان کو ان سے سزا ہونا ہے حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ بدر الدین عینیؒ کے حوالے سے ہم نے سماع الموتی ص ۱۱ میں اور بعض مرفوع احادیث اور چند حوالے سماع الموتی ص ۲۵ میں درج کر دیے ہیں ہاں ہی ملاحظہ فرمائیں طلبہ علم کچھ افادہ کے لیے ہم یہاں چند اور حوالے عرض کرتے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں۔

ع ۱ امام محمد بن محمد الغزالی (المتوفی ۵۰۵ھ) نقل کرتے ہیں کہ:-

وقال النعمان بن بشير سمعت رسول الله صلى

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

فِي قَبْرِهٖ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا تَحْشَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهٖمْ
فَاُخْرِجُوْا سَبْحَانَہٗ اِنَّ الشَّہِدَاءَ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ
فَاَلَا نُبَيِّنُ اَوَّلٰی بِذٰلِكَ لِمَنْ تَقَاَصَرَتْ رَتَبَةُ الْکَافَّةِ
عَنْ دَرَجَةِ النِّیْمَةِ اھ

(الوسائل الفشریہ ص ۱ طبع کراچی)

اور یہ بات ان سے بھلا کیسے ثابت ہو سکتی ہے جب کہ
ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ
ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اور ہرگز ان کو لوگوں کے بارے
میں جو اللہ تعالیٰ کے استنہ میں قتل کئے گئے یہ خیال نہ کرنا کہ
وہ مردہ ہیں بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اس ارشاد میں
اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ شہداء زندہ ہیں جب شہداء
زندہ ہیں تو حضرات انبیاء علیہم السلام بطریق اولیٰ زندہ ہیں
کیونکہ سب کا رتبہ نبوت کچھ رتبہ سے قاصر ہے۔

منبر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا آپ نے
فرمایا کہ خبر دار دنیا اتنی ہی باقی ہے جتنی (تھوڑی دیر)
مکھی جو میں حرکت کرتی ہے سو تم قبر میں دفن ہونے
والے اپنے بھائیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے
ڈرو کیونکہ تمہارے اعمال ان پر پیش کئے جاتے ہیں اور
حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے بُرے اعمال سے اپنے مردوں
کو مت رسوا کرو تمہارے اعمال تمہارے رشتہ داروں پر
قبروں میں پیش کئے جاتے ہیں۔

یہ روایت اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے اور اس سے صراحتاً یہ ثابت ہوتا ہے
کہ زندوں کے بُرے اعمال سے ان کے اغرہ و اقارب اور رشتہ دار مردوں کو تکلیف ہوتی ہے۔
غلط شیخ الطائفہ شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد السمرودیؒ (المتوفی ۶۳۲ھ) لکھتے ہیں کہ :-

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث وارد ہوئی
ہے آپ نے فرمایا کہ سوہوار اور جمعرات کو اعمال
اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جمعہ کے
(باقی بر صفحہ آئندہ)

وقَدْ وَرَدَ فِي الْخَبَرِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ تَعْرِضُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْاِثْنَيْنِ
عَلَى اللَّهِ وَتَعْرِضُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ وَالْأَيَّامِ وَالْأَهْلِ

علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں کہ اہل السنۃ والجماعت کے امام ابو الحسن الاشعریؒ کی طرف ان کے دشمنوں نے جو یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے قائل نہیں ہیں یہ خالص بہتان اور محض افتراء ہے خود ان کی اور ان کے اتباع کی کتابوں میں اس کے خلاف مصرح ہے پھر آگے لکھتے ہیں کہ :-

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اٰجِيَاءُ قَبْلَهُ وَهُوَ قَدْ اَقَامَ النُّكَيْرَ عَلٰی اِفْتِرَاءِ ذٰلِكَ (بقیہ صفحہ گذشتہ) یوم الجمعۃ فیقرحون بحسناتہم ونزداد وجوہہم بیاضاً واشراقاً فانقوا اللہ ولا تؤذوا صوناکم و فی خیر اخوان اعمالکم تعرض علی عشنا ترکم واقاربکم من الموتی فان کان حسناً استبشروا وان کان غیر ذلک قالوا اللہ لا فتنہم حتی تقدیہم کما ھدیتنا الخ (عوارف المعارف علی ھا مش لا جیاء ص ۱۵۳)

اس لیے کہ حضرات انبیاءؑ کہ ام علیہم السلام انبی قبلہ میں زندہ ہیں اور امام ابو القاسم القشیریؒ نے اس حضرات انبیاءؑ کو ام علیہم السلام اور باپؑ دونوں ماول پر پیش کئے جاتے ہیں وہ نیکو سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہرے سفید اور چمکیے ہو جاتے ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے مردوں کو ازیت مت کرو اور دوسری حدیث میں آتا ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے مرد رشتہ داروں اور اقارب پر پیش کئے جاتے ہیں اگر وہ اعمال اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر اعمال بُرے ہوتے ہیں تو وہ کرتے ہیں کہ لے اللہ ان کو اس وقت تک موت نہ دے جب تک تو ان کو ہماری طرح ہدایت نہ دے دے۔

یہ روایت قدسے اختلاف الفاظ کے ساتھ الجامع الصغیر ص ۱۳۱ والسرّاج المبیر ص ۱۶۵ و زر قانی شرح المواہب ص ۳۳۶ میں حکیم ترمذی کے حوالہ سے اور شرح الصدر ص ۱۱ اور مائتہ مسائل ص ۳۸ میں بحوالہ مسند احمد ص ۱۶۵ اور مجمع الزوائد ص ۳۲۸ حضرت انسؓ سے مرفوعاً اور ابوداؤد الطیالسی ص ۲۴۸ میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مرفوعاً مروی ہے الغرض عرض اعمال علی الاقارب کی حدیثیں بھی موجود ہیں اور علماء امت نے ان سے استدلال و احتجاج کیا ہے جیسا کہ ان کی عبارات سے یہ واضح و ظاہر ہے۔

حدیث عرض اعمال پر گرفت

اکابر سے کٹ اور ہٹ کر اپنی نئی تحقیق اور رائے کو حرف آخر سمجھنے والے بعض دوستوں نے جو کچھ کہا اس کا اجمالی خاکہ بھی ملاحظہ فرمائیں مؤلف ندائے حق ص ۲۴ میں لکھتے ہیں کہ شیعہ کہتے ہیں ہمارے

ابو القاسم الفسیریؒ (شامی جلد ۳ ص ۳۶۶) انتر کی سختی سے تردید کی ہے۔
(باب المغنم)

اور علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں کہ:-

والحاصل ان حياة الانبياء ثابتة بالاجماع والمحنة الوهية ص طبع استنبول)
حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ:-

حياة النبي صلى الله عليه وسلم في قبره هو سائر الانبياء معلومة عندنا علما قطعيا لما قام عندنا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر مبارک میں اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اعمال ائمہ اطہار کے پیش ہوتے ہیں کئی گویا بدعتیوں نے کہا ہمارے اعمال حضور کے حضور پیش ہوتے ہیں الخ الجواب قارئین کرام نے عرض اعمال کے بارے اکابر علماء ملت کے کچھ

حوالے پہلے بڑے لیے ہیں اور موافق ندائے حق کے اس حوالہ کے پیش نظر وہ تمام اکابر کئی گویا بدعتی ہیں ہاں اگر اصلی سستی میں تو وہ مؤلف مذکور یا ان کے بعض ہموا الاحول ولا قوة الا بالله اور مؤلف مذکور

نے ندائے حق ص ۱۳۶ میں عرض اعمال کا عنوان قائم کر کے جو باتیں کہیں وہ یہ ہیں (۱) روایت کی تصحیح اور نحسین کی بابت سیوطیؒ کا تساہل مشہور ہے اور زرقانیؒ کا حال بھی کسی عالم سے مخفی نہیں اور سید

محمد نور شاہ صاحب اور مولانا عثمانیؒ نے انہیں کو دیکھ کر سنجیدہ کہہ دیا ہے (۲) حضرت مولانا حسین علی نقاش فرماتے ہیں کہ عرض اعمال شیعہ کا مذہب ہے چنانچہ سند کے ساتھ امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہر صبح و شام تمام نیک و بد بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں سو تم بد اعمال سے بچو اللہ تعالیٰ کا ارشاد عملوا فسیبوا اللہ عملکم ورسولہ والمومنون قال واللہ ہو

علی ابن ابی طالب عرض اعمال شیعہ کا مذہب ہے کسی حدیث میں نہیں (۳) ابو داؤد کنس المساجد میں عرضت علیٰ اعمال اتنی منقطع ہے قابل اغتبار نہیں اور پھر اس کا معنی یہ ہے کہ احوال عملوں کا دکھایا

کیا نہ یہ معنی کہ فلاں شخص نے یوں کیا (۴) خود صاحب نسکین الصدور نے اپنی کتاب تہذیب النواظر ص ۱۱۹ میں لکھا ہے کہ فسیبریؒ اللہ عملکم الا یہ سے شیعہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر ائمہ پر اعمال پیش کرنے پر استدلال کیا ہے (اصول کافی جز سوم ص ۳۹ مع الصافی) اور لکھا ہے (باقی صفحہ آئندہ)

من الأدلة في ذلك وتواترت بالأخبار والدلالة
على ذلك اه (انباہ الاذکیاء ص ۱ طبع حیدرآباد
دکن وفتاویٰ امام سیوطی جلد ۱۴ طبع مصر)

کی حیات ہمارے نزدیک قطع طور پر ثابت ہے کیونکہ اس
پر ہمارے نزدیک لائل قائم ہیں اور تواتر کے ساتھ اخبار
موجود ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔

چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں رہا اور اس پر حدیث
سے بھی صحیح ثبوت موجود ہے اور اُمت کے تمام طبقات میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے اس لیے امام سیوطی
(یقینہ گذشتہ) در حقیقت عرس جملہ اعمال شیعہ شیعہ کا مسلک ہے (۵) رجالہ رجال الصبح کا لفظ نہ تو
صحیح حدیث پر دال ہے اور نہ سند کے منقطع ہونے کے منافی ہے (محصلہ) الجواب مؤلف مذکور
نے یہ جو کچھ کہا ہے بالکل بے سود ہے علی الترتیب جوابات ملاحظہ فرمائیں ع ۱ بلاشبہ امام سیوطی
متسائل تھے لیکن علامہ نور الدین سیوطی اور علامہ زرقاتی کا تسابل ثابت نہیں اور بلا حوالہ اور بدن
دلیل کے ان حضرات کا تسابل غیر مسلم ہے اسی طرح مولانا سید محمد انور شاہ صاحب اور مولانا عثمانی
دور حاضر کے محقق علماء میں تھے نہ لکیر کے فقیر نہ تھے خود مؤلف مذکور ہندائے حق میں
حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کو رئیس المحدثین اور ابن حجر ثانی کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں مگر
صدافوس ہے کہ یہی رئیس المحدثین اور ابن حجر ثانی جب کوئی ایسا بیان کرتے ہیں جو مؤلف مذکور کے نظریہ
کے خلاف ہوتا ہے (جیسے یہاں) تو وہ صرف سید محمد انور شاہ صاحب رہ جاتے ہیں اس لیے ان پر
کی گئی بے اعتمادی کا بھی اہل حق کے ہاں قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہے ع ۳ شیعہ کے ساتھ بعض مسائل
میں اشتراک و توادد اس کا مقتضی تو نہیں کہ ان مسائل میں کامرے سے انکار کر دیا جائے اگر شیعہ نماز و روزہ اور
حج وغیرہ احکام کے قائل ہیں تو کیا ہم اہل سنت والجماعت ان احکام کا انکار کر دیں؟ (محاذ البتر تعالیٰ)
علاوہ ازیں اہل حق اجمالی عرض کے قائل ہیں جیسا کہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب اور حضرت
مولانا تھانوی رحمہ اللہ حضرات کے حوالہ عرض کر دیئے گئے ہیں اور شیعہ عرض تفصیلی کے قائل ہیں چنانچہ
خود مؤلف ہندائے حق نے ص ۱۳۹ میں حضرت مولانا حسین علی صاحب کی املائی تفسیر بلغۃ الحیران
کا یہ حوالہ نقل کیا ہے۔ اے برادر یہ عقیدہ کہ کوئی سب کچھ جانتا ہے اور صبح و شام کسی پر اعمال کل عباد
کے پیش ہوتے ہیں یہ عقائد شیعہ کے ہیں۔ الغرض دونوں کے نظریات میں بڑا فرق ہے۔

ع ۳ البوداؤد کی روایت کا اس موقع پر پیش کرنا بے محل ہے اور یہ حضرت مرحوم کا دہم ہے کیونکہ وہ عرض
(باقی بر صفحہ آئندہ)

نے تو ان کا دعویٰ کیا ہے اور ایک اور مقام میں تو ان کا دعویٰ کر کے یوں لکھتے ہیں کہ :-

ان من جملة ما نواتر عن النبي صلى الله عليه وسلم
یعنی جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو ان کے
حياة الانبياء في قبورهم (النظم المتناثر من الحديث
ساتھ مروی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام
المواتر کذا فی شرح البوستوی ص ۱ طبع مصر)
اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی نے بھی اس حدیث کے متواتر کہنے میں امام سیوطی کی تائید کی

ہے۔ (المختار الوجہیۃ ص ۱ طبع استنبول)

(تفسیر صفحہ گذشتہ) جیسا کہ ہم نے پہلے بھی تھا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر زندگی میں ہوا تھا اور حضرت ابن مسعودؓ
کی روایت میں جو عرض ہے وہ بعد از وفات قبر مبارک میں ہے جب دونوں حدیثوں کا محل جدا جدا ہے تو
ایک کو دوسری کی تفسیر میں یا اس کے معارضہ میں پیش کرنا بے سود ہے وہ صحیح ہو یا منقطع ہو اس کی وجہ
سے اس صحیح حدیث پر ہرگز کوئی زد نہیں پڑتی (۴) تبرید النواظر میں شیعہ شنیعہ کا جو مسلک نقل کیا گیا ہے
اس میں یہ الفاظ موجود ہیں عرض جملہ اعمال الخ خدا کرے کہ مؤلف مذکور کو جملہ کا معنی سمجھ آ جائے کیونکہ بات
سب سمجھ ہی کی ہے الحاصل اہل خنہ جس طرح کے عرض اعمال کے قائل ہیں وہ روایت و درایت بالکل
صحیح ہے اور اس پر کوئی قابل التفات عقلی یا نقلی اعتراض وارد نہیں ہوا اہل اگر کوئی صرف میں مانوں
کی رٹ لگاتا رہے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

مؤلف اقامۃ البرمان

مؤلف مذکور نے ص ۲۲۲ تا ص ۲۲۵ میں ازالۃ الريب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کثرت تفحص کے
بعد بھی حضرت امام سیوطیؒ کے زمانہ تک کسی اور محدث سے اس حدیث کی تصحیح یا تحسین نہیں مل سکی اور
امام سیوطیؒ تصحیح حدیث میں بہت متسائل ہیں وہ تو جعلی سن گھڑت اور موضوع حدیثوں کا سہارا بھی اپنے
استدلال میں ڈھونڈ لیتے ہیں دیکھتے (مسالک الخفاء وغیرہ) جب تک اس روایت کی پوری سند اور اس
کے روایت کی توثیق اور سند کا اتصال ثابت نہ کیا جائے اور کسی معتبر محدث سے اس کی تصحیح اور تحسین
ثابت نہ ہو تو اس پر غم غیب وغیرہ قطعی عقیدہ میں کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ بقول امام سیوطیؒ یہی کہا
جائے گا کہ یا تو اس کی مناسب تاویل کی جائے گی یا خود یہ حدیث باطل ٹھہرے گی (کما سیاقی) خصوصاً
جب کہ یہ روایت مسند بزار کی ہے جو نہ تو کتب حدیث کے طبقہ اعلیٰ میں ہے اور نہ ثانیہ میں الخ (باقی بر صفحہ آئندہ)
حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ اپنی محققہ تفسیر فیظیر البیان فی ربط القرآن ص ۱ طبع تعمیر پرنٹنگ پریس لاہور میں لکھتے ہیں ہر روز

اہل علم جانتے ہیں کہ نواز کے کئی اقسام ہیں۔ نواز لفظی، نواز معنوی، نواز طبقہ اور نواز ثروت وغیرہ گو اس حدیث کے الفاظ اور اسناد متواتر نہیں لیکن نواز طبقہ اور نواز ثروت کا شرف اس کو حاصل ہے۔ امام عبد الوہاب شعرائی (المتوفی ۹۷۳ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:-

قد صحت الاحادیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی باذان واقامت۔
(منہج المتمدن ۹۲ طبع مصر)

بلاشبہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

پہلے صحیح روایت عرض کی جا چکی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں اور منفرد کی کامل نماز نو دہی ہوتی ہے جو اذان و اقامت سے ہو لہذا اذان و اقامت خود نماز (بقیہ صفحہ گذشتہ) اس کے بعد انہوں نے تسکین الصدر کی عرض اعمال کی حدیث کے صحیح ہونے کا حوالہ پیش کر کے جواب لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ سیوطیؒ مغیرہ محدث نہیں کسی مغیرہ محدث سے اس کی تصحیح و تحسین ثابت نہیں راویوں کی توثیق اور سند کا اتصال ثابت نہیں اب کیا امام سیوطیؒ مغیرہ ہو گئے ہیں یا مسند بنی رطبہ اولیٰ اور ثانیہ میں شامل ہو گئے۔ ہے یا طبقہ ثالثہ و رابعہ کی حدیثیں قابل احتجاج ہو گئی ہیں۔ علامہ نور الدین ہبشیؒ اگرچہ امام سیوطیؒ پر اقدم ہیں لیکن وہ بھی امام سیوطیؒ کی طرح ناقص و جامع ہیں اور ان کے رجال رجال الصحیح کہنے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا (محصلہ) الجواب جس وقت ہم نے ازالۃ الربیب لکھی تھی اس وقت ہمارے سامنے صرف امام سیوطیؒ کی خصائص الکبریٰ کا حوالہ ہی تھا اور ہم صرف امام سیوطیؒ کی تصحیح پر ان کے متسائل ہونے کی وجہ سے مطمئن نہ تھے لیکن سرسری طور پر اس کے دیگر مظان سے دیکھا تو کسی اور کی تصحیح و تحسین نہ مل سکی لیکن جب بعد کو مجمع الزوائد زرقانیؒ و رجال المحذین ابن حجر ثانیؒ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور مولانا عثمانیؒ وغیرہ کے حوالے مل گئے تو ہم مطمئن ہو گئے اور ہم نے اسی اطمینان سے یہ بحث تسکین الصدر میں باحوالہ درج کر دی اور اس سلسلہ میں اصل اعتماد امام سیوطیؒ کے علاوہ دوسروں پر ہے جب اس روایت کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں تو ان کے ثقہ ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور جب ذمہ داری سے علامہ بیہقیؒ وغیرہ اس کو صحیح اور حید کہتے ہیں تو اصول حدیث کے رو سے صحت کے لیے اتصال سند بھی ضروری امر ہے لہذا اتصال سند بھی ثابت ہے علامہ ابن الصلاحؒ کا حوالہ اسی کتاب میں اپنے مقام پر آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ (باقی بر صفحہ آئندہ)

میں شامل ہیں اور کتب فقہ میں منقروں کے لئے بھی اذان و اقامت کا ثبوت موجود ہے (بلاجماعت اس منقروں کی نماز اور الانوار ص ۳ وغیرہ کے حوالہ کے مطابق اذان و اقامت کی حد میں شامل ہوتی ہے چنانچہ جماعت مسنونہ مل سکتی ہو اور تغافل و کوتاہی کر کے آدمی اس کو حاصل نہ کر سکے اور پھر تکلیفی زندگی ہو قبر کا معاملہ اس سے الگ ہے لہذا اندائے حق ص ۹ پر اس پر بحث لا حاصل ہے)

حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ :-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ کما تقرر و
انہ یصلی فی قبرہ باذان و اقامة اھ
(فتح المملوہ جلد ۴ ص ۴۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ
بیہ ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں اذان و اقامت
سے نماز پڑھتے ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

ان کثیراً من الاعمال قد ثبتت فی القبور
کالاذان و الاقامة عند الدارمی و قرأۃ
القرآن عند الترمذی الخ (فیض الباری جلد
۱۸۳ ص ۱۸۳)

قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے
جیسے اذان و اقامت کا ثبوت دارمی کی روایت
میں اور قرأۃ قرآن کا ترمذی کی روایت میں۔

علامہ بدر الدین محمد بن احمد العینی الحنفی (المتوفی ۷۵۵ھ) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد آمیناً
اَنْتَیْنِ الْاٰیۃِ کِی تفسیر کرنے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

اراد بالموئیین الموت فی الدنیا و الموت فی
القبور و هما موئتان المعروفتان المشہودتان
فلذلک ذکرهما بالغریف و هما موئتان لکل
احد غیر الانبیاء علیہم السلام فاھما لا یموتون

دو موتوں سے ایک ہ موت مراد ہے جو دنیا میں آتی ہے
اور دوسری وہ ہے جو قبر میں آتی ہے یہی معروف و مشہور
موتیں ہیں اس لیے ان کو (الف) لام حرف تعریف سے ذکر کیا
ہے ہاں حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں وہ اپنی

(بقیہ گذشتہ) اور علامہ بیہقی حزرے ناقل اور جامع ہی نہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح اور ضعیف حدیثوں کے پچھنے کا
قوی ملکہ عطا فرمایا ہے اور بعد میں آنے والے جملہ محدثین کرام اس سلسلہ میں ان پر اعتماد کرتے ہیں جب یہ فرما رہے
حضرات اس کی تصحیح کرتے ہیں تو یہ روایت مسند بزار میں رکھ کر بھی صحیح ہو سکتی ہے نہ طیف بدلتے کی حاجت
ہے اور نہ اس صحیح روایت پر بے اعتمادی کی کوئی وجہ ہے۔

فی قبورهم بل هم احياء واما سائر الخلق
فهم يموتون فی القبر ثم يحيون يوم القيمة
(عمدة القاری جلد ۳ طبع مصر)

قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں
لیکن مخلوق کے کہ (حساب کتاب کے بعد) وہ قبر
میں وفات پا جاتے ہیں اور پھر قیامت کے دن
زندہ ہوں گے۔

یہ تحقیق اس مسلک پر مبنی ہے کہ قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے
پھر ان کو وفات دی جاتی ہے، مگر جمہور اس کے خلاف ہیں (پہلے اس کی بحث گزر چکی ہے) لیکن
حضرات انبیاء علیہم السلام پر قبور میں وفات نہیں آتی بلکہ وہ مستمر طور پر زندہ رہتے ہیں اور اس بات
میں وہ حضرت بھی متفق ہیں جو عام مردوں کے لیے قبر میں سوال کے بعد موت تسلیم کرتے ہیں۔
حضرت امام مالکؒ سے یہ منقول ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہونے
والے کے لیے لفظ زیارت کو پسند نہ فرماتے تھے۔ علامہ ابن رشدؒ (المتوفی ۵۹۵ھ) نے اس کی
وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ لفظ زیارت عموماً مردوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم تو قبر مبارک میں زندہ ہیں پھر لفظ زیارت کیوں استعمال کیا جائے۔
چنانچہ حضرت مولانا عبدالعظیم فرنگی محلیؒ (المتوفی ۱۲۸۵ھ) نقل کرتے ہیں کہ:-

نقل عن الامام مالکؒ انه كان يكره ان يقول
رجل زرت قبر النبي صلى الله عليه وسلم قال ابن
رشدؒ من اتباعه ان الكراهة لعلامة الزيارة في
الموتى وهو صلى الله عليه وسلم احياء الله تعالى بعد
موته حياة تامدة واستمرت تلك الحياة وهي
مستمرة في المستقبل وليس هذا خاصة به
صلى الله عليه وسلم بل يشاؤك ان الانبياء عليهم
السلام فهو حي بالحياة الكاملة مع الاستغناء
عن الغذاء والحسنى الذنوبى (نور الايمان بزيارة اثار
حبيب الرحمن ص ۳۳۲ و ۳۳۳ طبع مصر)

امام مالکؒ سے یہ منقول ہے کہ وہ اس کو ناپسند کرتے
تھے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی علامہ ابن رشدؒ مالکی فرماتے
ہیں کہ گراہت کی وجہ یہ ہے کہ زیارت کا لفظ بالعموم
مردوں کے لیے بولا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد مکمل حیات بخشی ہے اور یہ
مستقبل میں دائمی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ہی شخص نہیں بلکہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام بھی اس
میں آپ کے ساتھ شریک ہیں پس آپ کو حیات کاملہ حاصل
لیکن دنیوی اور حسی خوراک کی حاجت نہیں پڑتی۔

اس عبارت میں بھی یہ امر واضح کر دیا گیا ہے کہ گویہ حیات کامل ہے مگر تمام لوازمات دنیوی اس پر مرتب نہیں ہوتے کہ اس میں دنیوی اور حسی خوراک کی حاجت بھی باقی رہے۔

اس مقام میں مؤلف مذلتے حق نے ص ۳۵ تا ص ۳۷ میں ایک غیر ضروری اور بے فائدہ بحث چھیڑ دی ہے جس کا تجزیہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ (۱) ابن رشد کا قول لغت میں مخیر نہیں۔

الجواب ہم نے کب ابن رشد کا قول لغوی اعتبار سے پیش کیا ہے ان کا حوالہ صرف اس لیے پیش کیا گیا ہے کہ فقہی طور پر انہوں نے امام مالک کے قول کی ایک توجیہ پیش کی ہے اور علامہ ابن رشد کا مقام فقہاء مالکیہ میں بہت بلند ہے۔

علا زيارت کا لفظ زندول پر ہوتا ہے اور اس کے ثبوت میں کئی حوالے پیش کئے ہیں۔
الجواب بجا ہے اس کا کون انکار کرتا ہے؛ لیکن یہ لفظ اسی میں منحصر نہیں ہے اور مقامات پر بھی بولا جاتا ہے۔

علا اہل عرف جب زیارت میت کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد (بخرف مضاف) قبر ہوتی ہے
الجواب بجا ہے قرآن کریم، احادیث اور فقہاء کرام کی عیارات میں رُزْتُہُمُ الْمَقَاتِلَ اور زیارة القبور وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں اگر ایسا ہی مضاف آپ ابن رشد کے کلام میں مراد لے لیں تو کیا نقصان لازم آتا ہے؛ علاوہ ازیں ہمارے فقہاء اخاف نے لفظ زیارت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بولا ہے چنانچہ علامہ شرنبلالیؒ لکھتے ہیں

ينبغي لمن قصد زيارة النبي صلى الله عليه وسلم ان يكثر من الصلوة عليه
جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا قصد کرے تو اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ بکثرت آپ پر درود شریف پڑھے۔

(نور الابيضاح ص ۱۸۸)

اور علامہ عبد العلی بحر العلوم روضۃ اقدس پر حاضر ہونے سے پہلے کی ایک عابنائے ہیں جس میں یہ الفاظ بھی ہیں وارزقتی من زیارة رسولک صلی اللہ علیہ وسلم الخ (رسائل الارکان ص ۲۸) الغرض زندہ کی زیارت، قوم کی زیارت، قبر کی زیارت اور زیارة النبی اور زیارة الرسول کے تمام الفاظ اپنے اپنے معنی اور اپنے موقع اور محل کے لحاظ سے درست ہیں نہ تو اس میں راقم کی لغوی غلطی ہے اور نہ علامہ ابن رشد کی۔

علامہ ابوالرفاع علی بن محمد ابن عقیل الحنبلی (المتوفی ۵۱۳ھ) کا ارشاد ہے کہ:-

قال ابن عقیل من الحنابلة وهو صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبره یصلی (الروضۃ البهیة ص ۱)
 علامہ ابن عقیل الحنبلی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

امام بدرالدین علی الحنبلی رحمہ اللہ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتاویٰ کا اختصار کیا ہے، لکھتے ہیں کہ:-

والانبياء احياء فی قبورهم وقد یصلون (مختصر الفتاوی المصریة ص ۱)
 حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ایسا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں۔

یعنی چونکہ سبکی زندگی تو رہی نہیں اور وہ حضرات نماز تلتذ کے طور پر پڑھتے ہیں، اس لیے پابندی لازم نہیں اور قد یصلون کہہ کر اسی حقیقت کو آشکارا کر دیا ہے کیونکہ حرف قد مضارع پر داخل ہو کر اکثر تفضیل کا فائدہ دیتا ہے۔ اور حرف قد مضارع بہ کبھی تحقیق کے لیے بھی آتا ہے۔ (رضی جلد ۳۸۸ و ۳۸۹ متن ص ۲۸)

فقیہ وقت علامہ حسن بن عمار بن علی شربلانی الحنفی (المتوفی ۶۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ:-
 ولما هو مقرر عند المحققین انه صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق متمتع بجميع الملائک والعبادات غیر انما يجب عن ابصار القاصرين عن شریف المقامات۔

رفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔ (نودالایضاح ص ۱)

اس عبارت میں محققین کا مسلک یہ بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور رزق اور عبادات سے مستمتع ہیں لیکن یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہاں کا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

علامہ ابن عابدین الشافعی الحنفی رحمہ اللہ ایک خاص مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:-
 ان الانبياء احياء فی قبورهم كما ورد فی الحديث حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ

(رسائل ابن عابدین جلد ۲ ص ۲۰۰) میں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

علامہ شامیؒ نے اس عبارت میں حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام کو حدیث پر بنیاد رکھتے ہوئے تسلیم کیا ہے جس سے حدیث کی صحت بھی ان کے نزدیک مسلم ہے۔
الامام الاستاذ ابو منصور طاهر الشافعی البغدادی (المتوفی ۳۲۹ھ) فرماتے ہیں کہ:-

قال المنكلمون المحققون من اصحابنا ان نبينا صلى الله عليه وسلم حي بعد وفاته يسو بطاعات امته (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۳۳)
ہمارے اصحاب کے محقق متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

اصحابنا سے متکلمین کی جماعت مراد ہو یا شواہد کی ہر صورت ان میں محققین کا مسلک اور تحقیق یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔
امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی (المتوفی ۵۹۰ھ) لکھتے ہیں کہ

نحن نوؤمن ونصدق بانـه صلى الله عليه وسلم حي يرزق في قبره وان جسده الشريف لا تأكله الارض والجماع على هذا۔
ہم اس بات پر ایمان لاتے اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کا جسد اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اسی پر اجماع منعقد ہے۔
(القول البدیع ص ۱۲۵ طبع الدایاد)

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قہر مبارک میں زندہ ہونا اور آپ کو رزق ملنا اور جسد اطہر کا محفوظ رہنا اجماعِ اُمت سے ثابت ہے اگر بالفرض حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہ بھی ہوتا تب بھی اُمتِ مسلمہ کا اجماع شرعی دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔
علامہ محمد عابد السندی الحنفی (المتوفی ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں کہ:-

اما هم فحياتهم لا شك فيها ولا خلاف لاحد من العلماء في ذلك الى ان قال فهو صلى الله عليه وسلم حي على الدوام
بہر حال حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء میں سے کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں۔
(رسالہ مدنیہ ص ۷۷)

یعنی وفات کے بعد قبر میں جو حیات آپ کو حاصل ہے وہ مستمر اور دوامی ہے وہ سلب نہیں ہوئی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ حیات متفق علیہ است، بیچ کس را دروے حیات متفق علیہ ہے کسی کا اس میں کسی قسم کا کوئی خلا فی نیست (اشعۃ المعانی جلد ۱ ص ۶۱) اختلاف نہیں ہے۔

شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ باوجود وسیع النظر ہونے کے کس وضاحت سے یہ بیان کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اگر کسی ایک فرد کا اختلاف بھی اس میں ہونا تو ضرور اس کا اظہار فرماتے۔

نواب قطب الدین خان صاحب (المتوفی ۱۲۷۹ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:-

زندہ میں انبیاء علیہم السلام قبروں میں میسند متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے (مظاہر حق جلد ۱ ص ۲۵۵) نواب صاحب دنیا کی سی کا جملہ بول کر یہ حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرات انبیاء کریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ حیات مِنْ کُلِّ الْوُجُوہ دنیوی نہیں ہے کہ حسی کھانے پینے کی حاجت ہو بلکہ بعض وجوہ سے نبوی ہے مثلاً اور اک علم اور شعور وغیرہ۔

مشہور محقق محدث اور زکتمتہ رس عالم علامہ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین تور لشتی الحنفی المتوفی فی حدود ۷۶۰ھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:-
 وازال جملہ آنست کہ بدانند کہ کالبد سے را
 ان خصوصیات میں سے ایک یہ بھی جانی چاہیے
 زمین خور و بوسیدہ نشود و چوں زمین ازوے
 کہ آپ کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھاتی اور نہ وہ ریزہ
 شگافنہ نشود کالبد سے بحال خود باشند و حشر
 ریزہ ہوگا اور (قیامت کو) جب زمین شق ہوگی تو
 آپ کا جسم مبارک اپنی حالت میں محفوظ ہوگا اور اسی وجود
 مبارک کے ساتھ آپ اور دیگر جملہ انبیاء علیہم السلام کا حشر ہوگا
 و جملہ انبیاء جنہیں باشند و حدیثیہ درست
 است کہ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ

لے ملاں کا تب چلیں گے ان کو الحنفی لکھا ہے ملاحظہ ہو کشف الظنون ج ۲ ص ۲۴۲ دھوا الحق اور علامہ سبکی نے ان کا تذکرہ طبقات شافعیہ جلد ۱ ص ۱۲۶ میں کیا ہے۔

الْجَسَادَ الْأَنْبِيَاءِ إِلَى أَنْ قَالَ هُمْ أَحْيَاءُ
فِي قُبُورِهِمْ يَصَلُّونَ - وَأَوَّلُ هِمَّةٍ يَغْفِرُ بَارِئُ خَيْرِ
ازگور (کتاب المغنم فی المغنم باب ۴ فصل ۴)
للتوربشتی (ج)

اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر
انبیاء علیہم السلام کے اجسام حرام کر دیئے ہیں (پھر آگے
فرمایا کہ) انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور
نماز پڑھتے ہیں اور سب سے پہلے قبر مبارک سے ہمارے پیغمبر
صلی اللہ علیہ وسلم اٹھیں گے۔

موصوف تے یہ لکھ کر آفریں فرمایا ہے کہ داستانِ ایں سمجھ کر یاد کر ویم ہم است یعنی یہ جو کچھ میں
نے بیان کیا ہے اس کا جاننا نہایت ضروری اور اہم ہے غور فرمائیے کہ کس خیر خواہی ولسوزی اور
ہمدردی سے ضروری اور ہم امور کو ذہن نشین کرنے کی سعی کی جا رہی ہے اور مستند، صحیح اور معروف حدیثوں
کا حوالہ دے کر اُن امور کو میرین اور مدلل کیا جا رہا ہے تاکہ کسی منکر کے لیے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔
حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری الحنفی (المتوفی ۱۲۹۷ھ) نقل کرتے ہیں کہ:-

والاحسن ان يقال ان حياة صلى الله
عليه وسلم لا يتعقها موت بل يستمر
حياء والا نبیاء احياء في قبورهم
(ها مشن بخاری جلد ۵۷)
بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی حیات البسی ہے کہ اس کے بعد موت اور نہیں ہوتی
بلکہ دواوی حیات آپ کو حاصل ہے اور باقی حضرات انبیاء
کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

قبر میں حیات کے منکروں نے حضرت صدیق کے اس قول

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَزِيدُ يَقُولُ اللَّهُ التَّوَتِينَ
کہ بخدا آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی دو مرتبہ موت نہیں
اید۱۔ (جکھائے گا)

سے استدلال کیا تھا اور اہل سنت کی طرف سے اس کا ایک جواب یہ ہے جو مولانا سہارنپوری
نے فتح الباری کے حوالہ سے نقل کر کے اس کی تائید کی ہے۔

مولانا ابوالعین عبدالحادی محمد صدیق نجیب آبادی الحنفی (المتوفی ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ:-
انهم اتفقوا على حيواته صلى الله عليه وسلم
بل «حيوة الانبياء عليهم الصلوة والسلام
متفق عليها لا خلاف لاحد فيها»
محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام
علیہم الصلوة والسلام کی حیات متفق علیہا ہے،

(انوار المجہود شرح ابی داؤد جلد ۱ ص ۱۱) اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول و مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسی طرح باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات الثانی امر ہے اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔
حضرت مولانا عثمانی رح لکھتے ہیں کہ:-

ودلت النصوص الصحیحة علی حیوۃ الانبیاء
علیہم الصلوٰۃ والسلام کما سبقت انشاء اللہ
تعالیٰ فی موضع یلیق بہ انتہی (فتح الملہم ج ۳۲)
نصوص صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرات
انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں جیسا کہ مناسبت
موقع پر اس کا ذکر ہو گا۔ انشاء اللہ
مولانا نے متعدد مقامات پر حیات انبیاء علیہم السلام کو بیان فرمایا ہے ان کی بعض ضروری
عبارتیں باحوالہ اپنے مقام پر آ رہی ہیں انشاء اللہ۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری (المتوفی ۱۳۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ:-
ان نبی صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما ان الانبیاء
علیہم السلام احیاء فی قبورہم
ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات، انبیاء کرام علیہم السلام
اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
(بذل المجہود جلد ۲ ص ۱۱)

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اگر اس حیات سے محض روح کی حیات مراد ہے اور قبر میں
جسم اطہر کا اس سے کوئی تعلق نہیں تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قبور کا لفظ معاذ اللہ بیکار جانا
ہے اور اسی طرح اکابر کی عبارات میں بھی لفظ قبر کا کوئی مطلب خیر معنی حاصل نہیں ہوتا چونکہ ان
کے اجساد مبارکہ قبروں میں بالکل محفوظ ہیں تو قبر میں حیات کا مطلب اور مفہوم اس کے سوا
اور کیا ہو سکتا ہے کہ روح مبارک کا جسم اطہر سے تعلق ہے اور اس کی بدولت حیات
حاصل ہے۔

حضرت مولانا سید محمد نور شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:-

وقد یتخیل ان رد الروح ینافی الحیوۃ
وهو یقررہا فان السر انما یكون
کبھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ روح کا لوٹنا حیات کے
منافی ہے حالانکہ روح حیات کو ثابت کرتا ہے

الی الحی لا الی الجماد کما وقع فی حدیث
لیلة التقریب یرید بقوله الانبیاء
مجموع الانشخاص لا الاسواح فقط الخ
(تحفۃ الاسلام ص ۳۵۳ و ۳۶)

کیونکہ روح زندہ کی طرف لوٹانی جاتی ہے نہ کہ جہاد
کی طرف جیسا کہ لیلۃ التقریب کی حدیث میں ہے
(جب سب حضرات سو گئے تھے اور سوچ چڑھنے کے
بعد بیدار ہوئے اور اس میں روح کا ذکر ہے۔ بخاری
ص ۸۳) اور انبیاء اجماع سے حضرات انبیاء کے مجموع
انشخاص مراد ہیں نہ کہ فقط اروح (یعنی وہ اپنے اجسام
کے ساتھ زندہ ہیں۔

حضرت موصوف نے اس عبارت میں تفسیح کر دی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی
زندگی سے فقط روح کی زندگی مراد نہیں بلکہ بدن اور روح دونوں کی زندگی مراد ہے (مجموع الانشخاص)
حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ارقام فرماتے ہیں کہ بیہقی وغیرہ نے حدیث
انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں
میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں کذا فی المواہب اور یہ نماز تکلیفی نہیں بلکہ تلذذ کے
لیے ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ کو ہر جگہ پکارنا جائز ہے الخ
(نشر الطیب ص ۲۱ طبع جدید برقی پریس دہلی)
اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ :- آپ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں (التکشف ص ۴۲۶)
حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت انسؓ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے
فرماتے ہیں کہ :-

برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از موطن
دنیوی است گنجائش ترقی دارد و احوال
ایں موطن نظر با اشخاص متفاوتہ تفاوت
فاحش دارد الانبیاء یصلون فی
قبور دھو شنیدہ باشند۔
(مکتوبات دفتر دوم ص ۲۹ طبع لکھنؤ)
چھوٹا برزخ (یعنی قبر) جب ایک وجہ سے نبوی
جگہوں میں سے ہے تو یہ ترقی کی گنجائش رکھتا
ہے اور مختلف اشخاص کے اعتبار سے اس جگہ
کے حالات خاصے متفاوت ہیں۔ آپ نے یہ تو
سنا ہی ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی
قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر حیات انبیاء علیہم السلام پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فانهم يقوون من حيث النظر كونه الشهداء احياء ينص القرآن والانباء افضل من الشهداء

(فتح الباری جلد ۳۷ ص ۳۷۹)

تمام اہل اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبر اور برزخ میں حیات حضرات شہداء کی حیات سے اعلیٰ اور ارفع ہے اور جب شہداء کی زندگی نص قرآنی سے ثابت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں تو حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث انسؓ کی رو سے تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہی ہے عقلی اور نظری طور پر دلائل النص سے بھی ان کی حیات ثابت ہے اس لئے کہ وہ شہداء سے افضل ہیں تو لا محالہ ان کی حیات بھی شہداء سے افضل اور برتر ہوگی لہذا نقل و نقل سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید تھے

حافظ ابن حجر وغیرہ نے تو قیاس کے ذریعہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام قبر و برزخ میں زندہ ہیں لیکن قطع نظر اس قیاس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید بھی ہیں لہذا جو حیات شہداء کی منصوص ہے وہ نص قرآنی سے بھی آپ کے لیے ثابت اور متحقق ہے۔ قصہ یوں ہے کہ ۷ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام کی معیت میں خیبر فتح کر لیا تو یہود خیبر اس پر بہت ہی زیادہ برا فروختہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ تیار کیا چنانچہ مشہور یہودی سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت الحارث نے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جمع چند دیگر صحابہ کرام کے دعوت تیار کی اور بکری کے گوشت میں زہر ہلاہل ڈال کر آپ کو شہید کرنا چاہا، چنانچہ آپ کے ساتھیوں نے بھی وہ کھانا ایک ایک دو دو لقمے کھایا اور آپ نے بھی ایک لقمہ منہ مبارک میں ڈالا، اور اس کا لعاب حلق مبارک سے نیچے پیٹ میں چلا گیا، گوشت کی بوٹی نے بول کر کہا حضرت

مت کھائیے کیوں کہ میں زہر آلود ہوں، آپ نے اپنے صحابہ کرام کو فوراً منع کیا، مگر ایک صحابی حضرت بشر بن براہ بن معرور اس سے شہید ہو گئے اور آپ کو اس زہر سے کافی تکلیف ہوئی چنانچہ آپ نے وفات سے چند لمحات پہلے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ:-

یا عائشہؓ ما ازال اجد الم الطعام الذي اكلت بخبر فخذ اوان وجدت انقطاع ابهرى من ذلك السم۔
(بخاری ج ۶ ص ۶۳۴ و مستدرک جلد ۵۸)

اے عائشہؓ میں برابر اس کھانے کی زہر کا اثر پارہا ہوں جو خیر میں میں نے کھایا تھا سو اس وقت میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ میری رگ جان کٹ رہی ہے۔

آپ کی وفات کے وقت اس زہر کا خاصا اثر تھا اور عالم اسباب میں آپ کی وفات کا سبب یہ زہر بلا ہل ہے اس لیے آپ شہید بھی ہوئے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

لان احلف تسعا ان رسول الله صلى الله عليه وآله ولم قتل قتلا احب الي من احلف واحدة انه لم يقتل وذلك ان الله انخذة نبيا واتخذة شهيدا۔ (مستدرک جلد ۵۸ قال الحاكم والذہبی صحیح علی شرط ما ومسند احمد ج ۳ ص ۳۸)

یہ کہ میں نو دفعہ قسم اٹھاؤں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ایک دفعہ یہ قسم اٹھاؤں کہ آپ قتل نہیں کیے گئے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت کا رتبہ بھی عنایت فرمایا ہے۔

علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المالکی (متوفی ۲۲۰ھ) اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:-

اخرجه احمد وابو يعلى والطبراني والحاكم والبيهقي عن ابن مسعود اه (زرقانی شرح مواہب ج ۲ ص ۲۲)

اس روایت کو امام احمد، ابو یعلیٰ، طبرانی، حاکم اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کا بلند مقام بھی مرحمت فرمایا ہے اور قرآن کریم میں شہداء کی جو زندگی اور حیات منصوص ہے وہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ہے۔ نص قرآنی اور صحیح حدیث کو ملانے کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکور حدیث کے علاوہ یہ ایک الگ اور مجید دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں اور فیض قیاسی فقہی اور نظری دلیل ہی نہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالہ سے پہلے عرض کیا گیا ہے بلکہ اس روایت کے رو سے آپ کی شہادت بھی منصوص ہے اور نص قرآنی سے شہدائے حیات بھی منصوص ہے۔

اکابر علماء دیوبند کی دینی خدمات

اس دور میں مذہب و قوم کی جو خدمت علماء دیوبند نے کی ہے وہ کسی دانشمند اور منصف مزاج آدمی سے مخفی نہیں ہے علمی اور تحقیقی، تقریری اور تحریری تدریسی اور سیاسی رنگ میں ان کی خدمات تہی دنیا تک نہ صرف یہ کہ یادگار رہی ہیں گی بلکہ انشاء اللہ مشعل راہ بھی بنیں گی اور ان کے درس و تدریس اور وعظ و پند سے نشنگان علم و ہدایت ذوق و شوق کے پیالے بھڑک کر سیراب ہوتے رہیں گے ایک وقت تھا کہ ان کی خدا داد قابلیت اور بے لوث خدمت اور قبولیت عامہ نے برطانیہ کی حکومت کو خالصا ہر اس امر کو دیا تھا جس نے ان کو طرح طرح کی اذیتیں اور دکھ پہنچائے اور ان کو بدنام کرنے کا کوئی مذموم سے مذموم حربہ اور پہلو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا، اسی دور برطانیہ میں ایک خاص مصلحت کے پیش نظر مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی (المتوفی ۱۳۴۷ھ) نے اکابر علماء دیوبند کی خالص علمی اور دقیق عبارتوں میں قطع و برید کے اسلامی ممالک کے علماء اور علی الخصوص علماء حرمین شریفین کے سامنے پیش کر کے ان سے کفر کا فتویٰ حاصل کیا۔ لیکن جب علماء حرمین کو اصل حقیقت معلوم ہوئی اور خالصا صاحب کی مجرمانہ کارروائی کا پتہ چلا تو انہوں نے جھبیل سوالات مرتب کر کے حضرت علماء دیوبند کو بھیجے کہ آپ حضرات کا ان مسائل کے بارے میں کیا خیال ہے ان کو صاف لکھتے تاکہ حق و باطل واضح ہو جائے تو اس وقت فخر العلماء رأس المحققین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور نے ان کے جوابات لکھے اور ۱۸ شوال ۱۳۲۵ھ میں ان کو مکمل کر کے اپنی جماعت کے تئیس بزرگوں (جن میں خصوصیت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا میر احمد حسن صاحب امر دہلی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب

دیوبندی، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب پوری، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا غلام رسول صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی وغیرہ قابل ذکر ہیں کی تصدیقات لکھو اگر علماء حرمین اور دیگر ممالک اسلامیہ کو بھیجیں وہ حضرات ان کے نسلی بخش جوابات دیکھ کر مطمئن ہو گئے اور خان صاحب کے الزامات پر محو حیرت ہو کر انگشت بدندان رہ گئے ان جوابات پر مشتمل رسالہ المہند علی المفسد کے نام سے سالہا سال سے طبع ہو چکا ہے ہمارے سامنے ۱۳۵۲ھ کا وہ نسخہ ہے جو مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہوا ہے گویا یہ رسالہ ان معتقدات پر مشتمل ہے جو علماء دیوبند کے اتفاقاً اور اجتماعی عقیدے کہلاتے ہیں اگرچہ ہم نے بعض اکابر علماء دیوبند کی عبارات پہلے بھی باحوالہ عرض کر دی ہیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ اپنے مقام پر عرض ہوں گی اور ان کے علاوہ بھی ان کی اس مسئلہ کے بارے میں بہت سی عبارات ہیں لیکن اس اجتماعی اور مرکزی رسالہ کے بعد مزید کچھ کہنے اور لکھنے کی مطلقاً کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی المہند کی اس عبارت کو بغور ملاحظہ فرمائیے

السؤال الخامس :- ما قولكم في حياة النبي عليه الصلوة والسلام في قبره الشريف هل ذلك امر مخصوص به ام مثل سائر المؤمنين رحمة الله عليهم حياة برزخية

پانچواں سوال :- کیا فرماتے ہو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں حیات کے متعلق کہ کوئی خاص حیات آپ کو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات ہے۔

الجواب :- عندنا وعند مشائخنا حياة حضرة الرسالة صلى الله عليه وسلم دينوية من غير تكليف وهي مختصة به صلى الله عليه وسلم وبجميع الانبياء صلوات الله عليهم والشهد اولا برزخية كما هي لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما نص عليه العلامة السيوطي في رسالة انباه الاذكياء بحياة الانبياء حيث قال قال الشيخ تقي الدين السبكي حياة الانبياء والشهد اولا

جواب :- ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دُنیا کی سی ہے بلا تکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو چنانچہ علامہ سیوطی نے اپنے رسالہ انباء الاذکیاء بحیوة الانبیاء میں تصریح لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ

القبر کجیوا تھو فی الدنیا ویشہد لہ صلوٰۃ
 موسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فان الصلوٰۃ تستدعی
 جسداً حياً الی آخر ما قال ثبت بهذا ان
 حیواتہ دنیویۃ برزخیۃ لکونھا فی عالم البرزخ
 ولشیخنا تھمس الاسلام والدین محمد قاسم
 العلوم علی المستفیدین قدس اللہ سرہ العزیز
 فی هذا المبحث رسالۃ مستقلة دقیقة المأخذ
 بدیقة المسالك لم یومثلھا قد طبعت وناشرت
 فی الناس واسمھا آب حیات ای ما الحیات
 انتہی (المہند علی المقتد ص ۱۳۷)

تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام و
 شہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی
 اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی
 دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے الخ پس اس
 ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات
 دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ میں
 حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب
 قدس سرہ کا اس محبت میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے
 نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل جو طبع ہو کہ
 لوگوں میں شائع ہو چکا ہے اس کا نام حیات ہے

اس عبارت میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبر میں زندگی اور حیات کو دنیوی
 حیات سے تعبیر کیا ہے اور اس کو برزخی بھی کہا ہے کہ وہ عالم برزخ میں ہے اور اس حیات دنیوی
 پر دلیل علامہ تقی الدین سبکیؒ کی عبارت پیش کی ہے اور ان کی عبارت کا ابتدائی حصہ پیش کر کے آخر
 میں لکھا ہے کہ الی آخر ما قال یعنی علامہ سبکیؒ کی عبارت کا یہی ٹکڑا مدار دلیل نہیں بلکہ ان کی عبارت
 آخر تک اس دلیل میں ملحوظ رکھنی چاہیے اور آخر تک ان کی عبارت میں جو تشریح اور تفصیل ہے اس
 کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور ہم باحوالہ پہلے علامہ سبکیؒ کی معمود عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں
 اس کا بھی ذکر ہے کہ اگرچہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی قبر میں زندگی دنیوی ہے لیکن دنیوی زندگی
 کے تمام لوازمات اس کے لیے ضروری نہیں ہیں کہ وہ دنیوی کھانے پینے اور ایسے ہی دیگر حاجات کو
 مستلزم ہو بلکہ ان امور میں وہ الگ اور جدا حکم رکھتی ہے۔ ہاں ادراک و شعور اور علم وغیرہ میں وہ
 دنیوی زندگی کی طرح ہے بالفاظ دیگر ان کے ارواح طیبہ کا تعلق ان کے ابدان دنیویہ سے
 ہے اور دنیا کی زندگی کی طرح ادراک و شعور اور علم ان کو حاصل ہے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اس
 زندگی کو دیکھنا چاہیے تو اس کے لیے وہ بالکل محسوس نہیں ہو سکتی اور اس کو حضرات انبیاء کرام
 علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام مبارکہ ساکن اور ساکت ہی نظر آئیں گے کیونکہ دوسروں کے حق

میں وہ غیر محسوس ہے اور اس لحاظ سے وہ دنیوی نہیں اور نہ دنیوی زندگی سے مشابہ ہے بلکہ اس معنی میں وہ برزخی اور اخروی ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:-

لأن بعد موتہ وان کان حیاً فہی حیۃ اُخریۃ کیونکہ آپ وفات کے بعد اگرچہ زندہ ہیں لیکن غیر دنیوی
لأن شہید حیۃ الدنیا (فتح الباری ج ۳) قسم کی حیات ہے وہ دنیا کی حیات کی طرح نہیں ہے
اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:-

وہذہ الحیۃ لیست دنیویۃ اتماماً ہی اُخریۃ اور یہ زندگی دنیوی نہیں بلکہ اخروی ہے۔
(فتح الباری جلد ۲ ص ۱۳)

حضرت مولانا محمد اویس صاحب کاندھلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ تمام اہل السنۃ والجماعت کا
اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ
ہیں اور نماز و عبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ برزخی حیات
اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لیے کہ روحانی اور معنوی
حیات تو عامۃ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے اھ (حیات نبوی ص ۲) اور اگے لکھتے
ہیں کہ: غرض یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات جسمانی ہے محض روحانی نہیں اس لیے کہ
مرنے کے بعد روحانی حیات اور سمع اور ادراک حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ
احادیث صحیحہ سے تمام افراد اور احاد البشر کے لیے ثابت ہے اھ (ص ۵) اور پھر آگے چند دلائل کا
ذکر کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:- یہ تمام امور اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی
حیات جسمانی ہے اور ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق قائم ہے اھ ص ۷۔

حضرت مولانا مفتی غفرلہ الرحمن صاحب (المتوفی ۱۳۴۷ھ) لکھتے ہیں۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی
حیات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شہداء کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہے اور بحجت
اس کی طویل ہے فقط (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ج ۲ طبع دیوبند)۔

ایک اور سوال یوں ہوا کہ مرنے کے بعد جو سوال وغیرہ ہوتے ہیں تو روح مرنے کے بعد کس
پر چلی جاتی ہے پھر قبر میں لائی جاتی ہے یا جہنم میں بند کر دی جاتی ہے، جس کا جواب یہ ارشاد فرمایا۔
الجواب: جہنم سے روح کو تعلق رہتا ہے فقط (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ج ۲ طبع دیوبند)

جب عام مردوں کے جسم سے روح کا تعلق رہتا ہے تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام مبارکہ سے ارواح طیبہ کا تعلق کیوں نہ ہوگا؟
علامہ سید محمود آلوسی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ :-

والمواد بتلك الحيوة نوع من الحيوة غير معقول
لنا وهي فوق حيوة الشهداء بكثير وحيوة بتينا
صلى الله عليه وسلم اكمل وانتم من حيوة سائرهم
عليهم السلام الى ان قال ان تلك الحيوة في
القبر وان كانت يترتب عليها بعض ما يترتب
على الحيوة في الدنيا المعروفة لنا من الصلوة
والاذان والاقامة وروح السلام المسموع ونحو
ذلك الا انها لا يترتب عليها كل ما يمكن ان
يترتب على تلك الحيوة المعروفة اه
(روح المعاني جلد ۳ ط ۱)

علامہ سبکیؒ وغیرہ کے زوالہ سے یہ گزر چکا ہے کہ جس طرح دنیوی زندگی میں حسی قسم کا کھانا اور پانی درکار ہوتا ہے اور اس کے بغیر عاۃً لمبی زندگی برقرار نہیں رہتی، اس طرح کے حسی کھانے اور پانی کی ضرورت قبر اور برزخ میں پیش نہیں آتی، وہاں کا طعام و شراب اسی ماحول کے مناسب مرحمت ہوتا ہے۔ ہاں عبادات اور صلوٰۃ و سلام کا سماع وہاں بھی متحقق ہے اور اس معنی کے لحاظ سے وہ دنیوی حیات ہے۔
اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ :-

فلو فرض انكشاف قبر نبي من الانبياء عليهم
السلام لادبرى الناس الاكبا يرون سائر الالهات
الذين لم تاكل الارض اجسادهم اه
(روح المعاني جلد ۲ ص ۳۸)

پس اگر فرض کیا جائے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی قبر مبارکہ کھل گئی ہے تو لوگ ان کو اسی طرح (بے حس و حرکت) دیکھیں گے جس طرح کہ عام دوسرے مردوں کو دیکھتے ہیں جن کو زمین نہیں کھاتی۔

یعنی باوجود اجسام مبارکہ کے صحیح و سالم ہونے اور باوجود قبر میں ان کی حیات کے لوگ اس حیات کو محسوس نہیں کر سکتے اور نہ ظاہری طور پر ان کو اس کے کچھ آثار نظر آ سکتے ہیں اور امام سیوطیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے قبروں سے باہر نکل کر دنیا میں پھرنے اور تشریف کرنے کے قائل ہیں (اگرچہ امام سیوطیؒ نے اجسام کے ساتھ چلتے پھرنے کا ذکر نہیں کیا ممکن ہے کہ ان کے نزدیک مثالی اجسام یا ارواح کے ساتھ یہ سیر ہوتی ہو بشرطیکہ کسی معقول اور قطعی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے لیکن اس سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ اگر کسی ایک جگہ روح یا جسم مثالی حاضر ہو تو دیگر مقامات میں تو وہ نہیں ہوگا اور کسی ایک جگہ میں حاضر ہونے سے ہر جگہ حاضر ہونا لازم نہیں آتا) علامہ آلوسیؒ اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

وما تقدم من ان الانبياء عليهم السلام
يخرجون من قبورهم اى باجسامهم وارواحهم
كما هو الظاهر ويتصرفون في الملكوت العلوى
والسفلى فما لا اقول بله (روح المعاني جلد ۵ ص ۳۵)
اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ :-

والحيوة في القبر لا تستلزم الخروج وانما
اقول بھافي حق الانبياء عليهم السلام اھ
(روح المعاني جلد ۲ ص ۳۶)
قبر میں زندگی اس بات کو مستلزم نہیں کہ صاحب قبر
باہر بھی نکلے یاں میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی
حیات فی القبر کا قائل ہوں۔

غور فرمائیے کہ علامہ آلوسیؒ کفنی حیات فی القبر تو تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے تسلیم کرتے
ہیں لیکن اس نظریہ کے قائل نہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام اور ارواح کے مجموعہ کے
ساتھ قبروں سے نکل کر دنیا میں پھرتے اور تصرف کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی سے کسی وقت
ان کی خواب یا بیداری میں ملاقات ہوتی ہے تو محض ابدان مثالی سے ہوتی ہے نہ کہ اجسام عنصریہ
اور اجسام و ارواح دونوں کے مجموعہ سے، لیکن قبر میں ان کی حیات ابدان عنصری کے ساتھ ہے۔

۱۔ اس کی تحقیق فیض الباری جلد ۲ ص ۲۰۴ میں ملاحظہ کریں علاوہ ازیں اسٹی المطالب کا حوالہ بھی اس زیر نظر کتاب
میں موجود ہے۔

حیات انبیاء علیہم السلام اور غیر تقلیدین حضرات

اس سے قبل جتنے حوالے نقل کئے گئے ہیں وہ ان حضرات کے ہیں جو فروعی مسائل میں کسی کسی امام کے منقلد تھے کوئی حنفی تھا اور کوئی مالکی کوئی شافعی تھا اور کوئی حنبلی (بجز قاضی شوکانی رح) اور نواب صاحب کے کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے) مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر غیر تقلیدین حضرات کے کچھ حوالے بھی نقل کر دیں تاکہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام کی حقیقت بالکل روشن ہو جائے۔

قاضی شوکانی رح لکھتے ہیں کہ :-

بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی طاعات خوش ہوتے ہیں اور یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہونے حالانکہ مطلق ادراک جیسے علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مڑوں کے لیے ثابت ہے (پھر آگے کہا) اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہوگی؟ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں امام منذریؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور امام بیہقیؒ نے اس کی تفسیح کی ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات سرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم حي بعد وفاته و انه يسر بطاعات امته وان الانبياء لا يبطلون مع ان مطلق الادراك كالعلم والسمع ثابت لساير الموتي الى ان قال وورد النص في كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء برزقون وان الحيوة فيهو متعلقة بالجسد فكيف بالانبياء والمرسلين وقد ثبت في الحديث ان الانبياء احياء في قبورهم رواه المنذري وصححه البيهقي وفي صحيح مسلم عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال سررت بموسى ليلة اسرى بي عند الكتيب الاحمر وهو قائم يصلي في قبره انتهى۔

(نیل الادطار جلد ۳ ص ۲۶۲ طبع مصر)

قاضی شوکانی کی اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ وہ شہداء کی حیات جسمانی کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی زندگی بطریق اولیٰ جسمانی ہے کیونکہ ان کے اجسام طیبہ اپنی حالت پر رہتے ہیں، ان میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی وفات تو ہوتی ہے لیکن وہ اس کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

انہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم حی فی قبرہ
بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء احياء
فی قبورہم وقد صححه البیہقی والفقہاء
فی ذلک جزء اقال الاستاذ ابو منصور
البغدادی قال المتکلمون المحققون من
اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم
حی بعد وفاتہ انتہی ویوید ذالک ما ثبت
ان الشہداء احياء یرزقون فی قبورہم و
النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم منہم اھ
(نیل الاوطار ج ۵، ص ۱۰۱ طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی
قبر مبارک میں زندہ ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ
انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بیہقی نے
اس کی تصحیح کی ہے اور اس مسئلہ میں انہوں نے ایک
رسالہ بھی لکھا ہے۔ استاذ ابو منصور البغدادی فرماتے
ہیں کہ ہمارے اصحاب میں محقق متکلمین کا ارشاد ہے کہ
آنحضرت ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں۔ ان کا بیان ختم
ہوا۔ اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ
ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہیں۔

پہلے صحیح روایت کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم شہید تھے۔ اور حافظ ابن حجرؒ سے نظر اور دلالت النص کی دلیل سے بھی یہ ثابت ہو چکا ہے اور قرآن
کریم کی نص سے شہداء کی زندگی ثابت ہے لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بھی ثابت ہے کہ آپ
قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ فرماتے ہیں کہ:

والذی نعتقد ان رتبۃ نبینا صلی اللہ علیہ
وسلم علی مراتب المخلوقین علی
الاطلاق وانہ حی فی قبرہ حیوۃ مستقرۃ

جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق
سے بڑھ کر ہے اور آپ اپنی قبر مبارک میں حیات دائمی

۱۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبد الغفور امرتسریؒ فنبی اللہ حی یرزق کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: ”پس نبی اللہ
کے۔ الخ۔ کما علامہ شوکانی نے نیل میں، محققین کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اپنی
وفات کے پیچھے اور یہ کہ پیغمبر علیہم السلام زمین میں نہیں گلتے باوجود اس بات کے کہ مطلق اور اک جیسے سنا اور جاننا ہر مردہ
کے لیے ثابت ہے۔ پھر مؤدائیوں کو بیان کیا جن سے ہر ایک مردہ کے لیے مطلق اور اک ہوتا ہے، پھر نبیوں اور رسولوں کا
کیونکہ یہ حال نہ ہو گا اور حدیث میں ثابت ہوا ہے کہ انبیاء جیتے ہیں اپنی قبروں میں۔ اس کو منذریؒ نے روایت کیا اور بیہقیؒ
نے اس کو صحیح کہا۔ انتہی مآثر الشوکانی فی النیل۔ ۶۲۔“ بلندہ رحمۃ اللہ علی من یرید ترجمۃ مشکوٰۃ ص ۴۰۳ ج ۱

اببلغ من حیات الشهداء المنصوص
عليها في التنزيل اذ هو افضل منهم بلا
ريب وانه يسمع من يسلم عليه (بحواله اتحاف
البناء ص ۲۱۵ طبع کانپور)

سے متصف ہیں، جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ و ارفع ہے
جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص
آپ پر (عند القبر) سلام کرتا ہے، آپ سنتے ہیں۔

اس سے بھی آفتاب نیروز کی طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ اپنے وقت میں علماء نجد کے وکیل اعظم اپنی
جماعت کا یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں دوائی طور پر زندہ ہیں
اور آپ کی یہ حیات شہداء کی منصوص حیات سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب کا حوالہ
پہلے گزر چکا ہے کہ وہ جملہ اموات کے لیے اور اک و شعور اور سماع وغیرہ ثابت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ
یہ اوصاف سب کے لیے ثابت ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیم السلام اور صلحاء کی اس میں کوئی تخصیص
نہیں ہے۔

غیر مقلدین حضرات کے شیخ الكل مولانا سید میاں نذیر حسین صاحب دہلوی (المتوفی ۱۳۲۰ھ) لکھتے
ہیں کہ: ”اور انبیاء علیم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ
فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے، میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔“ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱
ص ۵۵ ضمیمہ) اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت میاں صاحب کی وجہ سے ہندوستان میں غیر مقلدین حضرات
کو اپنے مقام پر کتنی تقویت اور تائید حاصل ہوئی بلکہ انہی کی بدولت ان میں اہل علم، صاحب قلم مدرس اور
مصنف قسم کے علماء پیدا ہوئے ہیں اور جن کی کتاب معیار الحق غیر مقلدین حضرات کے ہاں بڑی مقبول اور
مستند سمجھی جاتی ہے، حضرت میاں صاحب نے اس عبارت میں حضرات انبیاء کرام علیم السلام کی اپنی اپنی قبر
میں حیات کے علاوہ یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عند القبر سلام کہنے
والوں کا سلام بنفس نفیس سنتے ہیں اور دور سے درود شریف آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔
مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ:

ان الانبياء في قبورهم احياء (عن المعبود ص ۴۶) حضرات انبیاء کرام علیم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

غیر مقلد عالم مولانا فضل الرحمن صاحب ہری پوری لکھتے ہیں کہ کل پیغمبروں کے جسم صحیح و سالم ہیں اور قبر
شریف میں زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس درود بھیجے یا سلام کرے تو آپ خود سن لیتے ہیں اور اگر دور سے درود بھیجے تو
فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اہل حدیث کا یہی اعتقاد ہے۔ (رسالہ درود شریف ص ۱۶) محدث مولوی رحیم بخش صاحب
مرحوم فرماتے ہیں کہ محققین کی جماعت کا یہی مسلک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرقد میں زندہ ہیں اور اس
بات کے قائل ہیں کہ امت کی اطاعت کی خبر پا کر خوش ہوتے ہیں۔ (اسلام کی چودھویں کتاب ص ۴۵)

اور مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف لکھتے ہیں کہ :-

انہما حیاء فی قبورہما یصلون وقد قال
النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند
قبری سمعته ومن صلی علی نابی
یلغته (التعلیق السلفی علی سنن النسائی
جلد ۲۳)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ
ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود
پڑھتا ہے تو میں خود اس کو سُننا ہوں اور جو درود
پڑھتا ہے تو وہ مجھے (بذریعہ ملائکہ) پہنچایا جاتا ہے

علماء نجد جو لوگوں میں وہابی کے نام سے مشہور ہیں اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں کہ :-

واما الکلام علی حیوة النبی صلی
اللہ علیہ وسلم فاعتقادنا فی ذلک
اعتقاد سلف الامة واثمتنا وهم الاسوة
ہی انہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض ودفن و
زالت عنہ الحیوة الدنیا (الی قولہ) واما
حیوة البرزخ فہو حی الحیوة البرزخیة
وکذا الشهداء فلو کان حیا حیوة دنیویة
لرفعوا الیہ الامر فیما جرى بینہم
(الدرر السنیة فی

بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات
کے بارے میں ہمارا وہی اعتقاد ہے جو سلف امت اور
ہمارے ائمہ کا اعتقاد ہے اور وہی اس میں ہمارے مقتداء
ہیں۔ وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی
ہے اور آپ کو دفن کیا گیا اور آپ کی دنیوی زندگی ختم ہو
گئی ہے (پھر آگے کہا) اور بہر حال برزخی زندگی تو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہے، اور
آپ حیات برزخیہ کے ساتھ زندہ ہیں اور ایسے ہی
شہداء بھی زندہ ہیں، اگر آپ کی زندگی دنیا کی زندگی ہوتی
تو اختلافی امور میں سلف آپ کی طرف مراجعت کرتے۔

الاجوبة الجدیدة جلد ۲۶ طبع مصر)

یعنی دنیوی تکلیفی اور حسی زندگی آپ کی ختم ہو چکی ہے لیکن برزخی زندگی آپ کی ثابت ہے نیز علماء
نجد نے کہا کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ رتبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مخلوق کے مراتب سے اعلیٰ ہے
وہ اپنی قبر میں حیات برزخیہ سے زندہ ہیں جو کہ حیات شہداء سے افضل و اکمل ہے اور سلام کہنے والے کا
آپ سلام سنتے ہیں۔ (انہدینہ السنیة والخفة الودیة جلد ۱۷ طبع مصر)

محمد بن عبد الوہاب نجدی اور ان کے پیروکار مسلک حنبلی ہیں جو مقلدین ہی کا ایک فرقہ ہے۔ حافظ ابن تیمیہ
اور حافظ ابن القیم کی تحقیق پر اعتماد کرتے اور ان کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہوئے ان کی کتابوں

مولانا محمد اسماعیل صاحب سلمیٰ لکھتے ہیں کہ :- "اہل السنن کے دونوں مکاتب فکر اصحاب الرائے و اہل حدیث کا
اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں برزخ میں وہ عبادات شیع و تہلیل فرماتے ہیں (الی قولہ) انبیاء کی زندگی کے
متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں۔ صحیح احادیث میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق عبادات وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ (حیات النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ص ۲۷)

کی خوب نشر و اشاعت کرتے ہیں محمد بن عبدالوہابؒ باوجود عقلمند اور عقلی ہونے کے سطحی ذہن کے آدمی تھے۔ اور توحید و سنت کے خوب داعی تھے ان سے وقتی مصلحت کے پیش نظر کچھ عوامی غلطیاں سرزد ہو چکی تھیں جن کی وجہ سے وہ عوام میں خاصے بدنام ہو گئے اور علامہ شامیؒ اور حضرت مدنیؒ جیسے بزرگ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے لیکن ان کے بارے میں صحیح نظریہ وہی ہے جو علامہ آلوسیؒ اور حضرت گنگوہیؒ کا ہے و للنفیصل مقام آخر انگریز نے اپنی سیاسی بقا کے لیے ان کو بہت بدنام کیا اور ہندوستان کے اہل بدعت نے ان کے بدنام کرنے میں خوب خوب حصہ لیا اور جنگ آزادی میں شریک مجاہدین اسلام کو مباہیت کے بے خطا ہتھیار سے ان ظالموں نے گھائل کیا۔

علامہ ابن عابدین الشافعیؒ کے تلمیذ اور علماء نجد کے مسلک کے روح رواں الشیخ محمد بن السید درویش رحمہ (المتوفی ۱۲۷۶ھ) لکھتے ہیں۔

فائدہ:- حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات برزخی ہے (حسی ہونے میں) حیات دنیوی کے مشابہ نہیں ہے اور نہ وہ بنید کے مشابہ ہے اور نہ وہ باقی مخلوق کی حیات کی طرح ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے اجسام مبارکہ کو بوسیدہ ہونے اور فنا ہونے سے محفوظ رکھتا ہے اور ان پر ان کے ارواح کی روشنی بعض اوقات مخفی طریقہ سے لوٹاتا ہے کسی مقصد کے لیے اور بہت سی احادیث وارد ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں مثلاً ایک یہ ہے کہ امت کی طرف سے صلوٰۃ و سلام آپ پر پیش کیا جاتا ہے اور مثلاً بعض احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر آپ کی روح مبارک لوٹاتا ہے تاکہ آپ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیں اور مثلاً بعض میں آتا ہے جس نے دُور سے سلام کہا اس کو فرشتے پہنچاتے ہیں اور جس نے قریب سے سلام کہا تو اس کو آپ خود سنتے ہیں اور مثلاً بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ پر کیسے صلوٰۃ و سلام عرض کیا جائے گا جب کہ آپ (مرتبہ کے بعد) بوسیدہ ہو جائیں گے (معاذ اللہ) تو آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام کو کھاتے تو یہ سب احادیث، آپ کی اور دیگر تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات پر دلالت کرتی ہیں لیکن اُسی طرح جس طرح بیان ہوا ہے جیسا کہ ہماری (حسی اور تکلیفی) زندگی ہے کیونکہ جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ دیگر اموات کی

طرح تھے کہ روح مبارک جسم اطہر میں نہ تھی اور جسم سے خارج ہو گئی اگر آپ کی زندگی ہماری (محسوس اور تکلفی) زندگی کی طرح ہوتی تو جب حضرات صحابہ کرام نے خلافت کے مسئلہ پر اختلاف کیا تھا آپ اُن سے اس سلسلہ میں خطاب فرماتے الخ (اسی المطالب ۲۹۸ فی احادیث مختلفہ المطالب طبع مصر) تسکین الصدر میں ہی بقدر ضرورت اس کی بحث موجود ہے کہ جو حضرات اس جہان کو جسمانی اور دنیوی کہتے ہیں اُن کی مراد یہ ہے کہ روح مبارک کا اسی جسم اطہر سے تعلق ہوتا ہے جو دنیا میں تھا اور جو حضرات اس کو برزخی کہتے ہیں ان کی مراد یہ ہے کہ وہ حیات اہل دنیا کے لیے محسوس نہیں ہے اور اسی کو علماء عقائد نوع من الحیوة سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اس پر دونوں فریق متفق ہیں کہ دور سے آپ پر صلوٰۃ و سلام پیش کیا جاتا ہے اور نزدیک سے آپ خود بنفس نفیس سنتے اور جواب دیتے ہیں اس میں حیات جسمانی یا حیات برزخی سے تعبیر کرنے والوں میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے رہا موصوف کا یہ کہنا کہ اگر آپ کی حیات ہماری زندگی کی طرح ہوتی تو آپ حضرات صحابہ کرام میں خلافت کے مسئلہ کا اختلاف رفع فرما دیتے اور ان سے خطاب فرماتے تو اس میں کلام ہے۔

ع۱ اولاً اس لیے کہ مسئلہ خلافت میں حضرات صحابہ کرام کا اختلاف آپ کے پاس نہ ہو
تھا وہ اختلاف ستیفہ بنو ساعدہ میں ہوا تھا۔

ع۲ ثانیاً جمہور علماء کی تحقیق کے رُوسے رُوح کا اعادہ قبر میں ہوتا ہے پہلے نہیں ہونا اور بات بھی حیات فی القبر کی ہو رہی ہے۔

ع۳ ثالثاً اُمت کے جملہ اختلافات و نزاعات کا فیصلہ آپ اپنی تکلفی زندگی میں کرتے رہے جب آپ کی وفات ہو گئی تو ان اختلافات کا رفع کرنا زندہ اور مکلف اُمت کے کندھے پر ڈال دیا گیا آپ پر ان کا رفع کرنا باقی نہ رہا۔

موصوفؒ یا وجود نجدی ذہن رکھنے کے یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ :-

ثحان کنیداً من الصالحین یقول اندیوی
النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقظۃ ولا
ینکرہ لذلک منهم واماھی رؤیتہ روحانیتہ
پھر بہت سے نیک لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بیداری میں
دیکھا ہے اور ان سے اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا

لاحساباً یثبته ولذا لا یکیراح البعض دون البعض فی المكان الواحد ولو کان بجسمه لراى کل احد لان رؤیة الجسم لا تتوقف علی صلاح وتقوی بل رآه الکفار فی حیاته صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وشاروا الخلق وخیارہم الخ (ص ۲۹۹)

کیونکہ یہ روحانی رویت ہے جسمانی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایک ہی جگہ میں بعض آپ کو دیکھتے ہیں اور بعض نہیں دیکھتے اگر یہ رویت جسمانی ہوتی تو ہر ایک آپ کو دیکھتا کیونکہ جسم کو دیکھنا صلاح اور تقویٰ پر موقوف نہیں جب آپ زندہ تھے تو آپ کو کافر بد اور نیک سبھی دیکھتے تھے۔

موسرؒ کا یہ کہنا کہ یہ رویت روحانی ہے جسمانی نہیں اس میں بھی کلام ہے کیونکہ یہ رویت روحانی بھی نہیں ہوتی صرف مثالی ہوتی ہے (اور یہ ہیں سے آپ کو حاضر و ناظر سمجھنے والے اور آپ سے مرادیں مانگنے والے مناظر میں پڑے ہیں جس کا حقیقت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے جس بزرگ کی مثال ہوتی ہے اس کو علم تک نہیں ہوتا کہ ہماری مثال کہاں گئی؟ کیا کر آئی؟ اور کیا کہ آئی؟ اس کی بقدر ضرورت، باحوالہ بحث، ہم نے بحمد اللہ تعالیٰ تفریحاً غلط ہیں کر دی ہے)

چنانچہ علامہ احمد بن محمد القسطلانیؒ (المتوفی ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں کہ :-

فما رآه من الشکل لیس هو سروح المصطفی ولا شخصہ بل هو مثال له علی التحقيق (المواہب اللدنیہ مع الشرح للزرقانی جلد ۳ ص ۲۹۳)

اور خود موسرؒ کی ایک واضح عبارت اس پر دلالت کرتی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :- اور اسی سلسلہ کی ایک کڑی وہ ہے جو ہمارے سردار سید (احمد) الرفاعیؒ کے لیے واقع ہوئی جب کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی اور حجرہ شریف کے پاس یہ دو مشہور شعر پڑھے :-

ومن ذلک ما وقع لسیدنا الرفاعی رضی اللہ عنہ حیث زار النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وانشد عند الحجرۃ الشریفۃ البیتین المشہورین وهما

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها،
تقبل الارض عنی وهی نائتق
وهذه دولة الاشباح قد حضرت
فامد دیمینک کئی تحظی بها شفتی
فمثلت لہ الید الشریفہ وقبلها
والخبر المذکور مشہور من قبل الامام
المذکور اھ (اسنی المطالب ص ۲۹۹، ۳۰۰)

موری کی حالت میں میں اپنی روح کو بھیجا کرتا تھا
زمین مجھ سے قبول کرتی اور وہ میری نائب تھی
اور یہ (امثال و) انبیا کی دولت ہے جو بلاشبہ حاضر ہے
پس اپنا دایاں ہاتھ بڑھائیں تاکہ میرے ہونٹ لطف اندوز ہوں
اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ
مبارک مثالی طور پر ان کے سامنے ظاہر ہوا اور
انہوں نے اس کو بوسہ دیا اور یہ خبر امام سید احمد
رفاعی کی طرف سے مشہور ہے۔

پہلے تو معجزہ اور کرامت خرق عادت فعل کا نام ہے اور پھر ہو بھی مثالی طور پر تو اس کے ماننے
میں ہرگز کوئی تائل نہیں ہونا چاہیے ہاں اگر کوئی شخص مشہور امور کو بھی تسلیم نہ کرے اور صرف اپنی عقل
پر اعتماد کرتا رہے تو اس کا معاملہ ہی الگ ہے۔

مشہور غیر منقلد عالم محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی (المتوفی ۱۱۸۲ھ) اپنے مناسک الحج میں
لکھتے ہیں۔ ۷

وسلیم علیہ والوزیرین عندہ
وہرۃ کما سر دنار لنحصد عقباء
وبلغہ عتلا اعد مت سلامنا
فانت رسول للرسول بختناہ
ومن کان منّا مبلغاً لسلامنا
فانا بمبلغ السلام سبقناہ
(مناسک الحج والعمرة ص ۷ طبع مصر)
اور آپ کو اور آپ کے دو وزیروں (حضرت ابو بکر اور حضرت عمر)
کو سلام کہہ۔ اور آپ کی زیارت کر جیسا کہ ہم نے کی
تاکہ ہم عقبنی کی کھتی کو کاٹ سکیں۔
اور آپ کو ہمارا سلام پہنچا دے تجھے اللہ تعالیٰ سلامت
رکھے۔ سو تو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی طرف ہمارا قاصد ہے جس کو ہم نے بھیجا ہے۔
اور جو شخص ہمارا سلام پہنچائے گا۔ پس بیشک
ہم سلام پہنچانے میں اس پر سبقت لے گئے ہیں۔
قاضی عیاض علامہ سبکی، حافظ ابن قیم، مورخ سہودی اور امام سخاوی نقل کرتے ہیں۔
واللفظ الاول۔

وعن سليمان بن سحيم رأيت النبي صلى الله
تعالى عليه وسلم في النوم فقلت يا رسول الله
هو لاء الذين يأتونك فيسلمون عليك
انفقهم سلامهم قال نعم وارد (الشفاع ۳۲)
وشفاء السقام ۳۸ وكتاب الروح ۳۱ ووفاء
الوفاء ۳۵ والقول البديع ۱۲)

سليمان بن سحيم فرماتے ہیں کہ میں نے خواب
میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دکھایا
تھے آپ سے سوال کیا، یا رسول اللہ لوگ جو
آپ کے پاس آتے ہیں اور آپ کو سلام کہتے
ہیں کیا آپ ان کے سلام کو سمجھتے ہیں؟ آپ نے
فرمایا ہاں اور میں ان کو جواب بھی دیتا ہوں۔

مؤلف شفاء الصدور ص ۸۶ میں اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ خواب ہے اور خواب
شرعاً حجت نہیں پھر اس کی سند میں عبد الرحمن بن ابی الرجال ہے تقریب ص ۲۲۸ میں ہے۔ صدوق
ربما اخطأ وليتنبأ ابو جاتم (محصلہ) الجواب بلا شبه نرے خواب پر دین کے بارے اعتماد نہیں
کیا جاسکتا لیکن یہ خواب ان صحیح احادیث کے عین مطابق ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
سے ثابت ہیں اور عبد الرحمن بن ابی الرجال کو امام احمد۔ ابن معین۔ مفضل غلابی اور دارقطنی ثقہ کہتے ہیں
اور ابو داؤد ان کو لبیس بہ باس کہتے ہیں اور ابو زر عہ ان کو اشبہ (یعنی ثقہ راویوں کے مشابہ)
کہتے ہیں اور ابو جاتم کہتے ہیں کہ وہ عبد الرحمن بن زید بن اسلم کی طرح ہیں اور ابن جابر ان کو کتاب
الثقات میں لکھتے ہیں اور کہتے ہیں ربما اخطأ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۶۹) جمہور کی توثیق
کے بعد صرف ربما اخطأ کے جملہ سے ان کو ضعیف قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا ویسے کون ای
ایسا ہے جس سے کبھی بھی خطا اور وہم نہ ہوا ہو الا من شاء اللہ تعالیٰ والعصمة بیدہ
اس سے معلوم ہوا کہ علماء نجد کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسد طہر
سے ایسا تعلق اور اتصال ہے جس کے سبب عند القبر سلام کہنے والے کا سلام آپ خود سن لیتے ہیں
اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء نجد بھی آپ کی حیات برزخی کے قائل ہیں اور دروازے
قاصد کے ذریعہ آپ تک اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سلام پہنچانے کے بھی قائل ہیں۔

مولانا عبدالغفور صاحب غزنوی امرتسری (المتوفی ۱۰۸۰ھ) مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث
کی شرح میں لکھتے ہیں کہ تو معلوم ہوا کہ کل پیغمبروں کے جسم زمین کے اندر صحیح و سالم ہیں اور روح
تو سب کی سلامت رہتی ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع جسم صحیح و سالم ہیں اور قبر شریف میں

زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس درود یا سلام بھیجے تو آپ خود سن لیتے ہیں اگر دور سے درود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں، المحدث کا یہی اعتقاد ہے اگرچہ یہ زندگی دنیا کی سی نہیں جس میں کھانے پینے کا احتیاج ہو اور شوکانی نے اس مسئلہ کو نیل الاوطار میں بہت عمدہ لکھا ہے اھ

(ترجمہ مشکوٰۃ جلد ص ۱۲۷ باب الحجۃ)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ علماء کرام جہاں دنیا کی زندگی کی نفی کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ دنیوی کھانے اور پینے کی حاجت وہاں نہیں ہوتی نہ یہ کہ روح کا جسم سے تعلق اور اتصال اور اس کی وجہ سے ادراک و شعور اور قوت سماع نہیں ہوتی کیونکہ یہ امور تو بہر حال ثابت ہیں اور ان کا انکار نہ مکارہ اور سببہ زوری ہے۔

الغرض ذمہ دار غیر تقلیدین حضرات بھی حیلہ منقلدین حضرات کے ساتھ اس امر پر متفق ہیں، کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبور اور برزخ میں زندہ ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور امام بیہقی وغیرہ نے اس مسئلہ پر صرف باب ہی قائم نہیں کیا بلکہ مستقل رسالہ اور کتاب لکھ کر اس کو اجاگر کیا ہے اور اسی طرح دیگر کتب حدیث، شروح حدیث اور کتب فقہ و سیر وغیرہ میں اس مسئلہ پر خاصا مواد اور دلائل موجود ہیں جن سے انصاف و دیانت کی دنیا میں علمی طور پر انماض اور اعراض نہیں کیا جاسکتا۔

اور امام عبدالغفار البغدادی (المتوفی ۴۲۹ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ :-

و اجمعوا علی ان الحیوة شرط فی العلم
والقدرة والارادة والرؤية والسمع و
ان من لیس بحی لا یرى ان یرى ان یرى ان یرى
فادراً مریداً ساعماً مبصراً و هذا خلاف
قول الصالحی و اتباعہ من القدیة فی دعواہم
جواز وجود العلم والقدرة والرؤية والارادة
انتہی۔

اہل السنۃ والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ علم قدرت
ارادہ دیکھنے اور سننے کے لیے حیات شرط ہے اور اس امر
پر بھی اہل السنۃ کا اجماع ہے کہ حیات حیات سے
منتصف نہ ہو وہ عالم قادر، مرید اور سننے دیکھنے والی
نہیں ہو سکتی، منکرین تقدیر میں صالحی اور اس کے پیروکاروں
کا قول اس کے خلاف ہے، ان کا یہ دعویٰ ہے
کہ علم و قدرت دیکھنا اور ارادہ کرنا حیات کے
بغیر بھی جائز ہو سکتا ہے۔

(الفرق بین الفرق ۳۳ طبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ سماع وغیرہ کے لیے حیاتِ اہلِ السنّت کے نزدیک شرط ہے اور اس پر ان کا اجماع ہے یاں اس میں اگر اختلاف ہے تو وہ صالحی وغیرہ گمراہ فرقوں کے سربراہوں ہی جو تعبیر حیات کے مثبت کے لیے علم و قدرت ثابت کرتے ہیں اور اب تو اس ایسی دور میں بعض لوگ یہاں تک آگئے ہیں کہ وہ بریلایہ کہتے ہیں کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے نہ حیات ثابت ہے نہ سماع کا حوالہ ولا قوۃ الا باللہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اول بطور مقدمہ کے جانئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لیے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسدا طہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس بات پر متفق ہیں صحابہؓ کا بھی یہی اعتقاد ہے حدیث میں بھی نص ہے۔

اِنَّ نَسَبَی اللّٰہُ حَیٌّ یَّرْتَقِیْ (ادکما قال) کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق بھی پہنچتا ہے۔

مگر یہ یاد رہے کہ اس حیات سے مراد ناسوتی نہیں ہے وہ دوسری قسم کی حیات ہے جس کو حیاتِ برزخیہ کہتے ہیں الخ (الجود ص ۱۷ طبع انوار احادی الہ آباد و رأس الدبیعین طبع ملتان) اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ اگر نظر کو اور وسیع کیا جاوے تو حضور کے لیے بعزات بھی حیاتِ برزخی ثابت ہے، اور وہ بیات شہداء کی حیاتِ برزخی سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیاتِ ناسوتی (عنصری اور جسمانی) کے قریب قریب ہے، چنانچہ ہر ت سے احکامِ ناسوت کے اس پر متفرع ہیں دیکھتے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور حضور کی ازواجِ مطہرات سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی حضور کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوئی اور حدیثوں میں صلوٰۃ و سلام کا سماع وارد ہے الخ (الظہور ص ۵۸) یہ یاد رہے کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اور سماع عند القبر و التفاتی اور اجماعی امر ہے اس کی مخالفت اجماعی مسئلہ کی مخالفت ہوگی جو موجب گناہ ہے چنانچہ حضرت گنگوہیؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

الجواب: یہ کہ آیاتِ اولیاء اللہ سے ہوتی ہے اور حق ہے کہ کرامتِ غرقِ عادت کا نام ہے

اس میں تردید کی کوئی بات نہیں اس کا انکار گناہ ہے کہ انکار کرامت کرتا ہے اور کرامت کا خفی ہونا
 اجماعی مسئلہ اہل سنت کا ہے فقط واللہ اعلم کتبہ الاخضر رشید احمد گنگوہی غفری عنہ
 (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲۲ طبع جدید برقی پریس دہلی)

کیفیت حیات میں اختلاف ہے :-

یہاں تک جتنے حوالے پیش کئے گئے ہیں اور جتنی بحث بھی ہوئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ
 مختلف مکاتب فکر کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ قبور میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات
 اور زندگی ایک طے شدہ حقیقت ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کافی تلاش اور
 خاصی کاوش کے باوجود سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کے بعد بھی اہل سنت و الجماعت میں ایک
 شخص بھی ایسا نہیں مل سکا جو یہ کہتا ہو کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور علی الخصوص حضرت محمد
 صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ نہیں اور آپ کی روح مبارک کا جسد اطہر سے کوئی اتصال و
 ربط اور تعلق نہیں۔ بالوئی قسم کے لوگ ادھر ادھر کی باتیں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں مگر کتب اہل سنت
 میں ایک حوالہ بھی وہ تاقیامت نہیں تبا سکیں گے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح
 طیبہ کا اجسام مبارکہ سے قبور مطہرہ میں کوئی تعلق اور علاقہ نہیں ہوتا اگر بلا ایچ پیج کوئی ایسا حوالہ ہو
 تو چشم مارو شن دل ماشاد (دبہ پاید) اصولی طور پر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعد
 از وفات قبور مطہرہ میں حیات کو تسلیم کرتے ہوئے کتب اہل سنت و الجماعت میں اس حیات کی
 نوعیت اور کیفیت میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حیات محض برزخی ہے یا جسمانی اور حسی ہے ؟

ایک گروہ

یہ کہتا ہے کہ ان کی حیات دنیوی اور حسی ہے، حضرت ملا علی القاریؒ، علامہ سہروردیؒ امام
 نفی الدینؒ، حافظ جلال الدین سیوطیؒ اور نواب قطب الدین خان صاحبؒ کی عبارات میں دنیوی کمال
 الدنیا اور حسی وغیرہ کے الفاظ گزر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ شیخ عبدالحق محدث
 دہلویؒ لکھتے ہیں کہ :-

بدانکہ حیات انبیاء صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم
 اجمعین متفق علیہ است میان علمای ملت و پیچ
 جاننا چاہیئے کہ حملہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
 کی حیات علمائے ملت کے ہاں متفق علیہ ہے اور اس میں

کس را خلاف نیست در آن کہ آن کامل تر و قوی تر
از وجود حیات شہداء و منافقین فی سبیل اللہ است
کہ آن معنوی و اخروی است عند اللہ و حیات انبیاء
حیات حسی و دنیوی است احادیث و آثار در واقع
نشد چنانکہ مذکور گردید کہ از حدیث کہ ابو یعلیٰ
بنقل ثقات از روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ
آورده قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
سلم الانبیاء احياء فی قبورہم یصلون و
دیگر اس حدیث صحیح است ما من مسلم یسلم
علی الامر د اللہ علی سرحی حتی ادد علیہ
السلام اھ (مدارج النبوة جلد ۲ ص ۴۲)

کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ کی حیات شہداء
اور فی سبیل اللہ مقتولوں کی حیات سے کامل تر اور
قوی تر ہے کیونکہ شہداء کی زندگی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں
معنوی اور اخروی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات
حسی اور دنیوی ہے اور احادیث اور آثار اس میں
موجود ہیں چنانچہ ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ ایک حدیث
ان میں امام ابو یعلیٰ نے ثقہ راویوں سے حضرت
انس بن مالک سے نقل کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ
سلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے
اور نماز پڑھتے ہیں اور دوسری صحیح حدیث یہ ہے کہ
مجھ پر جو شخص سلام کرتا ہے اللہ تعالیٰ میری طرف میری
روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام
کا جواب دیتا ہوں۔

اور علامہ نور الحق بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۷۵ھ) لکھتے ہیں کہ بذ

قول مختار: مقرر جمہور یہیں است کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ
والسلام بعد از اذات موت زندہ اند بحیات
دنیوی و آخر (تیسیر القاری تنویر بخاری جلد ۳ ص ۲۶۲)
لیکن یہ حیات دنیوی ظاہری نہیں کہ ہر ایک کو محسوس ہو سکے چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند
ج ۳۹ ص ۳۹ میں ہے:-

سوال ۳۰۴۶ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حیات ہونا مسلمات اہل سنت و جماعت سے ہے
پھر قبض روح و تجرید و تکفین و تدفین وغیرہ امور منافی حیات معلوم ہوتے ہیں اگر حیات انبیاء مثل
حیات شہداء عند اللہ ہونا کہا جاوے تو مابین کیا فرق ہوگا؟
الجواب:- انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات شہداء کی حیات سے بھی اقوی و اتم ہے۔

اور مراد اس حیات سے حیاتِ دنیوی ظاہری نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنِّکَ مَیِّتٌ وَّ اَنَّا نَھِیْہُمْ مَّیِّتُوْنَ۔ لہذا احکامِ اموات ظاہر یہ سب پر جاری ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق آپ حیاتِ مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ میں مذکور ہے اس کو دیکھ لیں۔
انتہی بلفظ

ان عبارات میں حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے لفظِ دنیوی اور حسی کی بقدر ضرورت بحث ابھی آ رہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی (المتوفی ۱۳۷۱ھ) لکھتے ہیں کہ:-

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیاتِ دنیوی بلکہ بہت وجہ سے اس سے قوی تر (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۱۳) حضرت مدنیؒ کی مراد بظاہر حیاتِ جسمانی اور دنیوی سے یہ ہے کہ آپ کی روح مبارک کا تعلق جسدِ مثالی سے قائم نہیں ہونا جیسا کہ بعض صوفیاء کرام کا نظریہ پہلے عرض ہو چکا ہے کہ وہ عذابِ ثواب کے سلسلہ میں قبر میں روح کا تعلق جسدِ مثالی سے مانتے ہیں اور اسی طرح جنت کے عارضی ابدان سے بھی نہیں ہونا جیسا کہ بعض صحیح روایات سے شہداء کے متعلق ثابت ہے کہ ان کی اولح کا تعلق جنت کے سبز رنگ کے پرندوں سے قائم کر دیا جاتا ہے (فی جوف طیر خضر) کما مژ۔ بلکہ روح کا تعلق دنیوی جسم سے قائم ہوا ہے اور بایں معنی یہ حیاتِ جسمانی اور دنیوی ہے چنانچہ حضرت موصوفؒ و بانی فرقہ اور علماء دیوبند کے عقائد کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ (دہانی) وفاتِ ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ جسمانی اور بقائے علاقہ بین الروح والجسم کے منکر ہیں اور یہ (علماء دیوبند) حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور و شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں اھ (نقش حیات جلد ۱ ص ۱۳) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ موصوفؒ روح اور جسم کے علاقہ اور تعلق کی وجہ سے جسمانی اور دنیوی حیات کا لفظ اس پر اطلاق فرما رہے ہیں اور اس کی مزید تشریح حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے بیان سے ہوتی ہے چنانچہ حضرت ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:-
انبیاء علیہم السلام کو ابدانِ دُنیاء کے حساب سے زندہ سمجھیں گے الخ (لطائف قاسمیہ ص ۱۷)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو انہیں اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھنا
یہ نہیں کہ مثل شہداء ان ابدان کو چھوڑ کر اور ابدان سے تعلق ہو جاتا ہے اور (لطائف قاسمی ص ۳۰)
حضرت نانوتویؒ نے اس عبارت میں صراحت سے یہ بیان فرمادیا ہے کہ جیسے شہداء کو
دوسرے عارضی اجسام مرحمت ہوتے ہیں اور ان کی ارواح کا ان سے تعلق قائم کر دیا جاتا ہے
(باوجود اس تعلق کے جو فی الجملہ ان کے ارواح کو ان کے اجسام عنصری سے بھی ہوتا ہے کما
مذمرفصلاً) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا یہ ملقب نہیں ہے بلکہ ان کے ارواح کا
تعلق ان کے ابدان دنیا سے ہوتا ہے اور اس لحاظ سے اس حیات کو دنیوی اور جسمانی جتنا کہتے ہیں
ارواح کا ابدان عنصریہ سے فی الجملہ تعلق اور حضرت مولانا نانوتویؒ

مؤلف ندائے حق راقم اثیم کے اس جملہ سے ۔ باوجود اس تعلق کے جو فی الجملہ ان کے ارواح کو
ان کے اجسام عنصری سے بھی ہوتا ہے کما مذمرفصلاً خاصے سیخ پا ہوئے ہیں چنانچہ وہ لکھتے
ہیں کہ :- بتائیے کہ خط کشیدہ الفاظ حضرت نانوتویؒ کی کونسی عبارت سے معلوم ہو رہے ہیں کیا
حضرت نانوتویؒ کی عبارت اور صاحب تسکین الصدور کی تشریح میں باہم تناقض نہیں؟ یا اس طور کہ حضرت
کی عبارت میں سالبہ کلبہ ہے اور صاحب تسکین کی عبارت میں موجبہ جزئیہ فافہو بلفظ
(ص ۲۹۳) اور (ص ۲۹۲) میں عنوان یہ قائم کیا ہے حضرت نانوتویؒ کی عبارت میں ناجائز اضافہ
مگر یہ اعتراض مؤلف مذکور کی کم فہمی اور قلت تدبر کا نتیجہ ہے کیونکہ حضرت نانوتویؒ نے
ارواح کے اجسام عنصریہ کے ساتھ تعلق کی جس نوع کا (کہ دنیوی اموال اور ازواج سے تعلق اور
استفادہ کے سلسلہ میں قبض و تصرف کے طور پر اجسام عنصریہ کے ساتھ ارواح کا تعلق بالکل نہیں
رہتا) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ عام مومنین اور حضرات شہداء کے لیے کلبۃ الکا
کیا ہے راقم اثیم بھی اس کا مقرر ہے اور اوراک و شعور فہم خطاب اور سماع سلام وغیرہ کی حد تک ارواح
کے اجسام عنصریہ کے ساتھ فی الجملہ (گو ضعیف ہی ہے) تعلق کی جس نوع کے حضرت نانوتویؒ
قائل ہیں ان کی اور حضرات بھور کی پیروی میں راقم اثیم بھی قائل ہے جب نفی اور اثبات کا محل
جدا ہے تو پھر تناقض کیسے؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت نانوتویؒ جی کی چند عبارات پیش

کر دیں جن سے بصراحت یہ بات واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے کہ وہ کس قسم کے تعلق کے شکار اور کس قسم کے تعلق کے مقرر ہیں :-

(۱) مسئلہ سماع موٹی کی بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :-

الغرض ادھر تو روح کو جسم سے وہ تعلق ضعیف ہو گیا جو سرمایہ البصار و السماع تھا۔ ادھر واسطہ ایصال بعد دفن آپ خاک ہے جس میں خفیف سی لچک اور قلیل سا سیلان ہے اس لیے خواہ مخواہ یہی کہنا پڑے گا کہ حد قوت السماع منکلم سے قوت سامعہ اموات جو بالکل فقط روح کے ساتھ قائم ہے اور جسم سے چنداں تعلق نہیں بری ہے پر یوں ہمہ تعلق بھی موجود ہے گو ضعیف ہے اور واسطہ وصول آواز میں سیلان اور لچک بھی موجود ہے گو خفیف ہے اس لیے اگر ادھر سے بوجہ توجہ و اقتراب جو محبت مذکورہ کو لازم ہے تلقی آواز یعنی استماع ہو تو لعید نہیں اس لیے مناسب یوں ہے کہ قبرستان میں گزرے تو سلام سے دریغ نہ کرے اور بن پڑے تو ہدیہ مناسب وقت بھی پیش کرے ورنہ سخت بے مروتی ہے جو یوں آنکھیں چرائے چلا جاوے ادھر (جمال قاسمی ص ۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ روح کا جسم سے تعلق اگرچہ ضعیف ہے مگر ہے ضرور اور اس تعلق کی وجہ سے جب مردہ کی طرف سے توجہ ہو اور سلام کہنے والا قریب سے سلام کہے تو سنا ہے۔

(۲) یا یوں کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مال میں میراث جاری نہ ہونی اور آپ کی ازواج کے نکاح کی حرمت کی علت اور ان کے ساتھ آپ کی حیات جسمانی ہے جو آپ کی موت عرضی کے تلے دیگر افاضہ حس و حرکت سے اس طرح معذور ہو گئی ہے جیسے چراغ روشن کسی ہنڈیا میں بند ہو کر مکان میں افاضہ نور سے معطل ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ جیسے ہماری تمہاری حیات جسمانی جس سے جسم پر روح کا قبض و تصرف تھا موت آنے سے اسی طرح زائل ہو جاتی ہے جیسے سیارے کے آنے سے دھوپ۔ آپ کی حیات بھی موت آنے سے زائل ہو جاتی ہے باقی جو یہ السلام علیکھ یا اھل القبور سے ایک نوع کے تعلق روح و جسد کا پتہ لگتا ہے جس سے اشتباہ حیات (کاملہ و مطلقہ صفر) پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کو اولاً تو ایسا سمجھیے جیسا بوسیلتہ تار برقی بمبئی یا کلکتہ یا لندن کی خبر میرٹھ یا بنارس میں آجائے ایسے ہی یہاں بھی سمجھئے کہ سلام کہنے والا کو قبر سے باہر اور مردہ قبر

میں ہوتا ہے مگر اس کے سلام کی آواز اور خبر اس کو ہو جاتی ہے۔ صدف (دوسرے) اگر کچھ تعلق ایسا رہا بھی جیسا کسی جلاوطن کو اپنے اصلی وطن کے ساتھ تو گویا تعلق موجب اطلاع بعض احوال متعلقہ جسد اسی طرح ہو جاوے جیسا تعلق خاطر مرد آوارہ بسا اوقات یہ نسبت اور بلاد کے احوال متعلقہ وطن متروک کے زیادہ اطلاع کا باعث ہو جایا کرتا ہے پر اتنی بات سے قبض و تصرف نہیں نکلتا جو تشبہ حیات (مطلقہ و کاملہ - صدف) ہو الخ (تصفیۃ العقائد صلیع خواجہ قیصر علی) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت نانو توئی کے نزدیک روح کا جسم کے ساتھ ادراک شعور کی حذک تعلق رہتا ہے جس سے مردہ سلام کہنے والوں کا سلام مستجاب ہوتا ہے روح کا بدن پر قبض و تصرف نہیں جیسا کہ دنیا میں تھا یا قیامت کے دن ہوگا جس سے حیات کاملہ حاصل ہوتی ہے (۳)۔ لیکن ہر جہاد آباد بعد موت نہ ارواح شہداء کو ان کے ابدان کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے نہ ارواح اور مومنین کو اتنا فرق ہے کہ بحر و انقطاع علاقہ جسد اول یا بعد چندے شہداء کی ارواح کو تواد ابدان کے ساتھ تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور اس حساب سے اُن کو حیات روحانی و جسمانی دونوں حاصل ہو جاتی ہیں اور باقی مومنین امت کے لیے اس نقصان کی کچھ مکافات نہیں کی جاتی بہر حال ابدان دنیا سے دونوں کو کچھ تعلق نہیں رہتا پھر اشیاء متعلقہ ابدان دنیوی سے تو تعلق کہاں جو اُن کے اموال و ازواج کو بچوں کے تو انہیں کے ازواج و اموال سمجھے جائیں اور کسی اور کو نکاح کی اجازت اور وارثوں کو تقسیم و تصرف نہ کرنے دیں کیونکہ اموال و ازواج دنیوی دونوں کو انہیں ابدان کی ضرورت رفع کرنے کے لیے بنایا ہے ازواج سے قضاء حاجت فرج اگر ہوتی ہے تو انہیں ابدان کی حاجت ہے الخ (آب حیات ص ۱۶۸ طبع دہلی)

اس عبارت میں حضرت نے ارواح کے ابدان کے ساتھ ایسے تعلق کا انکار کیا ہے۔ جس سے ابدان کو ایسی قوت حاصل ہو جس کی وجہ سے وہ دنیوی ازواج و اموال کے محتاج ہو۔ لیکن حضرات انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاملہ اس سے الگ مانتے ہیں اور کتاب آب حیات کا موضوع ہی صرف یہ مسئلہ ہے اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔ اور ارواح انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے۔ ہر طرف و جوانب سے سمٹ آتی ہے اور اس لیے حیات جسمانی کو یہ نسبت سابق اسی طرح قوت ہو جاتی ہے۔ جیسے طرف مذکور کے رکھ دینے کے بعد چراغ

کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے (جمال فاسمی ص ۱۱) اور عام مومنین کے لیے بھی حضرت مولانا نانوتویؒ تعلق روح بالجسد مانتے ہیں ہاں اس طرح کا نہیں جس طرح دنیا کی زندگی میں تھا چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اور اس وجہ سے حدیث لَا نُورَتْ كُوْمَارُضْ آيْتِ يُوحِيْكُمُ اللّٰهُ اور آيْتِ كُنْ كُنْ اَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِ ۛ اَبَدًا کو معارض آیت وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ اَزْوَاجًا نہیں کہہ سکتے کیونکہ آیت يُوحِيْكُمُ اللّٰهُ اور آیت وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ کے مصداق وہ ہیں (یعنی غیر انبیاء۔ صغیر) جن کی ارواح کو ان کے ابدان کے ساتھ وہ تعلق نہ رہا جو حالت حیات میں تھا الخ (جمال فاسمی ص ۱۲) اور پھر آگے لکھتے ہیں۔ اس لیے یہی کہنا پڑتا ہے کہ روح کو ایسے لوگوں کی اپنے جسم سے وہ علاقہ نہیں رہنا جو وقت حیات تھا الخ (ایضاً) حضرت نانوتویؒ کی ان عبارتوں سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابدان سے ارواح کافی الجملہ تعلق ہے اور اسی تعلق کی بنا پر مردے اور اک و شعور رکھتے ہوئے زندوں کا سلام قریب سے سنتے ہیں ہاں ایسا تعلق ہرگز نہیں ہوتا جیسا کہ زندگی میں تھا جس سے ابدان کو دنیوی ازواج و اموال کی حاجت پڑتی تھی بحمد اللہ تعالیٰ ان خط کشیدہ الفاظ کا مفہوم خود حضرت نانوتویؒ کی عبارات سے نکل آیا اور مؤلف مذکور کا اعتراض کا فور ہو گیا اگر مؤلف مذکور نے تدبیر سے کام لیا ہوتا تو ان کو خواہ مخواہ چند ورق سیاہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی اور اسی وجہ سے قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں اور کھاتے رہیں گے ع تیری بزم میں اور بھی گل کھلیں گے

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ۔ اور ارواح انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے مگر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہیں۔ اس لیے حیات جسمانی کو نسبت سابق سے اسی طرح قوت ہو جاتی ہے جیسے طرف مذکور کے رہنے کے بعد چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے۔ اور سکتے ہیں ایسا ہو جاتا ہے جیسے فرض کرو کہ چراغ مٹانے لگے اور گل ہونے کو ہو۔ بہر حال ارواح انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے، بلکہ کیفیت حیات میں بوجہ اجتماع اور بھی قوت آ جاتی ہے اور مثل چراغ و ظلمت ظرف محیط حیات و موت دونوں مجتمع ہو جاتے ہیں :-

الغرض بقائے حیاتِ انبیاء ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج کو کچھ ثنائی کی اجازت نہیں اور اسی وجہ سے ان کے اموال میں میراث کا جاری ہونا مقرر نہیں ہوا۔ اور نیز حکم میں عظمتِ انبیاء بھی منظور ہے اور لفظ ترک کو ایک حدیث میں منسوب الی الانبیاء بھی ہے۔
 دلائل حیات کے قرینہ سے وہ مشکاکہ و مجازاً ہے (المصالح العقلیہ حصہ دوم ص ۲۱۲)
 حضرت نانوتویؒ اور حضرت تھانویؒ کی اس تصریح کے پیش نظر حضرات علماء دیوبند جلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات جسمانی اور حیاتِ دنیوی کا لفظ بولیں گے تو اس سے یہی مراد ہوگی کہ آپ کی روح کا بدنِ دنیا سے تعلق ہے نہ یہ کہ تمام احکام میں یہ حیاتِ دنیوی ہے۔ اسی طرح علامہ مہودیؒ اور امام سبکیؒ وغیرہ کی عبارات میں حیاتِ دنیوی اور جسمانی سے بھی مراد ہے، اور علامہ سبکیؒ کی عبارت میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ کھانے اور پینے وغیرہ تمام امور میں حیاتِ دنیوی نہیں بلکہ علم و شعور اور ارادے سماع میں وہ دنیوی ہے کما مر۔

اغراض قبر میں عودِ روح کی وجہ سے حیاتِ نصِ قرآنی کے خلاف ہے جو قابلِ سماعت نہیں اور نص قطعی کے مقابلہ میں ظنی دلیل (حدیث شریف) کا کیا اعتبار رہے؟ علامہ ابن خرم ظاہریؒ فرماتے ہیں
 وَكَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَاجِلِهَا بِمُسَدِّ
 الَّتِي تَقْضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأَخْرَىٰ
 إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَفَصَحَبْنِصَ الْقُرْآنِ أَنَّ
 أَرْوَاحَ مَا دُرْجَ مَنْ ذَكَرْنَا لَا تَرْجِعُ إِلَىٰ جَسَدِهِ
 إِلَّا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَهُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 (الفصل في الملئ والاھواء والفحل ج ۲ ص ۲۶ طبع بیروت)
 کتاب الروح ط ۵ واللفظہ لہ)
 اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ قبض کر لیتا ہے جانوں کو ان کی نیند کے وقت اور ان جانوں کو قبض کرنا ہے جو نہیں مرنے ان کی نیند میں سو روک لیتا ہے ان جانوں کو جن پر وہ موت کا فیصلہ کر چکا ہے اور دوسری جانوں کو مقرر وقت تک چھوڑ دیتا ہے تو اس نصِ قرآنی سے ثابت ہوا کہ وہ تمام ارواح جن کا ذکر ہم نے کیا ہے قیامت سے پہلے جسم کی طرف نہیں لوٹتے۔

مؤلف ندائے حق نے ط ۲ میں نمبر اول پر اس آیت کریمہ کو نقل کیا ہے اور پھر حسبِ عادت بے سوچے سمجھے چند تفسیروں کے حوالے بھی نقل کئے ہیں اور اس کے بعد چار اور غیر متعلق آیتیں لے کر حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی حیاتِ دنیویہ کا مطلب بیان کرتے ہیں۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ وہ حیاتِ دنیوی ہی ہے یعنی مع الجسد ہے صرف رزخی روحانی نہیں جو تمام مومنین کو بھی حاصل ہے جن کے اجسام مٹی ہو چکے ہیں الخ
 (حاشیہ ہائے تعلیم القرآن نومبر و دسمبر ۱۹۵۹ء ص ۳۹)

ان کی تفاسیر نقل کرنے کے بعد آخر میں نتیجہ نکالتے ہیں۔ بہر حال قرآنی آیات جمہور صحابہ تابعین و کثیر من المحققین اسی طرف ہیں کہ اس جسد عنصری کی طرف دوبارہ قیامت گبری سے پہلے روح نہیں لوٹتی اور وہ حیات، روحانی اور جزائی ہے نہ ابتدائی اور نہ اعادی انتہی (بلفظہ ندائے حق ص ۲۲۶) اور ندائے حق کے مقدمہ باز بزرگ نے بھی اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے (ملاحظہ ہو ص ۲۳۰)

الجواب :-

علامہ ابن خرم اور مؤلف تذکرو وغیرہ کا اس آیت کریمہ سے حیات فی القبر اور اعادۃ روح کی نفی پر استدلال اور ثنائی الذکر کا اس مسلک کو جمہور صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ اور کثیر من المحققین کی طرف منسوب کرنا قطعاً اور یقیناً باطل اور مردود ہے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ اور جمہور محققین میں سے کوئی ایک شخص بھی حیات فی القبر کا منکر نہیں اور نہ قبر میں اعادۃ روح کا منکر ہے یہ کاروائی ان حضرات کے غلط نظریہ اور سو فہم کا نتیجہ ہے اولاً اس لیے کہ اگر اس آیت کریمہ سے حیات فی القبر کی نفی ہوتی تو

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن پر قرآن کریم نازل ہوا تھا اور جو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے قرآن کریم کے معانی و مطالب زیادہ جانتے تھے یہ ہرگز نہ فرماتے کہ تعادال روح فی جسد یعنی قبر میں میت کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے اور اس حدیث کی مفصل بحث پہلے گزر چکی ہے و ثانیاً اس لیے کہ اگر اس آیت کریمہ سے حیات فی القبر کی نفی ہوتی تو حضرات محدثین کرامؓ فقہاء عظام متکلمین نیک انجام اور مفسرین ذوالاخرام وغیر ہم بزرگان دین کبھی حیات فی القبر کے اور اعادۃ روح فی القبر الی جسد کے کے قائل نہ ہوتے حالانکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ جیسی بزرگ شخصیتیں بھی اس کی قائل ہیں۔ کہنا صرفاً مفصلاً و ثانیاً حافظ ابن القیم رحمہ اللہ علامہ ابن خرم رحمہ اللہ کے اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

فامساك سجانك التي قضى عليها الموت
لا ينال في ردها الى جسد ها الميت في وقت
مآردا عارضاً لا يوجب له الحياة المعهودة
في الدنيا واذا كان النائم روحه في جسده
وهو حي وحياته غير حياة المستقيظ فان

اللہ تعالیٰ کا ان جانوں کو روکنا جن پر وہ موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے اس کے منافی نہیں کہ ارواح کو بلے جان جسم کی طرف کسی وقت عارضی طور پر ایسے طریقہ پر لوٹے جس سے دنیا کی معیوضہ زندگی ثابت نہ ہو۔ جیسا کہ سونے والا شخص کہ اس کی روح اس کے جسم میں ہوتی ہے اور

النوم شقيق الموت فكندا الميت اذا اعيدت
 روجه الى جسده كانت له حال متوسطة
 بين الحي وبين الميت الذي لم ترد روجه
 الى بدنه كحال النائم المتوسطة بين الحي
 والميت فتأمل هذا يزيل عنك اشكالات
 كثيرة (كتاب الروح ص ۳۵)

وہ زندہ ہوتا ہے مگر اس کی حیات بیدار آدمی کی حیات
 کے غیر ہوتی ہے کیونکہ نیند موت کی بہن ہے اسی طرح
 مُردہ کا معاملہ ہے کہ جب روح اس کے جسم کی طرف لوٹائی
 جاتی ہے تو اس کا حال زندہ اور ایسے مُردہ کے حال کے
 درمیان ہوتا ہے جس کی طرف روح نہ لوٹائی گئی ہو جیسا کہ
 سونے والے کا حال زندہ اور مردہ کے درمیان ہوتا ہے
 اس مثال میں خوب غور کرو اس سے تمہارے بہت
 سے اشکالات رفع ہو جائیں گے۔

حافظ ابن قیم کی مفصل عبارات پہلے عرض کر دی گئی ہیں جن میں حیات فی القبر پر تصریح موجود
 ہے اور اس عبارت میں بھی وہ علامہ ابن خزم کو جواب دیتے ہوئے تصریح فرماتے ہیں کہ رُوحوں کو اجساد
 میں اس انداز سے لوٹانے سے روک دیا جاتا ہے کہ جس سے وہ بدن میں تدبیر و تصرف کریں اور ایسی
 معہود زندگی حاصل ہو جیسا کہ دُنیا میں تھی رہا ایسے طریقہ سے روح کا بدن کی طرف عارضی طور پر لوٹنا
 جس سے دُنیا کی معہود زندگی ثابت نہ ہو قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کے ہرگز منافی نہیں ہے۔
 وَاَبْعَادُ بَیْغِ مَفْسَرٍ کَرَامٌ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ ارواح کو روکنے کا مطلب یہ ہے کہ ارواح ابدان
 میں تدبیر و تصرف نہیں کرنے مثلاً یہ کہ بدن میں خون کا دورہ ہو سانس چلے۔ کھانا ہضم ہو بیضیں چھلکیں
 بدن کا نشوونما ہو مثلاً بال بڑھیں۔ ناخن بڑھیں وغیرہ جیسا کہ دُنیا میں یہ کاروائی ہوتی تھی چنانچہ
 علامہ آلوسی اَللّٰهُ یَنْوَقِیْ اَلْاَنْفُسَ حَیْنَ مَوْتِہَا کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ای یقبضہا عن الابدان بان یقطع تعلقہا
 یعنی اللہ تعالیٰ ارواح کو ابدان سے قبض کر لے لیا ہے یا طے
 کہ ابدان میں ارواح کے تصرف کا تعلق باقی نہیں رہتا۔
 تعلق التصرف فیہا عنہا الخ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۶)

اس عبارت میں تعلق التصرف فیہا عنہا کے الفاظ صاف طور پر اس حقیقت کو واضح کرتے
 ہیں کہ ارواح کا ابدان میں تصرف نہیں ہوتا اور یہ کاروائی ناقبامت باقی رہتی ہے رہا روح کا جسم سے
 قبر میں ایسا تعلق جس سے عند القبر سماع ہو اور قبر کی راحت و تکلیف وغیرہ کا ادراک ہو اس کا علامہ آلوسی
 واشکاف الفاظ میں اثبات کرتے ہیں کما مرّ اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں اور ایک

جان جس سے دم چلنا ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں اور کھانا ہضم ہوتا ہے وہ دوسری ہے وہ موت سے پہلے نہیں کھینچتی بلکہ (موضح القرآن) اور حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں پھر اس معطل کرنے کے بعد ان جانوں کو تو تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرا چکا ہے اور باقی جانوں کو جو کہ نوم میں معطل ہو گئیں تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک معیاد معین یعنی مدت عمر تک کھیلے رہا کر دیتا ہے کہ جاگ کر پھر بدستور ابدان میں تصرف کرنے لگتی ہیں الخ (بیان القرآن ج ۲ ص ۲۳ طبع دہلی) الغرض اس آیت کریمہ سے حیات فی القبر کی اُس نوع کا رد اور اعادۃ الروح الی الجسد کے اس مفہوم کا ابطال جس کے جمہور مثبت ہیں کسی طرح بھی نہیں ہوتا وہ مفہوم اپنی جگہ پر ایک حقیقت ثابت ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ و خاتماً زمانہ حال میں جو بزرگ مسئلہ حیات میں بڑی شدت اور غلو سے کام لے رہے ہیں ان کو بھی یہ بات مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رزخ میں حیات عطا فرمائی گئی ہے ظاہر بات ہے کہ روح پر تو موت وارد ہی نہیں ہوتی بلکہ یہ کہا جائے کہ اس کو رزخ میں حیات عطا فرمائی گئی ہے بلکہ یہ حیات بدن ہی کی ہوگی جو روح کی مشارکت سے ہوگی، ہاں یہ الگ بات ہے کہ یہ حیات برزخیہ ہے نہ کہ دنیویہ لیکن اس کو حیات دنیویہ کہنے والا بھی ان کے نزدیک اہل السنۃ والجماعت سے خارج نہیں ہے ماہنامہ تعلیم القرآن میں حیات دنیوی اور حیات برزخی کے ایک سوال کے جواب میں مندرجہ ذیل فتویٰ ملاحظہ ہو۔ الجواب واللہ الملہم بالصواب حضرت نبی کریم خانم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وعدہ الہی اِنَّكَ مَعَهُمْ بِمَوْتِہُمْ کے مطابق حقیقت موت واقع ہوئی آپ کی روح اقدس جسد اطہر سے منقطع ہو کر حبس الفردوس میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ شامل ہو گئی۔ اور حضرات صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کے جسد اطہر کو واقعی میت سمجھ کر قبر مبارک میں دفن کیا۔ اور اس عالم دنیا سے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں مثل شہداء بلکہ شہداء سے بھی اعلیٰ وارفع حیات برزخیہ عطا فرمائی گئی وہ حیات دنیویہ نہیں بلکہ اس سے بدرجہا اعلیٰ وارفع اجمل و افضل حیات برزخیہ ہے نہ کہ حیات دنیویہ لیکن اگر کوئی اس حیات کو دنیوی کے نام سے تعبیر کرے اور آپ کی حیات برزخیہ سے بھی انکار نہ کرے تو اس کو جماعت اہل السنۃ سے خارج نہیں کرنا چاہیئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بعد الموت

سب سے اعلیٰ و ارفع اہل و افضل حیات برزخیہ عطا فرمائی گئی ہے یہ جمہور اہل السنۃ والجماعت کا مسلک ہے اس پر کتاب اللہ احادیث صحیحہ اور ارشادات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ غایت اللہ بخاری عفی عنہ مسجد جامع گجرات

اس جواب اور فتویٰ پر پچاس حضرات کے دستخط ہیں اور تصدیق کا عنوان یہ ہے جواب صحیح ہے ان میں سے بعض حضرات کے نام یہ ہیں:- (۱) مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتوی۔

(۲) مولانا عبد الرحمن صاحب بہنوی (۳) مولانا ولی اللہ صاحب انبی (ضلع گجرات) (۴) مولانا غلام اللہ صاحب

(۵) مولانا محمد طاہر صاحب بیخ پیر (۶) مولانا قاضی شمس الدین صاحب (۷) مولانا

فیض علی شاہ صاحب (۸) مولانا قاضی غلام مصطفیٰ صاحب مرجانوی (۹) مولانا قاضی نور محمد

صاحب (۱۰) مولانا محمد امیر صاحب سرگودھا بلاک (۱۱) مولانا احمد حسین صاحب سجاد خاں

(۱۲) اور مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب وغیرہم (تعلیم القرآن ماہ جولائی۔ اگست ۱۹۶۰ء ص ۳۲)

اس فتویٰ سے ایک بات تو صراحتہ یہ ثابت ہوئی کہ موت کے بعد برزخ میں حیات کا عطا

ہونا اہل السنۃ والجماعت کا مسلک ہے اور کتاب اللہ احادیث صحیحہ اور ارشادات صحابہ کرام رضوان

اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس پر شاہد ہیں معلوم ہوا کہ ایسی حیات کا برزخ میں عطا ہونا فی مہلک الہی فتویٰ

علیہا الموت کے ہرگز خلاف نہیں ہے ورنہ یہ حضرات ہرگز اس کو تسلیم نہ کرتے اور دوسری

یہ بات ثابت ہوئی کہ برزخ میں اس عطا شدہ زندگی کو حیات دنیوی سے تعبیر کرنے والا اہل السنۃ

والجماعت سے خارج نہیں ہے کیونکہ اس قاتل کی سزا یہ ہوگی کہ روح مبارک کا دنیوی جسم سے

تعلق ہے نہ کہ جسم مثالی سے اور اوراک و فہم و شعور میں وہ دنیوی زندگی کی طرح ہے نہ کہ روح کے

بدن میں تصرف و تدبیر کرنے اور جس و حرکت کے لحاظ سے دنیوی ہے حضرت مولانا مفتی محمد رفیع اللہ

صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی عبارات میں حیات دنیوی سے یہی ثانی شق

مراد ہے نہ کہ اول چنانچہ ان کی عبارات علی الترتیب یہ ہیں۔

”آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک قسم کی حیات برزخی حاصل ہے جس کی کیفیت خدا

تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لیکن حیات دنیوی کہنا خلاف اہل السنۃ والجماعت ہے“

”حیات دنیوی ظاہری کا تو دنیا میں کوئی بھی قاتل نہیں قرآن کریم کی اتنی صریح مخالفت کون

مسلمان کر سکتا ہے؟ جو بھی قاتل ہیں حیات برزخی ہی کے قاتل ہیں (تعلیم القرآن ص ۳۲ ماہ جنوری ۱۹۶۰ء)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے فتویٰ میں توجیبات دینیوں کے ساتھ ظاہری کی قید موجود ہے اور یہی قید حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے فتویٰ میں بھی ملحوظ رکھنی چاہیے۔ چنانچہ مولانا احمد حسین صاحب سجاد بخاری حضرت مفتی صاحب کے فتویٰ میں جیات دینیوں کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں شاید یہ جیات دینیوں ظاہری کی طرف اشارہ ہو ۱۲ سجاد (ایضاً حاشیہ) اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دینیوں ظاہری کہنا اہل سنت کے قول کے خلاف ہے کیونکہ قبر اور برزخ کی زندگی اگر مستر طور پر دینیوں ظاہری ہوں تو پھر موت اور وح کے جسم سے منقطع ہونے کا کیا مطلب ہے اور پھر ایسی دینیوں ظاہری زندگی والے کو دفن کرنے کا اور اس کی دراشت کچھ تقسیم ہونے کا اور عدت گذر چکے کے بعد اس کی پڑ کا کسی سے نکاح جائز ہونے کا کیا مقصد ہے؟ اور یہ کیسے اور کیونکر جائز ہو گیا ہے؟ اور اگر موت کے بعد ایسی ہی دینیوں ظاہری زندگی دوبارہ عطا ہو تو وہ دوسری محسوس ہونی چاہیئے اور دینیوں ظاہری زندگی کے دیگر آثار بھی اس میں ظاہر ہونے چاہئیں حالانکہ عادتاً یہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔

جیات حسی دینیوں سے مراد؟

جیات جسمانی اور دینیوں کا نظریہ تو بالکل صاف اور بے غبار ہے جیسا کہ آپ نے حضرت نانوتویؒ وغیرہ کی عبارت میں ملاحظہ کر لیا ہے، البتہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی عبارت میں حسی کا لفظ بھی مذکور ہے یہ لفظ غور طلب ہے اگر اس سے مراد یہ ہو (اور ہمارے نزدیک یہ مراد متعین ہے) کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قبر میں جو جیات حاصل ہے وہ خود ان کے حق میں حسی ہے یا اس طور کہ وہ اپنے جسم مبارک کے تمام اعضاء شریفہ میں جیات کے آثار محسوس کرنے میں جس طرح کہ دنیا میں ایک تندرست انسان روح کا اثر تمام اعضاء میں محسوس کرتا ہے۔ بخلاف مفلوج اور مشلول کے کہ فالج کی وجہ سے اس کے جو اعضاء ماؤف اور شل ہو جاتے ہیں ان میں وہ حسی نہیں پاتا۔

الغرض جس طرح حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں اپنے تمام اعضاء مبارکہ میں جیات کے آثار محسوس ہوتے تھے اسی طرح قبر میں جو جیات ان کو حاصل ہے وہ ان کے حق میں حسی ہے اور اس کے آثار وہ خود محسوس کرتے ہیں گواہی دنیا کو اس کا احساس شعور نہ ہو سکے اور حسی کے اس معنی میں نقلاً و عقلاً کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی جب وہ زندہ ہیں تو لولہ

زندگی کے آثار ان کو محسوس ہوں گے۔ بخلاف عام مردوں کے کہ ان میں حیات کا اثر صرف اس جزو سے وابستہ ہوتا ہے جس سے فہم خطاب اور اہم و راحت کا ادراک ہو سکے اور یہ مطلب اس لحاظ سے بھی قوی اور صحیح ہے کہ قبر اور برزخ کا معاملہ عالم غیب اور دوسرے جہان سے متعلق ہے اس کے متبادلہ اور احساس اس جہان والے نہیں کر سکتے۔ لہذا حسی کا یہ معنی نہیں ہوگا کہ اس جہان والے اس حیات اور اس کے آثار کو محسوس کر سکتے ہیں اور اگر اس حیات حسی سے مراد یہ ہو کہ اہل دنیا اس کو محسوس کر سکیں تو خرقِ عادت کے طور پر اگر کسی ثقہ سے یہ ثابت ہو تو اس میں بھی شرعاً کوئی استبعاد نہیں کیونکہ خوارقِ عادت کے لیے کوئی ضابطہ نہیں ہوتا اور عام حالات سے وہ ماوراءِ ہی ہوتے ہیں علامہ آلوسی الحنفیؒ کا حوالہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ وہ اہل دنیا کے لیے اس کو حسی تسلیم نہیں کرتے اور اس تحقیق میں ہم بھی علامہ آلوسیؒ کے ساتھ ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ شیخ عبدالحقؒ وغیرہ کے نزدیک یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی روح مبارک آپ کے جسم اطہر سے ہی قبر شریف میں متعلق ہے اور ملاءِ اعلیٰ علیین اور جنت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ روح مبارک کا باوجود جسم اطہر کے ساتھ اعلیٰ اور ارفع تعلق ہونے کے جنت اور علیین سے بھی بدستور تعلق رہتا ہے جو آپ کی شانِ اقدس کے لائق ہے باقی اس کی کیفیت پروردگار ہی جانتا ہے ہم اس کے مکلف نہیں ہیں۔

دوسرا گروہ

یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی وفات کے بعد آپ کی روح پُر فتوح تو ملاءِ اعلیٰ علیین اور جنت میں اس جگہ میں ہے جو آپ کی شایانِ شان ہے اور آپ کا جسدِ اطہر صحیح و سالم قبر مبارک میں محفوظ و مصنون ہے لیکن بایں ہمہ آپ کی روح مبارک کا آپ کے جسدِ اطہر سے اتصال تعلق اور علاقہ ہے جس تعلق کی بنا پر آپ کو حیات اور اس کے لوازمات علم و ادراک و شعور و اشتغال بالعبادات حاصل ہیں کہ عند القبر اگر کوئی صلوٰۃ و سلام عرض کرے تو آپ بنفسِ نفیس خود سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں (اس کی بحث اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ) روح مبارک کا یہ تعلق جسدِ اطہر سے دخول ہو جیسے بعض حضرات کا نظریہ ہے یا اثرافاً و اشراقاً ہو جس طرح کہ بعض دیگر حضرات قائل ہیں کہ روح مبارک جسم اطہر میں داخل تو نہ ہو لیکن

اس کا پرتو اور عکس جسم اطہر پر اس انداز سے پڑتا ہو کہ آپ کو حیات حاصل ہو) اور اس تعلق کی وجہ سے آپ قبر مبارک کے پاس سلام کہنے والے کا سلام سن لیتے ہوں اور پھر جواب دیتے ہوں ایسا نہیں کہ روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق نہ ہو اور عند القبر صلوٰۃ و سلام کا سماع آپ نہ کرتے ہوں باقی اس تعلق کی کیفیت ہماری سمجھ سے بالاتر ہے ہم کیا اور اس کا اور اک دستور کیا؟ سچ کہا گیا ہے۔

کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا

گویا ان حضرات کے نزدیک آپ کی روح مبارک کا تعلق اور علاقہ اُسی بدن سے ہے جو بدن اور جسم دنیا میں تھا گو دنیوی زندگی کے اکثر لوازمات اور آثار اس پر مرتب نہ ہوں مگر اور اک دستور اور علم و سماع بہر حال اس میں منتفق ہے۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمن کی مفصل عبارت ۱۹۲، ۱۹۳ میں گزر چکی ہے، حافظ ابن القیمؒ اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی عبارات سے یہ مسکت واضح ہوتا ہے کہ آپ کی روح مبارک تو جنت اور اعلیٰ علیین میں ہے اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح بھی لیکن معہذا ان کا تعلق قبور میں اپنے ابدان سے بھی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:-

وبعد وفاته استقرت في الرفيق الاعلى
مع ارواح الانبياء ومع هذا فلها
اشراف على البدن واشراق وتعلق
به بحيث يرد السلام على من سلم
عليه وهذا التعلق رأي موسى قائماً
بصلی فی قبرہ الی ان قال کما انہ
صلی اللہ علیہ وسلم فی ارفع مکان فی
الرفیق الاعلیٰ مستقر اہناک و بدنہ
فی ضریحہ غیر مفقود و اذا سلم علیہ
المسلم رد اللہ علیہ روحہ حتی یرد
علیہ السلام ولم یفارق الملائکۃ الاعلیٰ

اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی روح مبارک دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں مستقر ہے لیکن معہذا بدن مبارک پر اس کا پرتو اور روشنی پڑتی ہے اور اس کا بدن سے تعلق ہے اس انداز سے کہ آپ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اسی تعلق کی وجہ سے آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں بحالت قیام نماز پڑھتے دیکھا تھا (پھر آگے فرمایا کہ جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ میں بلند مقام پر فائز ہیں اور آپ کا بدن مبارک قبر شریف میں موجود رہتا ہے جب بھی کوئی سلام کہنے والا آپ سے سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح مبارک کو آپ پر لوٹا

(زاد المعاد جلد ۷ ص ۷۹)

دیتا ہے۔ حتیٰ کہ آپ سلام کا جواب دیتے ہیں لیکن آپ کی روح مبارک ملا اعلیٰ سے جدا نہیں ہوتی۔

اور دوسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں کہ:-

یعنی یہ بات قطعی ہے کہ آپ کی روح مبارک اعلیٰ علیین کے اندر رفیق اعلیٰ میں دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح کے ساتھ ہے اور آپ کی یہ حدیث صحیح ہے کہ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو معراج کی رات ان کی قبر میں بحالت قیام نماز پڑھتے دیکھا اور ان کو چھٹے یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا پس روح مبارک تو وہیں ہے لیکن اس کا قبر تشریف میں بدن مبارک سے اتصال ہے اور اس پر روح کا پرتو پڑتا ہے اور اس سے تعلق ہے اس انداز سے کہ وہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور روح مبارک کا مستقر رفیق اعلیٰ ہی ہے اور ان دنوں باتوں میں کوئی منافاة نہیں اس لیے کہ ارواح کا معاملہ ابدان کے معاملہ سے الگ ہے۔

هذا مع القطع بان روحه الكريمية في الرفيق الاعلى في اعلیٰ علیین مع اسرار الانبياء وقد صح عنه انه رأى موسى قائماً يصلي في قبره ليلة الاسراء ورأى في السماء السادسة او السابعة فالروح كانت هناك ولها اتصال بالبدن في القبر واشراق عليه وتعلق به بحيث يصلي في قبره ويرد سلام من سلّم عليه وهي في الرفيق الاعلى ولا تنافي بين الامرین فان شأن الارواح غير شأن الابدان اه

(کتاب الروح ص ۷۵)

ان عبارات میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح کا مستقر رفیق اعلیٰ بتلایا گیا ہے لیکن یاس ہم واضح طور پر یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ان ارواح طیبہ کا قبور میں ابدان مبارکہ سے اتصال اور تعلق قائم ہوتا ہے جس کی وجہ سے قبور مبارکہ پر سلام کہنے والوں کا سلام سن کر جواب دینا ثابت ہے۔

حضرت عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ:-

وفات کے بعد آپ کی روح مبارک دیگر انبیاء علیہم السلام کے ارواح کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں مستقر ہے اور اس سے یہ دم نہ کیا جائے کہ قبر تشریف میں آپ کی حیات اس انکار لازم آتا ہے کیونکہ آپ کی روح مبارک کا بدن مبارک عکس

داما بعد وفاته فروجه المقدسة صلى الله عليه وسلم قد استقرت في الرفيق الاعلى مع اسرار الانبياء عليهم الصلوة والسلام ولا يتوهم من هذا انكار حيائهم في قبره

الشرف فان لروحہ صلی اللہ علیہ وسلم
اشراقاً علی البدن المبارک المطیب و
اشراقاً وتعلقاً یہ وبدنہ فی ضریحہ غیر
مفقود و اذا سئل علیہ المسئلۃ رحمہ اللہ علیہ
سروحہ حتی یورد علیہ السلام کما ورنہ فی
الحديث ولم یفارق الملاء الاعلیٰ ومن
کتف ادراکہ وغلظت طباعہ عن هذا
الادراک فلینظر الی الشمس فی علو محلہا
وتعلقہا وتأثیرہا فی الارض و حیات
البنات والحيوان بها۔

(فتح الملهو جلد ۳ ص ۲۲)

پرتو اور روشنی پڑتی ہے اور اس کے ساتھ تعلق ہے اور
آپ کا بدن مبارک قبر شریف میں موجود رہتا ہے اور جب
بھی کوئی سلام کہنے والا آپ سلام عرض کرتا ہے، تو
اللہ تعالیٰ آپ کی روح مبارک کو آپ پر لوٹا دیتا ہے،
حتیٰ کہ آپ سلام کا جواب دیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں
آیا ہے اور روح مبارک ملا اعلیٰ سے جدا بھی نہیں ہوتی
اور جس شخص کا ادراک کثیف اور اس کی طبیعت اس کے
سمجھنے سے منقبض ہو تو اسے سورج کی طرف دیکھنا چاہیے
کہ وہ کتنے بلند مقام پر ہے لیکن معذرت اس کا تعلق اور
تأثیر زمین پر ظاہر ہے اور نباتات و حیوانات کی حیات
اور نشوونما اس سے وابستہ ہے۔

حضرت مولانا عثمانیؒ نے اس عبارت میں سورج کی مثال دے کر یہ اشکال کہ جب روح مبارک
علیین میں ہے تو پھر قبر مبارک میں اس کے ساتھ حیات کے کیا معنی؟ رفع کیا ہے کہ سورج
باوجود بہت بلند ہونے کے زمین اور اس کے اجزاء پر اثر انداز ہے اور عالم اسباب میں حیوانات
نباتات کی نشوونما کا ذریعہ ہے اگر زمین پر اس کی حرارت اور روشنی اثر انداز ہو سکتی ہے تو روح
مبارک بھی قبر شریف میں جسم اطہر پر اثر انداز ہو سکتی ہے اور اس میں کوئی بُعد نہیں ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اور اسی طرح دیگر حضرات
انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی روح مبارک کا مستقر تو اعلیٰ علیین میں ہے لیکن باوجود اہل
استقرار کے اس کا تعلق ربط اور اتصال قبر مبارک میں جسم اطہر سے بھی ہے جس سے ایسی حیات
آپ کو حاصل ہے کہ آپ عند القبر سلام کہنے والے کا سلام بنفس نفیس خود سننے اور اس کا
جواب دیتے ہیں انصاف کی دنیا میں نہ تو اس اتصال اور تعلق کا انکار ہو سکتا ہے اور نہ
اس سے بڑھ کر اس کا کوئی ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے؛ بلکہ صدر کے لئے یہ دلائل بالکل
کافی ہیں۔

حرم دل کا کیا کتنا یہاں جلوے ہی جلوے ہیں
بجرا اللہ یہیں وہ ہیں یہیں خلوت نشین میں ہوں
عدم تعلق کا کوئی بھی قائل نہیں رہا

بلا خوف تردد یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تقریباً ۱۳۷۴ھ تک اہل السنۃ و الجماعت کا کوئی فرد کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک کا جسم الطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ و سلام کا سماع نہیں فرماتے کسی اسلامی کتاب میں عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث و تفسیر کی ہو یا شرح حدیث اور فقہ کی علم کلام کی ہو یا علم تصوف و سلوک کی سیرت کی ہو یا تاریخ کی کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسم الطہر سے کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ عند القبر صلوٰۃ و سلام کا سماع نہیں فرماتے من ادعی خلاف فعلیہ البیان ولا یمکنہ انشاء اللہ تعالیٰ الی یوم البعث والجزا والمیزان - خدا کرے کہ جو حضرات اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں ان کو محل نزاع اور اپنا مدعا سمجھ آ سکے۔
خدا یا اس مرض کی بے دوا کیا کہ ہم کیا ہیں ہمارا مدعا کیا!

مؤلف ندائے حق و صاحب تسکین القلوب اقامۃ البریلان ہمارے اس دعویٰ سے خاصے برہم و یسخر یا ہوئے ہیں (ندائے حق ص ۱۳۳ تا ص ۱۳۸ و تسکین ص ۹۳ و اقامۃ ص ۱۹۲) مگر یقین جانتے کہ ہر جو مناظرانہ موقف کافیوں کے ایک حوالہ بھی صراحت کے ساتھ اس پر پیش نہیں کر سکے کہ مثلاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسم الطہر سے کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ آپ عند القبر صلوٰۃ و سلام نہیں سنتے اور مؤلف اقامۃ البریلان نے روح کے بدن پر اشراق سے اور فی الجملہ روح کا تعلق جسم سے تسلیم کر کے ایک گونہ حیات تسلیم کر کے زائر کا صلوٰۃ و سلام سنا اور اس کا جواب دیتا بھی صاف تسلیم کر لیا ہے (ملاحظہ ہو اقامۃ ص ۱۹۱ و ص ۱۹۲) اور مؤلف تسکین القلوب کا اس سلسلہ میں حوالہ پہلے عرض کیا ہوا چکا ہے کہ وہ صلوٰۃ و سلام کے عند القبر سماع کے قائل ہیں۔

عاجزانہ واویلا

مؤلف ندائے حق اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ انوکھا اجماع آپ سے پہلے کسی

نے نہیں بتایا اور نہ ہم نے سنا۔ اس غلط اور موضوع حدیث (لغۃ اللہ علی الکاذبین صفہ) کے بل بوتے پر اتنا ناجائز ہے کہ اجماع بنا دکھایا۔ کیوں جناب! اجماع کا منکر تو کافر ہوتا ہے کیا سماع عند القبر شریف کا منکر بھی کافر ہے اس سے تو ہمیں اس خبر کی تصدیق ہو رہی ہے جو ہم نے سنی ہے کہ آپ کے حواری منکر سماع کو صاف کافر کہتے ہیں۔ جناب من! آپ کیوں جھجک کر منکرین کے نیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی فرماتے ہیں صاف کہہ دیجئے کہ کافر ہیں ان کے نیچھے نماز پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چہ جائیکہ کرامت کا سوال پیدا ہو۔ اگر آپ یوں فتویٰ دیں گے تو ہم بھی کہہ دیں گے جو غیر اللہ کو حاجات میں غائبانہ پکائے دور سے پکائے یا قبر کے پاس سے پکائے وہ پکا مشرک ہے اس کی ذبیحہ مزار ہے اس کو اپنی بہن بیٹی نکاح نہیں دے سکتے وغیرہ ہم سے تو عدم سماع کا صریح حوالہ مانگتے ہیں مگر کیا اپنے اپنے دعویٰ اجماع کا حوالہ دیا ہے ہم نہیں پوچھ سکتے کہ آپ بسند صحیح یہ دکھاؤ جس میں صحابہ یا من بعد ہونے کا ہو اجمعنا علی سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند قبرہ الشریف الذی فیہ جسد الطیب المطہر یا یہ دکھاؤ کہ صحابی یا من بعد ہونے مجمع عام میں دعویٰ سماع النبی عند قبرہ الشریف کیا ہو تو سارا مجمع خاموش رہا ہو تو وید کسی نے نہ کی ہو مثل مشہور ہے اُلٹے بانس بریلی کو دلیل علی النافی فی احکام الشرع واما الدلیل علی المثبت (اصول سرخسی ج ۱ ص ۱۱) چلو علی سبیل التمثیل کسی صحابی تابعی تابعین کا قول یا عمل ایسا دکھاؤ جو دال پر سماع ہو اور جو من گھڑت حدیث آپ کو اچھال رہی ہے اس پر کھل بحث انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آ رہی ہے اور موضوع حدیث پر عمل کرنے کا تمغہ من خدہ الشیطان بھی حاصل ہو جائے گا۔ الخ (ندائے حق ص ۱۳۳ و ص ۱۳۴)

الجواب نیلوی صاحب غصہ تھوک دیجئے اور سر اسر لا جواب عاجز اور قاصر ہو کر بلا وجہ پارہ چڑھ جانا ہی کوئی دلیل نہیں اور نہ اس سے کسی بھی صورت کوئی مطمئن ہو سکتا ہے۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور امت مسلمہ کا اس پر عمل ہے جو بقول آپ کے اس پر عمل کر کے من خدہ الشیطان کا تمغہ حاصل کر چکی ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) ہم نے حضرت گنگوہی کی باحوالہ عبارات تسکین الصدور میں درج کی ہیں کہ عند القبور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں

ہے (محصلہ) جناب اسی کا نام اجماع ہے آپ کو آپ سے باہر نہیں ہونا چاہیئے تھا بلکہ آپ نے دچار ٹھوس اور سرسبز حلالے بنا کر علمی اور تحقیقی خدمت بجالانے کے ضلال صحابی یا تابعی یا امام یا محدث یا فقیہ یا متکلم یا بزرگیوں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر سلام کا سماخ نہیں فرمایا یہ آپ کا علمی فریضہ تھا اور اب بھی آپ پر فرض ہے مرنے سے پہلے آپ اس کو پورا کر جائیں۔
 ہمارے حواریوں میں سے اگر آپ سے مغلوب الغضب نے تکفیر کی ہو تو ہمیں اس کا علم نہیں ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہم مسئلہ تکفیر میں اتنے غیر محتاط بھی نہیں ہیں مگر آپ کی توجہ کی خاطر ہم اپنے ایک مسئلے سے سواری حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے ایک سوال اور اس کے جواب کا کچھ حصہ عرض کئے دیتے ہیں۔

سوال۔ انسان را بعد موت ادراک و شعور باقی
 میماند و زائران خود راے شنود یا نه؟
 سوال:- کیا انسان کا مرنے کے بعد ادراک و شعور باقی رہتا ہے اور وہ اپنے زیارت کرنے والوں کو پہچانتا اور ان کے سلام و کلام کو سنتا ہے یا نہیں۔
 جواب:- انسان کا مرنے کے بعد ادراک باقی نہیں رہتا ہے اس مقصد پر مشرع شریف اور قواعد فلسفہ کا اجماع ہے۔ (پھر آگے فرمایا) خلاصہ کلام یہ ہے کہ مردوں کے شعور و ادراک کا انکار اگر کفر نہ ہو تو اس کے الحاد ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔
 جواب۔ انسان را بعد موت ادراک باقی میماند
 براین معنی مشرع شریف و قواعد فلسفی اجماع دارند
 الی ان قال بالجمله انکار شعور و ادراک اموات اگر
 کفر نہ باشد در الحاد و بدو ان او شبہ نیست اھ
 (فتاویٰ عزیزی ج ۸ ص ۸۸)

نیلمی صاحب فرمائیے کہ ہمارے حواری حضرت شاہ صاحب نے کیا فرمایا ہے؟ ہم زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتے اور فرض کیجئے کہ بعض اجماعی مسائل کا انکار کفر نہ ہو تو ان کا انکار کا ثواب بھی تو نہیں ہے بلکہ گناہ ہے آپ کیوں اس گناہ پر مصر اور کمر بستہ ہیں؟ اور کیوں مخلوق خدا کو گمراہ کر کے ان کی راہ مار رہے ہیں؟ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ پسے نقل کیا جا چکا ہے الجواب:- یہ کرامات اولیاء اللہ سے ہوتی ہے اور حق ہے کہ کرامت خرق عادت کا نام ہے۔ اس میں تردد کی کوئی بات نہیں اس کا انکار گناہ ہے کہ انکار کرامت کرنا ہے اور کرامت کا حق ہونا مسئلہ اجماعی اہل سنت کا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ لاخیر شید احمد گنگوہی عفی عنہ
 (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۲۲)

کچھ سمجھ آئی آپ کو؟ باقی آپ جیسے عقیدہ رکھنے والوں کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے کا فتویٰ دارالعلوم دیوبند اور دیگر بعض جید علماء کرام کا ہے جیسا کہ پہلے باحوالہ یہ بات عرض کی جا چکی ہے اس میں رافضی پر دانت پیسنے کا کیا مطلب؟ آپ کا یہ کہنا کہ: یا قبر کے پاس سے پکائے وہ پکا مشرک ہے اس کی ذبیحہ مردار ہے الخ پکارنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر پکائے سے یہ مراد ہے کہ صاحب قبر سے کہے کہ تم میرا کام کر دو تو یہ شرک ہے (فتاویٰ رشیدیہ ج ۹ ص ۹۹)۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ قبر کے پاس جا کر کہے اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے اس میں اختلاف علماء کا ہے مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقرر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں الخ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۹ ص ۹۹) فرمائیے کہ کیا آپ کے نزدیک سماع موتی کے جملہ قائلین پکے مشرک ہیں؟ اور ان کا ذبیحہ حرام اور مردار ہے؟ اور ان کے نکاح میں جو بیبیاں تھیں ان سے ان کا نکاح جائز نہیں تھا اور معاذ اللہ تعالیٰ وہ ساری زندگی زنا کرتے رہے نیلوی صاحب ہوش میں اگر بات کیجئے عاجز اور لا جواب ہو کریوں جلی کٹی سنانے پر نہ آجائیے بفضلہ تعالیٰ ہم نے اپنے دعویٰ کا ثبوت دے دیا ہے اور بغیر حجاب سید عنایت اللہ صاحب بخاری (جو اس اجماع کے پہلے منکر ہیں) اور ان کے چند حواریوں کے اور کسی نے اس اجماع کے خلاف لب کشائی نہیں کی اور سب اس اجماع پر خاموش رہے ہیں اور کسی نے اس کی تردید نہیں کی آپ اور آپ کے چند حواری اس اجماع کا انکار کر کے اور اس کے جواب سے بالکل لا جواب ہو کر اٹا ہمیں کو سنتے ہیں؟ اس کو کہتے ہیں اٹا یا نس یریلی کو آپ کو معلوم ہوتا چاہیئے کہ فقہی طور پر مدعی اور مدعی علیہ مثبت اور نافی کا مقام متعین کرنا خاصا نزاعی مسئلہ ہے اور یہ ایک اضافی چیز ہے آپ بھی اس بات کے مدعی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسم مبارک سے قبر اظہر میں کوئی تعلق نہیں اور آپ عند القبر صلوة و سلام وغیرہ نہیں سنتے (العیاذ باللہ) اور آپ پر بھی اس کا واضح اور صریح دلائل سے ثبوت لازم ہے جس سے آپ یقیناً قاصر ہیں اور تا قیامت قاصر رہیں گے لا دلیل علی النافی الخ کو اپنا سپرنا کر دلیل قائم کرنے سے راہ فرار اختیار کرنا بالکل بے سود ہے معاف رکھنا: تمام حضرات صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عند القبر سماع پر متفق تھے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے

اگر آپ میں ہمت اور جرأت ہے تو ایک حوالہ ہی مزید ثابت کر دیں ولا یمکن ذلک انشاء اللہ
 تعالیٰ آپ ضد اور تعصب و تحرب میں اگر بلا وجہ صحیح حدیث کو جس پر امت کا تعامل ہے منکھرت قرار
 دیتے اور اس پر عمل کرنے والوں کو مین حذر الشیطان کا جو دیتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا
 مزہ آپ مرنے کے بعد چکھیں گے کہ کیا ہے؟

ممکن ہے اہل علم حضرات نفی حیات سے دنیوی حسی حیات ہی مراد لیتے ہوں جس پر ان کے
 خیال میں کئی مفاسد مرتب ہو سکتے ہیں مگر عوام تو بڑے سطحی ہوتے ہیں وہ ان حدود و قیود کو کیا سمجھیں؟
 ہو سکتا ہے کہ وہ اس اجماعی مسلک کا انکار کر کے اپنی عاقبت ہی برباد کر لیں اس لیے حیات کا انکار
 خطرہ سے خالی نہیں ہے۔

حضرت سلطان باہو فرماتے ہیں کہ:-

اور جو جاہل کہ بدعت اور کفرابی میں پڑ جاتا ہے اس کی مثال بالکل ابو جہل جیسی ہے کہ اُسے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا ہی سمجھایا مگر وہ اپنی جمالت سے باز نہ آیا، اور یاد ہے کہ جو شخص
 انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مردہ جانے اس پر ایمان سلب ہو جانے کا خوف ہے الخ (کتاب
 عین الفقہ از سلطان باہو ص ۲۰۲ انشاء اللہ والے کی قومی دوکان کشمیری بازار لاہور)

دوسری دلیل

امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن عوف نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے مقرر نے

۱۔ امام ابو داؤد (متوفی ۲۵۵ھ) کا نام سلیمان بن الاشعث تھا جو الامام الثبت اور سید الحفاظ تھے۔
 (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۵۲) ۲۔ امام ابو حاتم ان کو صدق اور نسانی ثقہ کہتے ہیں امام ابن حبان ان کو ثقات میں
 لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ صاحب حدیث اور اہل حفظ تھے امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ وہ اہل شام
 کی صحیح اور ضعیف سب حدیثوں کے عالم تھے محدث مسلمہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے امام خلیل
 فرماتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں امام حافظ اور علم و معرفت میں مشہور تھے (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۸۳)
 ۳۔ ان کا نام عبد اللہ بن یزید تھا، امام ابو حاتم ان کو صدق اور امام نسانی اور خلیل ان کو ثقہ کہتے ہیں علامہ
 ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں امام ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور محدث ابن قانع
 ان کو ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۸۴)

بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حیوہؒ نے بیان کیا وہ ابو خرمیہؒ بن زیادؒ سے اور وہ یزید بن عبد اللہ بن قیسؒ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

ما من احد یسلم علی الارسلہ اللہ علی روحی حتی ارسلہ علیہ السلام (ابوداؤد جلد ۲۹)
کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس واللفظہ ومسند احمد جلد ۵۲) کا جواب دیتا ہوں۔

امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ اور امام ابو داؤدؒ نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے (شفاء السقام ص ۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ رواۃ ثقات (فتح الباری ص ۲۹) کہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں اسناد حسن (السلح المنبر جلد ۲۹) کہ اس کی سند حسن ہے حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں صحیح النووی فی الاذکار (تفسیر ابن کثیر ص ۵۱) کہ امام نوویؒ اس حدیث کی اپنی کتاب الاذکار میں تصحیح کرتے ہیں اور امام نوویؒ کتاب الاذکار ص ۱۶ طبع مصر میں لکھتے ہیں بالاسناد الصحیح الخ کہ یہ حدیث صحیح اسناد سے مروی ہے حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ :-

وانفق الائمة علی انہ یسلم عند زیارۃ علی
حضرات ائمہ کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی
لہ حیوہ بن شریحؒ بڑے صاحب کرامات بزرگ اور صالح ستہ کے مرکزی اوی ہیں امام ابن معینؒ اور یعقوب بن شیبہؒ
ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۱۶)
علامہ ذہبیؒ ان کو الامام القدوة اور شیخ الدیار المصرینہ لکھتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱)
امام بخاریؒ ان کو صالح الحدیث اور امام ارقطیؒ ثقہ کہتے ہیں محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں
امام ابن معینؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ان کو لا بأس بہ کہتے ہیں محدث ابن عدیؒ ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں۔
(مخصلہ تہذیب التہذیب جلد ۴۱ و ۴۲) امام ابن معینؒ ان کو لیس بہ یا اس اور امام نسائیؒ ثقہ کہتے ہیں
اور امام ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں امام ابن عدیؒ ان کو مشہور اور صالح الروایات کہتے ہیں محدث
ابراہیم بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ فقیہ اور ثقہ تھے علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں امام ابن معینؒ
ان کو صالح کہتے ہیں امام ابن عبد البرؒ ان کو ثقہ من الثقات کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۳۲ و ۳۳)

صاحِبِهِ مَا فِي السَّنَنِ عَنْ ابْنِ هَرِيرَةَ
عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَنَّهُ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ يَسْلُمُ عَلَى
الْأَسْرَدِ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى رَوْحِي حَتَّى
أُرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ حَدِيثٌ
جَيِّدٌ - (فتاویٰ کج ص ۳۶۱)

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ
کی (قبور کی) زیارت کے وقت سلام کہنا چاہیے کیونکہ
سنن (ابوداؤد) میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے
وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ مجھ پر کوئی شخص بھی سلام نہیں کہتا مگر اللہ تعالیٰ مجھ
پر میری روح (توجہ) لوٹا دینا ہے یہاں تک کہ میں اس
سلام کا جواب دیتا ہوں۔

۳۱ جہ وقت
اور علامہ زرنانیؒ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔ باسناد صحیحہ (ذرفانی شرح المواہب)
اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:-

قال النووي في الاذکار اسنادہ صحیحہ و
قال ابن حجر رواۃ ثقات
(دلیل الطالب ص ۸۴)
علامہ سیہودیؒ فرماتے ہیں:-

راوی ابوداؤد بسند صحیحہ اھ
وفاء الوفا ج ۲ ص ۳۳)

مولانا سید نور شاہ صاحبؒ اور علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ رواۃ ثقات (عقیدۃ
الاسلام ص ۵۲ فتح الملہم جلد ۳۳)۔ امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ:-

سداۃ احمد و ابوداؤد والطبرانی و
البیہقی باسناد حسن بل صحیحہ النووی
فی کتاب الاذکار وغیرہ و فیہ نظر و قال
شیخنا رواۃ ثقات (القول البدیع ص ۱۱)
اس حدیث کو امام احمدؒ، ابوداؤدؒ، طبرانیؒ اور بیہقیؒ نے
حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے بلکہ امام نوویؒ نے
کتاب الاذکار وغیرہ میں اس کی تصحیح کی ہے اور اس میں
کلام ہے اور ہمارے استناد (حافظ ابن حجرؒ) فرماتے
ہیں کہ اس حدیث کے جملہ راوی ثقہ ہیں۔

علامہ محمد بن محمد الناجی البوسنیؒ فرماتے ہیں کہ:-

قال النووي في الاذكار وديا ض الصالحين
اسنادہ صحیح و صحیح ایضاً ابن القیم (ہامش)
امام نووی نے کتاب الاذکار اور دیا ض الصالحین ص ۹۲
طبع مصر میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے
اور حافظ ابن القیم نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے

اصول حدیث کی رو سے یہ روایت بالکل حسن اور صحیح ہے اور اس کے جملہ راوی تفریق
جیسا کہ آپ باحوالہ پڑھ چکے ہیں اور محدثین کرام کی خاصی جماعت اس کی تصحیح و تحسین کرتی ہے۔
اعتراض :- امام سخاوی فرماتے ہیں وہ فیہ نظر کہ اس میں کلام ہے اور اس کی تشریح
یوں کی ہے کہ امام مالک فرماتے ہیں کہ یزید بن عبد اللہ بن قسیط لیس بذاک اور نفی الدین
ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ :-

كان له يدرك ابا هريرة وهو
ضعيف وفي سماعه منه نظر
گو یا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ملاقات نہیں
کی اور وہ ضعیف ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ سے
ان کے سماع میں کلام ہے۔

اور انہی قرآن کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ :-

وهو يمنع من الجزم بصحته (القول
البدیع ص ۱۱۱ محصلہ)
اور یہ چیز اس حدیث کے جزم بالصحۃ سے
منع کرتی ہے۔

الجواب :- یزید بن عبد اللہ بن قسیط، بخاری و مسلم اور دیگر صحاح سنہ کے راوی ہیں اور
جمہور محدثین ان کی توثیق کرتے ہیں، امام ابو حاتم نے ان کو اس لیے لیس بالقوی کہا تھا کہ
امام مالک ان پر راضی نہ تھے لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام ابن عبد البر نے ابو حاتم کا رد
کیا ہے اور پھر آخر میں لکھتے ہیں کہ ویزید قد احتج به مالك في مواضع من الموطأ
وهو ثقة من الثقات (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۳۳) امام مالک نے موطا میں کئی
مقامات پر ان سے احتجاج کیا ہے اور وہ ثقہ راویوں میں سے ایک تھے اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ
دوی عن ابن عمرؓ وابی ہریرہؓ کہ انہوں نے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت
کی ہے علامہ ابن سعد فرماتے ہیں کہ ان کی وفات ۲۲ھ میں ہوئی اور ابن حسان الزبیدی
فرماتے ہیں کہ انہوں نے نوے سال کی عمر پائی تھی (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۳۳) اس لحاظ سے

ان کی ولادت ۳۲ھ میں قرار پاتی ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی وفات ۵۸ھ کو ہوئی تھی،
 درمیان میں چھ بیس سال کا طویل زمانہ ہے اور جمہور محدثین کرامؓ کے اصول کے مطابق امکانِ لقاء
 کا کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ الغرض اعترض کی ایک ایک شق باطل ہے اور یہ حدیث
 بالکل صحیح ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام بخاریؒ قیدِ نظر سے جو کچھ بیان کرنا
 چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس حدیث کو بڑا صحیح نہیں کہا جاسکتا ان کا جو اختلاف ہے وہ محض
 نقطہ نظر سے لفظ صحت کے اطلاق میں ہے اس کے حق ہونے میں تو ان کو بھی کوئی اختلاف
 نہیں ہے اور جمہور محدثین استدلال و احتجاج کے لیے حدیث میں صحت ہی کی قید کو ملحوظ نہیں
 رکھتے بلکہ ان کے نزدیک حدیثِ حسن بھی قابل استدلال ہوتی ہے چنانچہ قاضی شوکانیؒ اور نواب
 صدیق حسن خان صاحبؒ (وغیرہ) نے اس کی تصریح کی ہے (ملاحظہ ہو نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۳
 و مسک الختام ج ۱ ص ۱۷)

مطلبِ حدیث ۹

اس صحیح اور حسن حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ سلام کہنے والے کا جواب دینے کے لیے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کی طرف روحِ مبارک لوٹائی جاتی ہے اور اس ردِ سلام میں
 آپ کی روحِ مبارک کا جسمِ اطہر سے اتصال اور تعلق ہوتا ہے اگر سلام بھیجنے والا دُور سے بھیجے تو
 بواسطہٴ ملائکہ یہ آپ تک پہنچایا جاتا ہے جیسا کہ انشاء اللہ عنقریب بیان ہوگا اور اگر سلام کہنے والا
 عند القبر سلام کہے تو آپ بلا واسطہ خود بنفس نفیس سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں بحثِ پتے مقام
 پر ایسی ہے انشاء اللہ امام موفق الدین ابن قدامہ الجنیدؒ (المتوفی ۷۲۲ھ) نے اسی روایت میں
 یسلم کے جملہ کے بعد عند قبری کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں (ملاحظہ ہو مغنی ج ۳ ص ۵۸۱)
 اور علامہ ابن عبد البرؒ نے بھی امام ابن قدامہ کے حوالہ سے امام محمدؒ کی روایت میں عند
 قبری کے الفاظ نقل کیے ہیں (المصاحم المتکلی ص ۱۷۱) اور جس روایت میں عند قبری کے
 الفاظ موجود نہیں ہیں ان سے مراد بھی عند قبری ہے (المصاحم ص ۱۷۱) اس صحیح حدیث سے
 بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک میں حیاتِ ثابت ہے اور حیات بھی ایسی کہ روحِ مبارک
 جسدِ اطہر کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور روحِ مبارک کا جسدِ اطہر سے اتصال تعلق اور رابطہ قائم ہوتا ہے

حضرت مولانا ناتھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس حیات میں شبہ نہ کیا جائے کیونکہ مراد یہ ہے کہ میری روح جو ملکوتِ جبروت میں مستغرق تھی جس طرح کہ دنیا میں نزولِ وحی کے وقت کیفیت ہوتی تھی اس سے افاقہ ہو کر سلام کی طرف متوجہ ہو جانا ہوں اس کو درودِ روح سے تعبیر فرمایا کذا فی اللغات (نشر الطیب ص ۲۱۱ و ص ۲۱۲ طبع جدید بنی پور دہلی) غرضیکہ یہ روایت اور اسی طرح کئی دیگر احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک آپ کی طرف لوٹائی گئی (اور لوٹائی) جاتی ہے چنانچہ علامہ زین الدین ابو بکر المرغی (المتوفی ۸۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ:-

اعلم ان کتب السنة متضمنة للاعتقاد
الدالة على ان روح النبي صلى الله
عليه وسلم ترد عليه وان يسمع ويبد
عليه السلام (تحقيق النصوة ص ۱۱۱
طبع مصر)

کتب حدیث ایسی روایات پر مشتمل ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی روح مبارک لوٹائی جاتی ہے اور آپ خود سلام سنتے اور سلام کہنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

حضرت مولانا ناتھانویؒ اس حدیث شریف کی طویل بحث کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں اس صورت میں حاصل معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پُر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ و تجلیات اللہ سے جو بوجہ جو بہتیت و مجیدیت نامہ آپ کو حاصل رہتی ہے اپنے ہوش عطا فرماتا ہے یعنی مبداء انکشاف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا مُبدل یا نقیض ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے ازنداد علی النفس حاصل ہوتا ہے اور اپنی ذات و صفات اور کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات و صفات سے اطلاع حاصل ہو جاتی ہے سو چونکہ سلام امتیاز بھی منجملہ قائل متعلقہ ذات خود ہیں اس لئے اُس سے مطلع ہو کر بوجہ حسن اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں اھ (آب حیات ص ۱۱۱)

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اسی حدیث کی تفسیر کرتے ہوئے ایک متعرض کا جواب دیتے ہوئے طویل بحث میں یہ بھی لکھتے ہیں اگر لفظ الیٰ روحی فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہو سکتا ہے۔ الیٰ اور علیٰ کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا علیٰ استعمال کے

لیے ہے اور الٰہی نہایت طرف سے۔ یہ ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ و سلام سے پہلے روح کا استعمار نہ ہوتا۔ نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہو گئے تھے اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹایا گیا ہے اور (مکتوبات شیعہ الاسلام - جلد ۱۲ - ص ۲۲۸)

اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ حاضری و ضہ مبارک کے وقت یہ آنحضرت علیہ السلام کی روح پہنچو گے گویا جلوہ افزہ سننے والی جاننے والی غایت جمال و جلال کے ساتھ تصور کرتے ہوئے ہندشاہ عالم کے دربار کی حاضری خیال کی جاوے اور جملہ طرق ادب کا لحاظ رکھا جائے الخ (مکتوبات شیعہ الاسلام جلد ۱۲ ص ۳)

اور نیز فرماتے ہیں کہ آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین و شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور ان قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے آپ سے نسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہیے محبوب حقیقی تک وصال اور اس کی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہو سکتی ہے اسی وجہ سے میرے نزدیک یہی ہے کہ حج کے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیے اور آپ کے ترسل سے نعمت قبولیت حج و عمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے (مکتوبات جلد ۱۲ ص ۱۱)

اور حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی - حدیث ما من احد یسلم علی الاسد اللہ علیہ سراجی (الحديث) کی تشریح کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں - علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے اگرچہ اس حیات کی نوعیت کے بارے میں علماء امت کی رائیں مختلف ہیں لیکن اتنی سی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے اس لیے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ آپ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے اس بنا پر اکثر شارحین نے رد روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر وجوہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی و جلالی تجلیات کے مشاہد میں مصروف رہتی ہے اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے، تو

اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں پس اس روحانی توجہ والی نفات کو رد روح سے تعبیر فرمایا گیا (معارف الحدیث ج ۵ ص ۳۷۸) اشکال

ہر سلام کرنے والے کے سلام کے موقع پر عود روح کے سلسلہ میں علمی طور پر بخاصا اشکال وارد ہوتا ہے کہ بار بار نزع روح اور عود روح تو اچھا بھلا سونامی روح ہے جو سمجھ سے بالا تر ہے اس لیے ایسی حدیث سے حیات کا مسئلہ کیونکر حل ہو سکتا ہے؟ چنانچہ یہ اشکال اور اس کا جواب حافظ ابن حجرؒ یوں لکھتے ہیں کہ :-

وجہ الاشکال فیہ ان ظاہرہ ان عود الروح الی الجسد یقتضی انفصالہ عنہ وهو الموت وقد اجاب العلماء عن ذلک باجوبة احدها ان المراد بقوله سرّد الله علی روحی ان سرّد روحہ کانت سابقۃ عقب دفنہ لانہا تعدّ ثم تنزع ثم تعدّ الثانی سلمت لکن لیس ہونزع موت بل لامشقة فیہ الثالث ان المراد بالروح الملك الموکّل بذلک الرابع المراد بالروح النطق فتجوّز فیہ من جهة خطابنا بما نفہمہ الخامس انہ یستغرق فی امور الملاء الاعلیٰ فاذا سلم علیہ رجع الیہمہ لیجیب من سلم علیہ وقد اشکل ذلک من جهة أخرى وهو انہ یستلزم استغراق الزمان کلہ فی

اس میں اشکال کی وجہ یہ ہے کہ روح کا جسم کی طرف عود اس کو چاہتا ہے کہ پہلے روح جسم سے الگ ہو اور یہی موت ہے (حالانکہ آپ قبر مبارک میں مستمر طور پر زندہ ہیں کما تر) اور علماء نے اس کے کئی جوابات دیئے ہیں ایک یہ ہے کہ آپ کے دفن کے بعد ہی آپ کی روح مبارک آپ کی طرف اللہ تعالیٰ نے لوٹا دی ہے یہ نہیں کہ لوٹائی جاتی ہے پھر نکالی جاتی ہے اور پھر لوٹائی جاتی ہے دوئم اس جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ البسا ہی ہے لیکن یہ نزع موت کا سا نہیں بلکہ اس میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کے سپرد یہ (درود شریف پہنچانے کا) کام ہوتا ہے چوتھا جواب یہ ہے کہ روح سے مراد مجازی طور پر لفظ ہے اس کو اس طریقہ پر اس لیے تعبیر کیا تاکہ ہم سمجھ سکیں پانچواں جواب یہ ہے کہ آپ علیؑ کے معاملات میں متفرق ہوتے ہیں سو جب بھی کوئی شخص سلام کہتا ہے آپ کی توجہ اور

ذَلِكَ لَا تَصَالُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ
فِي اقْطَارِ الْأَرْضِ مِمَّنْ لَا يُحْصَى كَثْرَةُ
وَأُجِيبَ بَأَنِّ أُمُورِ الْآخِرَةِ لَا تَدْرِكُ
بِالْعَقْلِ وَاحْوَالِ الْبَرَزِخِ أَشْبَهُ بِأَحْوَالِ
الْآخِرَةِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ
(فتح الباری ج ۳ ص ۳۵۲ طبع مصر)

فہم آپ کی طرف لوٹ آتا ہے تاکہ آپ سلم کہنے والے
کے سلام کا جواب دے سکیں اور اس حدیث میں ایک
وجہ بھی اشکال وارد ہوا ہے وہ یہ کہ اس سے لازم آتا
ہے کہ آپ سارا وقت ہی سلام کے جواب لوٹائیں
صرف ہو جائے کیونکہ زمین کے بیشتر اطراف سے صلوة وسلم
اس کثرت سے آپ کو پہنچتا ہے جو احصاء و شمار سے باہر ہے
اور اس کا یہ جواب دینا یا گیا ہے کہ آخر کچھ معاملات عقل سے
نہیں پہچانے جاسکتے اور برزخ کے معاملات لحوال
آخرت سے مشابہ ہیں۔ واللہ اعلم

حضرت مولانا عثمانی نے فتح الباری کی یہ مکمل عبارت (فتح الملہو جلد ۳ ص ۳۳۳)
میں نقل کی ہے اور علامہ السخاوی نے متعدد جوابات نقل کئے ہیں ایک یہ ہے :-

وَأَجَابَ الْبَيْهَقِيُّ بِمَا حَاصِلُهُ أَنَّ الْمَعْنَى
الْأَوَّلَ أَنَّ رَدَّ اللَّهِ عَلَى رُوحِي يَعْنِي أَنَّ
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقِبَ مَا دَفِنَ
سَرَدَ اللَّهِ عَلَيْهِ رُوحَهُ لَا جِلَّ سَلَامٌ مِنْ
يَسْلَمُ عَلَيْهِ اسْتَمَرَّتْ فِي جَسَدِهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَهْأَنْتَا تَعَادُ ثُمَّ تَنْزِعُ
ثُمَّ تَعَادُ.

اور دوسرا جواب یہ نقل کیا ہے :-

قَالَ الْفَاكُهَانِيُّ وَغَيْرُهُ إِنَّ نَقُولَ الْمُرَادِ
بِالرُّوحِ النَّطْقَ بِجَزَائِفِ كَانَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ إِلَّا مَرَدَ اللَّهُ إِلَى نَاطِقِي وَهُوَ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ عَلَى الدَّوَامِ لَكِنْ

امام فاکہانی وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ
روح سے مجازاً نطق مراد ہے پس گویا کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری طرف
میرا نطق لوٹا دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اگر چہ وامی طور پر زندہ ہیں لیکن جیسا کہ نطق لازم نہیں
سوائے تعالیٰ ہر سلام کہنے والے کے سلام کے وقت
نطق کی طاقت آپ کو عطا کر دیتا ہے۔

اور علامہ تقی الدین سبکیؒ نے ایک اور جواب دیا ہے
جو بہت عمدہ ہے وہ یہ کہ انہوں نے فرمایا کہ روح کے
رد سے روح معنوی مراد ہے بایں طور کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اس جہان سے بے نیاز
ہو کر درگاہ الہی اور ملائکہ اعلیٰ میں مشغول ہوتی ہے سو
جب بھی کوئی شخص آپ پر سلام کہتا ہے تو آپ کی
روح مبارک اس جہان کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے
تاکہ سلام کہنے والے کے سلام کا ادراک کر کے اس کا
جواب دے سکے۔

علامہ سبکیؒ نے شفاء السقام ص ۳۸ میں یہ بات بیان کی ہے اور حافظ ابن الخلقن
المتوفی ۸۰۴ھ فرماتے ہیں کہ:-

رد روح سے مراد نطق ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی روح
مبارک آپ سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ صحیح روایت میں
آتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

رد روح سے مراد نطق ہے کیونکہ آپ وامی طور پر
زندہ ہیں آپ کی روح مبارک آپ سے الگ نہیں ہوتی

لزم من حیاتہ النطق فاللہ
سبحانہ وتعالیٰ یرد علیہ النطق عند
سلام کل مسلم علیہ اھ
اور ایک جواب یہ نقل کیا ہے:-
واحباب السبکی البکیر بجواب آخر
حسن جدا فقال یحتمل ان یکون
ردا معنویا وان تكون روحہ الشریفۃ
مشتغلة بشہود الحضرة الالہیۃ
والملائکۃ اعلیٰ عن هذا العالم فاذا
سلم علیہ اقبلت روحہ الشریفۃ
علیٰ هذا العالم لیدرک سلام من
یسلم علیہ ویرد علیہ القول البدیع
ص ۱۲۴ طبع المآب اباد الہند

لمراد برد الروح النطق لانه صلی اللہ علیہ
وسلم حی فی قبرہ وروحہ لا تفارقه لما صح ان
الانبیاء احياء فی قبورہم (بحوالہ تحقیقۃ
الذاکرین ص ۲۵ للشوکانی ودلیل الطالید
ص ۸۲ لنواب صدیق حسن خان)

اور علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں کہ:-

لرد اللہ علی روحی ای رد علی نطقی لانه حی
دائما وروحہ لا تفارقه لان الانبیاء احياء

فی قبورہم (السراج المنیر جلد ۳ ص ۲۷۸)

کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں

حضرت امام سیوطی نے الاسرار اللہ علیٰ روحی کے اشکال مذکور کے پندرہ جوابات دیے ہیں جو ان کی کتاب انبأہ الاذکیاء میں موجود ہیں ایک جواب یہ ہے۔

ان قوله سراد اللہ جملة حالیه وقاعدة العربیة ان جملة الحال اذا وقعت فعلا ما ضیا قدرت فیها قد کقوله تعالیٰ جاء وکم حصرت صد ورهم ای قد حصرت وکذا هنا تقتدر والجملة ما ضیئة سابقة علی السلام الواقع من کل احد وحشی لیست للتعلیل بل مجرد حرف عطف بمعنی الواو فصارت نقدیر المحدث ما من احد یسلم علی الا قد سراد اللہ علیٰ روحی قبل ذلک واراد علیہ۔

کہ رد اللہ کا جملہ حال ہے اور عربی کا قاعده یہ ہے کہ حال جب فعل ماضی ہو تو اس میں حرف قد مقدر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول جاء وکم حصرت صد ورهم میں حرف قد مقدر ہے اور گویا عبارت یوں ہے قد حصرت اور اسکی طرح اس مقام پر بھی حرف قد مقدر ہے اور یہ جملہ ہر سلام کہنے والے کے سلام سے پہلے اور ماضی میں ہے اور حرف حتیٰ تعلیل کے لیے نہیں بلکہ محض حرف عطف ہے بمعنی واو کے ہے اور معنی حدیث یوں ہے کہ کوئی شخص مجھ پر سلام نہیں کہتا مگر اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری روح اس سے پہلے ہی لوٹا دی ہوتی ہے اور میں اس کے سلام کا جواب لوٹاتا ہوں سر

(انبأہ الاذکیاء ص ۲۸)

علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری الحنفی (المتوفی ۶۹۹ھ) اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں کیونکہ کوئی علاقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر لحظہ سلام کہنے والوں سے خالی نہیں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام والسلام شہداء کی طرح حقیقی طور پر زندہ ہیں اگرچہ برزخ کی حالت کو

وفیه دلیل علی انه صلی اللہ علیہ وسلم حی حياة مستمرة لان الکون لا یخلو من مسیئو بسلو علیہ فی کل لحظة وقد ثبت بالاحادیث الصبیحة انه صلی اللہ علیہ وسلم وسائر الانبیاء احياء حياة حقیقیة كالشهداء وان کان حال البرزخ لا یقاس علی

حال الدنيا الخ (نسیم الیاض ج ۳ ص ۱۹۹ طبع مصر)
یعنی اگر کسی شخص کو یہ زندگی سمجھ نہیں آ سکتی اور وہ اس کو محسوس نہیں کر سکتا تو اس کا یہ مطلب
نہیں کہ یہ زندگی ہی ثابت نہیں ہے کیونکہ برزخ کا معاملہ دنیا کے معاملہ سے الگ ہے
حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پور رحمی مآمن احد یسلم علی کی حدیث
کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

فظاھر عقد البآب یدل علی ان
المواد بالسلام علیہ السلام عند القبر
وقت حضورہ للزیارة الارء الله علی
روحی قال ابن حجر ای نطقی حتی ارد علیہ
السلام ای اقول وعلیک السلام قال
القاضی لعل معناه ان روحہ المقدسة
فی شان ما فی الحضرة الالهیة فاذا بلغه
سلام احد من الائمة روح الله تعالی
روحہ المطهرة من تلك الحالة الی روح
من سلم علیہ الخ
(بذل المجہود جلد ۳ ص ۲۰)

بطاھر باب کا یوں قائم کرنا اس بات پر دلالت کرتا
ہے کہ اس سے زیارت کے وقت قبر کے پاس
سلام کہنا مراد ہے الا سرد الله علی روحی کا
معنی حافظ ابن حجر یہ کرتے ہیں کہ مجھے قوت گویائی
دی جاتی ہے اور رحمتی امم علیہ السلام کا
معنی یہ ہے کہ میں کہوں گا وعلیک السلام قاضی فرما
ہیں کہ شاید اس کا معنی یہ ہو کہ آپ کی روح مقدس
اللہ تعالیٰ کے جلال اور مشاہد کے نظارہ میں
مشغول ہوتی ہے، پس جب آپ کو امت میں
کسی کا سلام پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح مبارک
کو اس طرف سے سلام کہنے والے کے سلام کے
جواب دینے کی طرف لوٹا دیتا ہے۔

ایک شبہ :-

ممکن ہے کسی صاحب کو یہ شبہ ہو کہ ہو سکتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
کی قبر میں حیات سے مراد روحانی حیات ہو یعنی روح کی حیات اور اسی طرح روح رُوح سلام
بھی صرف رُوح کی وساطت سے ہو اس لیے الالبیاء احیاء فی قبورہم یدہم یصلون کی
حدیث اور من صلی علی عند قبری الحدیث جسمانی حیات پر دل نہیں ہیں اور
محل نزاع تو یہ حیات ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

ولعل المراد بحدیث الانبیاء احياءاً
فی قبورهم یصلون انھما بقوا علیٰ ہذہ
الحالۃ ولم تسلب عنھم فلا یزیدان
الروح ینفسہ لیتطیع الصلوۃ ورسلاً السلام
فکیف وجہ فی الحدیث بقاء الحیوۃ بفعل
الصلوۃ وکن اسر السلام بوالروح واللہ
اعلم بھذہ الحقائق۔

(تحفۃ الاسلام ص ۳۶)

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ نماز کا پڑھنا اور سلام کا سُننا اور جواب دینا عقلی طور پر روح سے بھی متحقق ہو سکتا ہے مگر الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون اور رسلاً سلام کی حدیثوں سے روح کی نماز اور روح کا رسلاً سلام مراد نہیں بلکہ وہ حیات مراد ہے جو دنیا میں تھی جس میں جسم و روح دونوں کا تعلق تھا اور یہی حالت قبر میں بھی ہے اور پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

والاحادیث ارادت افعال الحیوۃ
واعمالہا لا بقاء الروح وهو قوله
فنبی اللہ حی یرزق و احياء فی قبورهم
یصلون تسرد فی ذکر الحیوۃ افعالہا
لا اصلہا او اراد مع الاجساد فان
اجسادہم حرمت علی الارض۔

(تحفۃ الاسلام ص ۳۶)

اور یہ احادیث بتلاتی ہیں کہ حیات ایسی حیات مراد ہے جس سے زندگی کے افعال و اعمال صادر ہوں صرف بقاء روح ہی مراد نہیں ہے اور اسی سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے فنبی اللہ حی یرزق اور یہ ارشاد بھی کہ الانبیاء احياء فی قبورهم یصلون یہ حدیثیں حیات کے افعال کے ذکر میں بیان کی گئی ہیں نفس حیات کے بیان کے لیے نہیں ذکر کی گئیں یا یہ مراد کہ حیات اجسام کے ساتھ ہے کیونکہ ان کے اجسام نہیں پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔

یعنی حیات سے مراد بقا و روح کی حیات نہیں بلکہ اعمال و افعال والی اور اجسام والی حیات مراد ہے۔

تبیسری دلیل

امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ہارونؒ بن عبد اللہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسینؒ بن علیؒ نے بیان کیا وہ عبد الرحمنؒ بن یزیدؒ بن جابرؒ سے اور وہ ابوالاشعثؒ الصنعانیؒ سے اور وہ حضرت اوسؒ بن اوسؒ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الدفنة فاكثروا على من الصلوة فيه اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخہ اولا

۱۔ ان کی کنیت ابو موسیٰ تھی الحمال کے لقب سے معروف تھے حافظ ابن حجرؒ ان کو الحافظ لکھتے ہیں امام مروزیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے دریافت کیا کہ میں ان سے روایت لکھوں؟ فرمایا ہاں بخدا ابو حاتمؒ اور ابراہیمؒ الحریریؒ فرماتے ہیں کہ وہ صدوق تھے، حریریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر جھوٹ حلال بھی ہوتا تب بھی وہ اس گمراہ کرتے امام نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن جبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۹) ۲۔ حسین بن علیؒ الجعفیؒ صحاح سنہ کے راوی ہیں، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے افضل کوئی نہیں دیکھا ابن معینؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ عجلؒ ان کو ثقہ اور صالح کہتے ہیں، ابن جبانؒ اور ابن شہابؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں عثمانؒ بن ابی شیبہؒ ان کو ثقہ اور صدق کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۵۹ و ۳۶۰) ۳۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں ابیسی بہ باس امام ابن معینؒ عجلؒ ابن سعدؒ اور امام نسائیؒ وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں، یعقوبؒ بن سفیانؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابو داؤدؒ ان کو من ثقات الناس اور ابو یوسفؒ بن ابی داؤدؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں، موسیٰ بن ہارونؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن جبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں ابو حاتمؒ ان کو صدوق لا باس بہ اور ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۲۹۸) ۴۔ ان کا نام شراحیل بن آدہؒ تھا۔ امام بخاریؒ اور مسلمؒ وغیرہ نے ان سے احتجاج کیا ہے عجلؒ ان کو تابعی اور ثقہ کہتے ہیں۔ ابن جبانؒ کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب جلد ۸ ص ۳۱۹)

فان صلواتکم معروضۃ علی قال قالوا
یا رسول اللہ وکیف تعرض صلواتنا
علیک وقد ارمیت قال یقولون بلیت
فقال ان اللہ عزوجل حرّم علی الارض اجساد
الانبیاء (ابوداؤد جلد ۵۱) واللفظ للذی
۱۹۵ والنسائی جلد ۵۱ والمستدرک جلد ۲۸
وجلد ۵۲ وموارد الظمان ۱۲۶ وابن ماجہ
وسنن الکبریٰ جلد ۲۹ وابن ابی شیبہ ج ۵
طبع مجلس علمی

ہوگا اور اسی میں نفخہ ثانیہ ہوگا۔ سوئم جمعہ کے دن
مجھ پر بختِ درود پڑھا کہ وکیونکہ تمہارا درود مجھ
پر پیش کیا جانا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ
یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کس طرح ہم
درود آپ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ
ریزہ ہو چکے ہوں گے، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
نے زمین پر حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
کے اجساد حرام کر دیئے ہیں (یعنی زمین ان کو
نہیں کھاتی)

محدث ابن حبانؒ کی سند یوں ہے اخبنا محمد بن اسحاق بن خزيمة حدثنا
ابو کریب حدثنا حسین بن علی حدثنا عبد الرحمن بن یزید بن جابر عن
ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس الخ (موارد الظمان ۱۲۶) اور امام ابو نعیم اصبہانیؒ
(المتوفی ۳۲۳ھ) کی سند میں بھی عبد الرحمن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الخ ہے (دلائل النبوة ۷۹)
امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں اس حدیث کو بخاری کی شرط پر صحیح کہتے ہیں اور یہ حدیث
امام حاکمؒ نے مستدرک جلد ۵۱ میں بھی اسی سند سے روایت کی ہے اور وہاں امام حاکمؒ
اور علامہ ذہبیؒ دونوں اس کو بخاری اور مسلم دونوں کی شرط پر صحیح کہتے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے
ہیں کہ اس حدیث کو امام ابن خزيمةؒ، ابن حبانؒ، دارقطنیؒ اور نوویؒ نے صحیح کہا ہے (تفسیر ابن
ابن کثیر جلد ۱ ص ۵۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:-

صحیح ابن خزيمة وغیرہ (فتح الباری ۳ ص ۲۹) اس کی ابن خزيمة وغیرہ نے تصحیح کی ہے
امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے بالاسانید الصحیحہ حضرت اوس بن
اوسؒ سے یہ روایت کی ہے (کتاب الاذکار ص ۱۶ طبع مصر)

علامہ ابن عبدہاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اس لیے کہ اس کے سبب ہادی
صدق و امانت اور ثقاہت و عدالت میں مشہور ہیں اور اسی واسطے حفاظ حدیث کی ایک

بڑی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے مثلاً امام ابن حبان، حافظ عبد الغنی المقدسی اور ابن دجیمہ وغیرہ اور کوئی شخص ایسا نہیں جس نے اس حدیث پر حجت اور دلیل سے کلام کیا ہو۔

(الصارم المنکی ص ۱۴ طبع مصر)

حافظ ابن حجر اس کو حدیث صحیح کہتے ہیں:- (فتح الباری ج ۲ ص ۵۸)

حافظ ابن القیم فرماتے ہیں:-

ومن تأمل فی هذا الاسناد لم يشك
بجو شخص بھی اس کی اسناد میں تامل کرے گا تو

فی صحته لشدة روايته وشهرته وقبول
اس کو اس کی صحت میں کوئی شخص نہیں ہو سکتا،

قبول الاثمة حدیث شہواہ
کیونکہ اس کے تمام راوی ثقہ اور مشہور ہیں اور ائمہ کرام

نے ان کی حدیثیں قبول کی ہیں۔ (جلاء الافہام ص ۳۶)

اور یہی الفاظ اس مقام پر علامہ ابن عبد البر ہادی کے ہیں۔ (ملاحظہ ہو الصارم المنکی ص ۴۵)

اور علامہ عینی لکھتے ہیں کہ صحیح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تأکل اجساد

الانبياء علیہم الصلوٰۃ والسلام (عمدة القاری ج ۶ ص ۶۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم سے صحیح طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے آپ نے فرمایا کہ زمین حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

والسلام کے اجساد کو نہیں کھاتی۔

اور حافظ ابن القیم دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:-

قد صح عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تأکل اجساد الانبياء علیہم الصلوٰۃ والسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ساتھ ثابت ہو چکا ہے آپ نے فرمایا کہ زمین حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

والسلام کے اجساد کو نہیں کھاتی۔ (کتاب الروح)

علامہ منذری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے انہ حسن (القول البدیع ص ۱۱۹)

علامہ عبد الغنی النابلسی اس کو حسن صحیح سے تعبیر کرتے ہیں (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۹۶)

والقول البدیع ص ۱۱۹)

اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ:-

در حدیث صحیح آمدہ است کہ بسیار گوئید در روز جمعہ در و درمن زیر کہ صلوٰۃ شما

معروض ہے کہ دربرمن میں جا معلوم می شود کہ حیات انبیاء حیات جسمی دنیاوی است
نہ مجرد بقائے ارواح الخ (مدارج النبوت ج ۲ ص ۹۲)
حضرت مولانا نورشاہ صاحب لکھتے ہیں :-

فانہ صحیح عندہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال
ان اللہ عزوجل حرّم علی الارض ان
تأکل اجساد الانبیاء (رواہ ابوداؤد
خزائن الاسرار ص ۱۹)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ساتھ ثابت
ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے
کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
کے جسموں کو کھاتے۔

مولانا عثمانیؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ :-

وهو حی فی قبرہ الشریف ولحوم الانبیاء
حرام علی الارض کما ورد بہ الاثر
(فتح الملهد ج ۲ ص ۴۹)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ
ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
جسم زمین پر حرام ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اصول حدیث کے رو سے یہ روایت بھی بالکل صحیح ہے اور اس میں کوئی شک اور
شہ نہیں۔

اعتراض

بعض حضرات لکھتے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا راوی عبد
بن یزید بن جابر نہیں (جو ثقہ ہے) بلکہ یہ عبد الرحمن بن یزید بن تمیم ہے جو منکر الحدیث ہے۔
(التاریخ الكبير ج ۳ قسم اول ص ۳۶۵ اور التاریخ الصغير ص ۱۷۱ محصلہ) اور امام ابو حاتم
فرماتے ہیں کہ عبد الرحمن بن یزید بن تمیم ضعیف ہے لہذا یہ روایت منکر ہے (علل الحدیث
لابن ابی حاتم ج ۱ ص ۱۹) اور علامہ منذریؒ نے بھی اس علت قیقہ کا ذکر کیا ہے (الترغیب
والترہیب ج ۲ ص ۲۹) مختصر سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۱۹ اور علامہ سبکیؒ اور امام سخاویؒ نے بھی
اس کا تذکرہ کیا ہے (شفاء السقام ص ۳۵ والقول البدیع ص ۱۱۹) اور اسی بناء پر قاضی
ابوبکر بن العربی المالکی (المتوفی ۳۵۴ھ) فرماتے ہیں ان الحدیث لا ینبت (بحوالہ
نبیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۳) کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

الجواب: عقل مندوں کا یہ مشہور مقولہ ہے کہ

خشتِ اول چون نہد معمار کج تا اثر یا میسرود دیوار کج

کہ عمارت کی جب پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی ہو تو اس پر جو عمارت بھی استوار کی جائے گی وہ ٹیڑھا کج ہی چلی جائے گی۔ اور یہ شعر اور محاورہ اس اعتراض پر پورا صادق آتا ہے اس حدیث کا جواری ہے وہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے نہ کہ عبدالرحمن بن یزید بن عقیل۔ اولاً اس لیے کہ جن کتابوں کے ہم نے پہلے حوالے دیے ہیں ان تمام میں ابن جابر کی تصریح ہے وثانیاً امام حاکم اور علامہ ذہبی اس سند کو ایک مقام پر امام بخاری کی شرط پر اور دوسرے مقام پر امام بخاری اور مسلم دونوں کی شرط پر صحیح کہتے ہیں اور عبدالرحمن بن یزید بن جابر تو بخاری اور مسلم کے راوی ہیں لیکن ابن عقیل نہیں اور متعدد محدثین نے ابو حاتم کو غیرہ کار دیکھا ہے چنانچہ حافظ ابن القیم لکھتے ہیں کہ۔

حسین بن علی الجعفی نے تصریح کی ہے کہ یہ اہل انہوں نے عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے سنی ہے چنانچہ ابن جابر اپنے صحیح میں فرماتے ہیں کہ ہم سے ابن خزيمة نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسین بن علی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبدالرحمن بن یزید بن جابر نے بیان کیا تو اس سند میں انہوں نے ان سے سماع کی تصریح کی ہے رہا متعرضین کا یہ قول کہ عبدالرحمن کے دو اہل ابن جابر میں حسین سے غلطی واقع ہو گئی ہے کہ ابن عقیل کا انہوں نے ابن جابر بنا دیا ہے تو یہ بات بعید سی بات ہے حسین بن علی پر اس میں کوئی اشتباہ نہ تھا وہ تنقید کی اہلیت بھی رکھتے تھے اور دونوں کو بخوبی جانتے بھی تھے اور دونوں سے سماعت بھی کی ہے۔

ان حسین بن علی الجعفی قد صرح یسماعلہ من عبد الرحمن بن یزید بن جابر قال ابن حبان فی صحیحہ ثنا ابن خزيمة ثنا ابو کریب ثنا حسین بن علی ثنا عبد الرحمن بن یزید بن جابر فصرح بالسماع منه وقولهم انه ظن انه ابن جابر وانما هو ابن عقیل فغلط فی اسم جدہ بعید فانه لم یکن یشبه علی حسین هذا بهذا مع نقده وعلمہ بہما وسماعہ منہما اھ۔

حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس اغراض کا خوب رد کیا ہے (ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۱ ص ۵۸)
حافظ ابن القیمؒ نے بھی اس کا رد کیا ہے (دیکھئے جلاء الافہام ص ۱۲) و تہذیب سنن
ابی داؤد ج ۱ ص ۱۵۲ طبع مصر

حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ :-

قال ابن دحیة انه صحیح بنقل العدل
عن العدل ومن قال انه منکراو
غریب بعلة خفیة فقد استودج
لان الدارقطنی ردھا اھ
(مرقات ج ۱ ص ۱۱۰ طبع مصر)

محدث ابن دحیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے
کیونکہ عادل راویوں نے عادل راویوں سے یہ نقل
کی ہے جس نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث علت خفیہ
کی وجہ سے منکر یا غریب ہے تو اس نے بالکل نگی بات
کی ہے امام دارقطنیؒ نے اس کا خوب رد کیا ہے۔
اور امام سخاویؒ اس علت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :-
لیکن اس علت کو امام دارقطنیؒ نے رد کیا ہے اور
فرمایا ہے کہ حسینؒ کا ابن جابرؒ سے سماع ثابت ہے
اور اسی تحقیق کی طرف علامہ خطیبؒ مائل ہوئے ہیں۔
و خاتماً مولانا سید احمد حسن صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

وللحدیث طرق جمعھا المنذری فی
جزء فتعد الطرق بیشد بعضھا بعضا۔
(تنقیح الزوائد ج ۱ ص ۲۵۵)

اس حدیث کے کئی طرق ہیں جن کو امام منذریؒ نے
ایک خبر میں جمع کر دیا ہے سو تعدد طرق ایک دوسرے
کی تقویت کرتے ہیں۔
اور امام منذریؒ نے الترغیب والترہیب اور مختصر سنن ابی داؤد میں اس کا ذکر کیا
ہے کہ میں نے ایک خبر میں اس حدیث کے طرق جمع کر دیئے ہیں۔

الغرض امام ابوداؤد، نسائی، ابن جریر، حاکم، ذہبی، ابن خزیمہ، امام نووی،
ابن القیم، دارقطنی اور حافظ ابن حجر وغیرہ سبھی اس راوی کو عبد الرحمن بن یزید بن جابرؒ ہی نقل کرتے
ہیں اور اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں، اندریں حالات اس روایت کی صحت پر کلام کرنا بالکل غلط ہے
اس روایتی تحقیق کے بعد اس حدیث کا درایتی پہلو بھی ملاحظہ کیجئے جو امور اس صحیح حدیث

بلا کسی ضمیمہ کے حاصل ہوتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر زندگی میں درود شریف پیش ہوتا رہا چنانچہ آپ کے الفاظ صراحت کے ساتھ اس پر دال ہیں کہ جمعہ کے دن

فاکثروا علی من الصلوٰۃ فان صلواتکم تم مجھ پر بکثرت درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر معروضۂ علیٰ پیش کیا جاتا ہے۔

درود شریف کا یہ عرض جسم اطہر اور روح مبارک دونوں سے وابستہ ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری لکھتے ہیں کہ :-

اور اس حدیث پاک میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور بدن مبارک پر پیش ہوتا ہے (فضائل درود ص ۳) اور اس عرض میں حضرات صحابہ کرام کو کوئی اشکال پیش نہیں آیا رہی اس عرض کی کیفیت تو اس کو خیاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے تھے ہم اس کے مکلف نہیں ہیں۔

۲۔ حضرات صحابہ کرام کو یہ اشکال پیش آیا کہ زندگی میں نور روح اور جسد دونوں کا تعلق ہے اور اس دور میں درود کے پیش ہونے پر تو کوئی اشکال نہیں لیکن جب آپ کی وفات ہو چکی تو اس کے بعد درود کیونکر پیش کیا جائے گا؟ آیا صرف روح مبارک پر پیش ہوگا؟ یا صرف جسد اطہر پر؟ یا دونوں پر؟ عقلی طور پر اس کی کئی صورتیں سامنے آسکتی ہیں مگر حضرات صحابہ کرام کو محض روح مبارک پر درود شریف پیش ہونے کا کوئی شبہ نہ تھا اور نہ وہ تمہارا روح مبارک پر درود شریف پیش ہونے کے حق میں تھے جیسا کہ یہ سوال کر رہے ہیں کہ :-

قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلواتنا یا رسول اللہ ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا علیک وقد ارمیت قال یقولون بلیت جائے گا حالانکہ آپ تو (معاذ اللہ) خاک ہو چکے ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کے نزدیک آپ پر صلوٰۃ و سلام پیش ہونے میں آپ کے جسد اطہر کو اولین درجہ حاصل ہے اور اس کے (العیاذ باللہ) بوسیدہ ہونے سے اس عرض کے سلسلہ میں ان کے اذنان و قلوب میں اشکال پیدا ہوا، اگر درود شریف کا تعلق آپ کے

جسدِ اطہر کے ساتھ نہ ہوتا تو آپ پہلے صحابہ کرام کے اس نظریہ کی تردید فرمانے کہ جسدِ کا کیا سوال ہے درود شریف تو روح پر پیش کیا جاتا ہے، مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ صحابہ کرام کے اس نظریہ کی پوری تائید فرمائی ہے کہ درود شریف کا تعلق آپ کے جسدِ اطہر کے ساتھ بھی باقاعدہ وابستہ ہے اور یہ تائید صرف دلالت ہی نہیں بلکہ صراحت ہے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ:-

ان الله عز وجل حرم على الاطراف اجساد الانبياء
 اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسامِ حرام کر دیئے ہیں۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ درود شریف کے پیش ہونے میں جسدِ اطہر کا پورا پورا دخل ہے کیونکہ آپ کا یہ ارشاد صحابہ کرام کے اس سوال کے بعد وارد ہوا ہے کہ ہمارا درود آپ پر جب تک آپ معاذ اللہ خاک ہو چکے ہوں گے کیونکر پیش کیا جائے گا؟ اور اس میں محض بے حس اور لا شعور جسم کا سوال نہیں بلکہ ایسے جسمِ اطہر کا سوال ہے جس پر درود شریف پیش ہو سکے اور روح کے بغیر یہ ہرگز ممکن نہیں ہے اس سے بڑھ کر حیاتِ جسمانی کی اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے؟ لیکن چونکہ یہ حیات فی القبر برزخی بھی ہے لہذا اس جہان کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو اس کا منشاہدہ نہیں ہو سکتا، اور نہ ان کو حس و حرکت محسوس ہو سکتی ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ حیاتِ نبوی کا یہ مطلب ہے کہ روح مبارک کا تعلق دنیوی بدن سے ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے حیات ہے لہذا بعض حضرات کا یہ فرمانا کہ بر تقدیرِ سلیم یہ احادیث صحیح بھی ہوں تو ان سے دنیوی زندگی ثابت نہیں ہوتی الخ غفلت پر مبنی ہے۔

۳۔ اگر درود شریف کا یہ عرض جسدِ عنصری پر نہ ہوتا بلکہ جسدِ مثالی پر ہوتا تو حضراتِ صحابہ کرام کو کبھی اشکال پیش نہ آتا کیونکہ جسدِ مثالی کے خاک ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا خاک ہونے اور بوسیدہ ہونے کا احتمال بلکہ یقین تو جسدِ عنصری اور جسمِ خاکی ہی سے وابستہ ہو سکتا ہے یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ قبر مبارک میں عرضِ صلوٰۃ و سلام کا آپ کے جسدِ عنصری کے ساتھ براہِ راست تعلق ہے اور پھر وہ حدیث جن میں آپ سلام کہنے والوں کو جواب دیتے ہیں اور عند الفتر صلوٰۃ و سلام کا بلا واسطہ سماع فرماتے ہیں جس کی تحقیق انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی اس پر مستزاد ہیں۔ غرضیکہ اس صحیح حدیث کے اندرونی اور بیرونی قرائن واضح طور پر اس امر کو ثابت

کمر رہے ہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسدِ اطہر کے ساتھ تعلق ہے اور اس تعلق کی وجہ سے آپ پر درود شریف پیش ہوتا ہے اور اسی تعلق سے آپ جواب دیتے ہیں چنانچہ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:-

و معلوم بالضرورة ان جسدة صلی
اللہ علیہ وسلم فی الارض طوی مطرا و قد
سألنا الصحابة کیف تعرض صلوٰتنا
علیک و قد ارمیت فقال ان اللہ حرم
علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء
ولو لم یکن جسدة فی ضریحہ لما اجاب
بھذا الجواب الخ (کتاب الروح ص ۵۵)

اور بدیہتہ معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا جسم مبارک بالکل تروتازہ زمین میں موجود ہے اور
صحابہ کرامؓ نے آپ سے پوچھا کہ ہمارا درود آپ پر کیسے
پیش کیا جائے گا جب کہ آپ زندہ ریزہ ہو چکے ہونگے
(معاذ اللہ) تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام
کر دیا ہے کہ وہ پیغمبروں کے اجسام کو کھائے اگر آپ کا جسم
مبارک قبر میں ہوتا تو آپ یہ جواب ہرگز نہ دیتے۔

یعنی اگر عرض صلوٰۃ میں آپ کے جسم مبارک کا دخل نہ ہوتا تو آپ صحابہ کرامؓ کو یہ جواب دیتے
حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) تحریر فرماتے ہیں
ان الصحابة سألوا بیان کیفۃ العرض
بعد اعتقادہم بانہ کائن لا محالۃ
لقول الصادق سرفعالا شتباہ ان
العرض هل هو علی الروح المجرد
او علی المتصل بالجسد حسبوا ان
جسد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کجسد
کل احد فکفی فی الجواب ما قالہ علی
وجہ الصواب (ہامش ابوداؤد ج ۱ ص ۵۵)

صحابہ کرامؓ نے اس یقین کے بعد کہ لا محالہ آپ پر درود تو
پیش کیا جاتا ہے کیونکہ صادق کا زمان ہے محض اپنے
شک کو دور کرنے کے لیے اس عرض صلوٰۃ کی کیفیت
دریافت کی کہ آیا وہ صرف روح مبارک پر پیش کیا جاتا
ہے یا روح پر جو جسم سے متصل ہو؟ اور انہوں نے
یہ خیال کیا کہ عام لوگوں کی طرح آپ کے جسدِ اطہر کو
بھی مٹی کھا جائے گی۔ اس سوال کا جو جواب آپ
نے دیا وہ معقول اور درست طریقہ سے ان کے
شُبہ کے ازالہ کے لیے کافی تھا۔

اس عبارت کا مطلب بھی روشن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض صلوٰۃ
کے سلسلہ میں جسدِ اطہر سے صرف نظر نہیں فرمائی بلکہ درود شریف کے سلسلہ میں جسم

مبارک اور روح اطہر دونوں کو ملحوظ رکھا ہے۔
حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ:-

قال ای رسول اللہ صلی علیہ وسلم ان
اللہ حرّم علی الارض ای منعها فیہ
مبالغة لطیفة اجسام الانبیاء ای
ان تأکلها فان الانبیاء احياء
فمحصل الجواب ان الانبیاء احياء
فی قبورهم فیمكن لهم سماع من
سلم علیہما (مرقات ج ۲ ص ۲۰۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک
اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے یعنی اس کو
روک دیا ہے (اور اس میں لطیف مبالغہ ہے) کہ
حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو وہ کھا
کیونکہ وہ زندہ ہیں پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ
چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں
زندہ ہیں تو ان کے لئے ممکن ہے کہ جو شخص بھی
سلام عرض کرے وہ اس کو سنیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے جواب میں ارشاد
فرمایا کہ:-

ان اللہ تعالیٰ حرّم علی الارض ان تأکل
لحوم الانبیاء فاخذ انہ یسمع الصلوة
والسلام من القریب وانہ یبلغ ذلک
من البعید۔ (مناسک الحج مکہ طبع دہلی)

بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ
وہ پیغمبروں کا گوشت کھائے پس آپؐ نے خبر دی
ہے کہ آپؐ قریب سے صلوٰۃ و سلام خود سنتے
ہیں اور دُور سے آپؐ کو پہنچایا جاتا ہے۔

حضرت مولانا ابوعقین عبدالمادی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:-

ظاہرہ یدل علی ان روحہ صلی اللہ علیہ
وسلم لیس فی جسد الاطہر بل اذا
سلم علیہ احد عند القبر وقت حضوۃ
للزیارۃ رد اللہ روحہ فیہ وهو
ینا فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم
مع انہما اتفقوا علی حیاتہ صلی اللہ

یہ حدیث بظاہر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک جسد اطہر میں نہیں ہوتی
بلکہ جب بھی کوئی شخص آپؐ کی زیارت کے لیے حاضر ہو کر قبر
مبارک کے پاس سلام کہتا ہے تو اس وقت آپؐ کی روح
مبارک آپؐ کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور یہ مطلب تو
آپؐ کی حیات کے منافی ہے حالانکہ سب کا اتفاق ہے

عليه وسلم بل حياة الانبياء عليهم
الصلوة والسلام متفق عليها لا خلا
لاحد فيه فقال الحافظ معناه ردة
لله على نطقى اه

(انوار المحمود ج ۱ ص ۱۶)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات
انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات ایک اتفاق امر
ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اس
اشکال کے جواب میں حافظ ابن حجر فرماتے
ہیں کہ ردّ وّح سے مراد تو نطق ہے۔

ان تمام اقتباسات سے معلوم ہوا کہ محدثین کرام نے اس صحیح حدیث پر وارد ہونے
والے اشکال کے کئی جوابات دیئے ہیں ان میں سے جو جواب بھی کسی کو پسند آئے قبول کر لے اور
اس صحیح حدیث کے پیش نظر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ثابت ہے اور اس میں
کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

چوتھی دلیل

امام ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عمرو بن سواد المصری نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ
ہم سے عبد اللہ بن وہب نے بیان کیا وہ عمرو بن الحارث سے اور وہ سعید بن ابی ہلال

عہ ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ المتوفی ۲۳۳ھ جو الحافظ الکبیر اور المفسر تھے (تذکرہ ج ۲ ص ۱۸۹) ۲ ابو حاتم ان کو
صدّق کہتے ہیں ابن حبان ثقّات میں لکھتے ہیں خطیب کہتے ہیں کہ وہ ثقّہ تھے ابن یونس ان کو ثقّہ اور صدّق
کہتے ہیں نسائی ان کو لا بأس بہ کہتے ہیں مسلمہ ان کو ثقّہ کہتے ہیں حاکم ان کو ثقّہ اور مامون کہتے ہیں (تہذیب
التہذیب ج ۲ ص ۲۶) ۳ یہ صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں ایک لاکھ حدیث انہوں نے بیان کی ہے ابن معین فرماتے
ہیں کہ وہ ثقّہ تھے ابو حاتم ان کو صالح الحدیث اور صدّق کہتے ہیں ابن سعد ان کو ثقّہ اور کثیر العلم کہتے ہیں علی
ان کو ثقّہ صاحب ستہ اور رجل صالح کہتے ہیں ابن عدی ان کو من اجلۃ الناس وثقّان تھے کہتے ہیں نسائی ان کو
لا بأس بہ اور ثقّہ کہتے ہیں سابق ان کو صدّق اور ثقّہ کہتے ہیں حلی کہتے ہیں کہ وہ ثقّہ اور متفق علیہ تھے (تہذیب
التہذیب ج ۲ ص ۲۷ و ۲۸) ۴ ان کی کنیت ابو امیہ تھی الانصاری اور المدنی نسبت ہے امام ابن معین ابو زرّعہ
نسائی علی ج ابن سعد اور دیگر بے شمار محدثین (غیر واحد) ان کو ثقّہ کہتے ہیں خطیب ان کو ثقّہ کہتے ہیں ابن حبان
ثقات میں عن الحفاظ المتقین لکھتے ہیں سابق ان کو صدّق اور ثقّہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۸) ۵
ابو العلاء کہتے ہیں اور اللیثی المصری نسبت تھی صحاح ستہ کے راوی ہیں ابن سعد علی، ابن خزیمہ، دارقطنی، بیہقی خطیب
(باقی صفحہ آئندہ)

سے اور وہ زید بن اہن سے اور وہ عبادۃ بن نسی سے اور وہ حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کرنے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :-

اکثر الصلوة علی یوم الجمعة فانه مشهود تشهد الملائكة وان احداً لن یصلی علی الا عرفت علی صلوة حتی یفرغ منها قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت ان الله حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی الله حی یرزق۔

(ابن ماجہ ص ۱۱۹)

حافظ مندرجی فرماتے ہیں - اسنادہ جیدہ (ترجمان السننہ ج ۲ ص ۲۹۶) کہ اس کی سند جیدہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور ابن عبد البر وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں ابو حاتم لا یاس بد اور ساجی صدق کہتے ہیں اور ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۹۵) ابن حزم نے ان کو لبس بالقوی کہا ہے لیکن یہ حرج مبہم ہے جس کا اعتبار نہیں امام احمد نے ان کو مختلط کہا ہے مگر صحاح ستہ کے مصنفین نے ان کی روایت لی ہے اور ان پر اختلاف کے الزام کو رد فرمایا نہیں سمجھا۔ اس لئے کہ انکی تحقیق میں وہ مختلط نہ تھے یا بقول ابن الصلاح صحیحین (وغیرہما) کی روایات روات کے اختلاف سے قبل کی ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۵۷)

۱۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور حافظ ابن حجر اس روایت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں روانۃ ثقات (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۹۱) امام ابن حبان اور حافظ ابن حجر کا ان کو ثقہ کہنے کے بعد علامہ ابن الہادی کا الصارم المکتوب میں ان کو مجہول الحال کہنا کوئی وقعت نہیں رکھتا کیونکہ محدثین کا قاعدہ یہ ہے من عرف حجة علی من لم یعرف ۲۔ ابن سعد - امام احمد ابن معین، عجل اور نسائی ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابو حاتم اور ابن خراش لا یأس بہ کہتے ہیں، ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں، ابن نمیر ان کی توثیق کرتے ہیں الخ (تہذیب ج ۲ ص ۱۱۱) ۳۔ حضرت ابوالدرداءؓ کا نام عویم بن یزید تھا۔ جلیل القدر صحابی تھے۔ علامہ ذہبی ان کو الامام الربانی کہتے ہیں اور ان کو حکیم الامت بھی کہتے تھے اہل الشام اور دمشق کے عالم، فقیہ، فارسی، مفتی اور قاضی تھے (تذکرہ ج ۲ ص ۲۳۷)۔

اور کھری ہے۔ علامہ غزنیؒ لکھتے ہیں ودجالہ ثقافت (السراج المنیر ج ۲ ص ۲۹) کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں قال الد میدی دجالہ ثقافت (فیض القدیر ج ۲ ص ۵۸) کہ دمیؒ فرماتے ہیں اس کے راوی ثقہ ہیں اور علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں۔ رواہ ابن ماجہ برجال ثقہ (زرقانی شرح مواہب ج ۲ ص ۳۳۶)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ :-

قلت رجالہ ثقافت

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۹۸)

اور علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں کہ :-

رواہ ابن ماجہ باسناد جید (خلاصۃ الوفا ص ۲۸۵) امام ابن ماجہؒ نے اس کو جید سند سے روایت کیا ہے اور حضرت ملا علی القاریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

باسناد جید نقلہ میوہ عن المندزیؒ (مرقات ج ۲ ص ۱۱۲) اس کی سند جید ہے، محدث میرؒ نے امام منذریؒ سے اس کو نقل کیا ہے اور اس کے طرق بہت ہیں قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ :-

وقد اخذ ابن ماجہ باسناد جید الخ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۶۴) امام ابن ماجہؒ نے جید سند کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے۔

مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں کہ :-

باسناد جید (عون المعبود ج ۲ ص ۵۸) اس کی سند جید اور کھری ہے۔

ان تمام حوالوں سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں اور اس کی سند جید اور کھری ہے، اور محدثین کرامؒ کا جم غفیر جید کہہ کر اس حدیث کی تصحیح کرنا ہے۔

اعترض

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ زید بن ایںؒ کی عبادہ بن نسیؒ سے روایت مرسل ہے (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۹۸) امام بخاریؒ نے یہ بات اپنی کتاب التاریخ الکبیر ج ۲ ص ۳۵۴ قسم اول طبع دائرة المعارف حیدرآباد میں فرمائی ہے۔ اور امام سخاویؒ فرماتے ہیں :-

ورجالہ ثقافات لکنہ متقطع (القول البلیغ) کہ اس کے راوی ثقہ ہیں مگر سند منقطع ہے

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن امام بخاریؒ نے فرمایا کہ زید بن اسلمؒ کی عبادہ بن نسیؒ سے روایت مرسل ہے (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۱)

علامہ عراقیؒ شرح ترمذی میں فرماتے ہیں کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر اس میں انقطاع ہے الخ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۶۳) اور بعض حضرات نے اس پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ فنی اللہ حتیٰ یرزق کا جملہ راوی کا مدح ہے، یہ مرفوع روایت کا حصہ نہیں ہے لہذا یہ روایت مخدوش ہے۔

الجواب :- یہ اعتراض چنداں وقعت نہیں رکھتا اولاً اس لیے کہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ باحوالہ یہ بحث آ رہی ہے کہ اصول حدیث کے رُوسے صحیح اور جحد کا ایک ہی درجہ ہے اور حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اس کا اتصال بھی ضروری ہوتا ہے اس لحاظ سے جن حضرات اس کو جحد کہا ہے۔ گویا ان کے نزدیک اس کا اتصال بھی ثابت ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ زید بن اسلمؒ، عبادہ بن نسیؒ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے سعید بن ابی بلالؒ راوی ہیں (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۱) حاشیہ علامہ سندھی بر بن جہ ج ۳ ص ۱۵ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ عبادہ بن نسیؒ کی ابوالدرداءؒ سے روایت مرسل ہے لیکن یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۱۳ میں تصریح فرمائی ہے کہ عبادہ بن نسیؒ حضرت ابوالدرداءؒ سے سبیلہ راست روایت کرتے ہیں) خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات نے اس حدیث کے مرسل اور منقطع تسلیم کرنے میں حضرت امام بخاریؒ وغیرہ کا ساتھ نہیں دیا اور حق جہولہی کے ساتھ ہے۔

نوٹ :- علامہ عراقیؒ نے اس روایت کے بارے میں کایصمہ نہیں فرمایا جیسا کہ نیل الاوطار کے حوالہ سے مؤلف ندائے حق نے ص ۸۹ میں دھوکا کھایا ہے اسی طرح قاضی ابوبکر بن العربیؒ نے بھی اس روایت کے بارے میں ان الحدیث کا اثبوت نہیں فرمایا جیسا کہ نیل کے حوالہ سے اسی صفحہ میں مؤلف مذکور نے مغالطہ دیا ہے قاضی ابن العربیؒ کا یہ ارشاد حضرت اوس بن اوسؒ کی روایت کے بارے میں ہے جس کی بحث پہلے گذر چکی ہے۔

ثانیاً اگر یہ روایت مرسل بھی ہو (بعض محدثین کو ائمہ نے مرسل اور منقطع میں فرق کیا ہے لیکن

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح بات جس کی طرف فقہاء کرامؒ علامہ خطیبؒ بغدادیؒ امام ابن عبدالبرؒ اور دیگر محدثین کرامؒ گئے ہیں، یہ ہے کہ مرسل اور منقطع ایک ہی ہے، محصلہ (تذریب الراوی ص ۱۲۶ و ۱۲۷) تب بھی مرسل روایت سے اصول حدیث کے رُو سے ترجیح اور تفسیر درست ہے، چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ:-

والترجیح بالمرسل جائز (تذریب الراوی ص ۱۲۸) مرسل سے ترجیح جائز ہے اور مولانا عثمانیؒ تذریب الراوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:-

قال شیخ الاسلام والمرسل یفسر المتصل (مقدمۃ ختم الملهو ص ۲۵) شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مرسل روایت سے متصل روایت کی تفسیر کی جاسکتی ہے۔

اور حدیث فنبی اللہ حی یزق ان روایات کی تفسیر ہے جن میں رزق دینے جانے کے بغیر حیات کا ذکر آتا ہے چنانچہ دلیل ۳ میں حضرت اوسؓ بن اوسؓ کی جو روایت نقل کی جا چکی ہے اس میں حضرات انبیاء کرامؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجماع طیبہ کی حفاظت کا ذکر اور درود شریف کے سلسلہ میں روح مبارک کے جسد اطہر سے تعلق کا تذکرہ نہایت اس میں یہ احتمال ہو سکتا ہے (گو کمزوری سہی) کہ یہ اخلی تعلق نہ ہو بلکہ خارجی تعلق ہو کہ وہاں ایسی حیات ہی نہ ہو جس میں کسی قسم کے نفع کی ضرورت پیش آئے اور حضرت ابوالدرداءؓ کی یہ مرسل روایت اس کی تفسیر اور حیات کے اس معنی کو ترجیح دینے کے لیے کافی ہے کہ یہ تعلق حیات کا ہے اور اس میں باقاعدہ شایان شان رزق بھی ملتا ہے۔

فنبی اللہ حی یرزق انہذا اصول حدیث کے رُو سے یہ روایت مزیح اور مفسر ہے و قالنا جو حضرات مرسل سے احتجاج کے قائل نہیں وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ مرسل معتضد حجت ہے (ملاحظہ ہو تذریب الراوی ص ۱۲۸ اور مقدمہ نووی ص ۱ وغیرہ) اور اس حدیث کی تقویت اور اعتضاد کے لیے علاوہ سابق پیش کردہ اور آئندہ عرض کی جانے والی احادیث کے اجماع است مؤید ہے اس لیے یہ روایت قابل استدلال ہے علاوہ ازیں یہ روایت دوسری روایتوں کے لیے شاہد ہے چنانچہ علامہ ابن الہادیؒ لکھتے ہیں کہ:-

وهذا الحدیث وان کان فی اسنادہ شئی فهو شاهد لغيره وعاضد له والله اعلم۔ اور اس حدیث کی سند میں اگرچہ کچھ تھوڑا سا ضعف ہے مگر یہ دوسری روایات کے لیے شاہد اور باعث تقویت ہے۔ واللہ اعلم۔ (الصارم ص ۱۴۸)

در ابعاً محدثین کرام کا یہ ضابطہ ہے کہ جو جملہ حدیث کے ساتھ ہو وہ متصل ہی مانا جائے گا اور محض ختمال سے اور راجح ثابت نہیں ہو سکتا (فقہ الباری ج ۱ ص ۲۵۵) اور ادراج کے اثبات کیلئے محدثین کرام نے جو قواعد بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں :-

ویدلک ذلک بورودہ منفصلاً فی روایت اخروی او بالتخصیص علی ذلک من الراوی او بعض الائمة المطلاعین او باستحالة کونه صلی اللہ علیہ وسلم یقول ذلک (تدریب الراوی ص ۳)

اور اس ادراج کا علم اس طرح ہوتا ہے کہ مدرج حصہ کسی دوسری روایت میں الگ آیا ہو یا راوی صحت سے بیان کرے کہ یہ مدرج ہے یا اطلاع پانے والے اماموں میں سے کوئی اس کی تصریح کرے یا اس قول کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو محال ہو

لیکن ان میں سے ایک بات بھی اس کے مدرج ہونے پر ثابت نہیں بلکہ آخری بات اس کے مدرج نہ ہونے کی روشن دلیل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الانبیاء احياء فرما کر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت فرمادی ہے تو پھر فنبی اللہ حتی یورثک کا ارشاد آپ سے محال کیوں ہوگا؟

وخاصاً اگر اس کو مدرج بھی تسلیم کر لیا جائے کہ راویوں میں سے کسی نے حدیث کے سابق حصہ کا مطلب اور مراد سمجھ کر اس کو اپنی طرف سے بطور تفسیر کے بڑھا دیا ہے تب بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کی دلیل ہے کیونکہ اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ حدیث کا راوی اپنی مروی حدیث کا مطلب یہ نسبت سے دوسرے کے زیادہ بہتر جانتا ہے۔ چنانچہ امیر بانی محمد بن اسماعیل الصنعانی (المتوفی ۱۸۲ھ) لکھتے ہیں:

ورادی الحدیث اعرف بالمراد بہ من غیرہ (سبل السلام ج ۱ ص ۲۷ طبع مصر)

کہ حدیث کا راوی حدیث کی مراد کو دوسروں سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔

اور مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوری (المتوفی ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ :-

وقد فقر دان راوی الحدیث ادراہی ہواد الحدیث من غیرہ اھ

اور بلاشبہ یہ بات طے شدہ ہے کہ حدیث کا راوی اپنی حدیث کی مراد کو دوسروں سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔

(تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۵)

لہذا اگر یہ حصہ مدح بھی ہو تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بابرکات پر اس سے استدلال درست اور صحیح ہے، کیونکہ راوی حدیث نے اس سے یہی مطلب سمجھا ہے۔
حضرت مولانا گنگوہیؒ لکھتے ہیں کہ:-

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں ونبی اللہ حتی یورثک اھ (ہدایتہ الشیعہ) ^{۳۶}
اور حضرت مولانا تھانویؒ، اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:-
پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اُس عالم کے مناسبت ہوتا ہے اور گوشہ دار کے لیے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے مگر انبیاء علیہم السلام میں ان سے اکمل و اقویٰ ہے (نشر الطیب ص ۲۱)
اس سے معلوم ہوا کہ یہ اکابر بھی اس جملہ کو حدیث کا حصہ اور صحیح تسلیم کرتے ہوئے اس سے استدلال و احتجاج کرتے ہیں۔

پانچویں دلیل

امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد الوہاب بن عبد الحکم الوراق نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے معاذ بن معاذؒ نے بیان کیا وہ سفیان بن سعید (ثوری)ؒ سے اور وہ عبد اللہ بن سائبؒ سے اور وہ زاذانؒ سے اور وہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

ان لله ملئکنہ سیاحین فی الارض یبلغونی
من امنی السلام (نسائی ج ۱ ص ۱۲۳) مسند احمد ج ۲
وابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱ طبع مجلس علمی دارمی
بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسے فرشتے مقرر ہیں جو زمین میں گھومتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

موارد الظمان ص ۵۹ مشکوٰۃ ص ۵۸ اور البدایہ النہایہ ج ۵ ص ۵۷ الجامع الصغیر ج ۳ ص ۹۳ وخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۵ و
امام نسائیؒ سفیان ثوریؒ تک سند ذیل ہے وطرطری یوں ہے اخبرنا محمد بن غیلان قال حدثنا دکیع وعبد اللہ بن
عن سفیان اھ اور یہ جملہ حضرات ثقہ اور ثبت اور علم حدیث کے مسلم امام ہیں تاہم پہلی سند کے واثق کی توثیق ملاحظہ ہو
عبد الوہاب ثقہ تھے (تقریب ص ۱۲۹) معاذ بن معاذ ثقہ اور متقن تھے (تقریب ص ۲۵۷) ثقہ حافظ نقیہ عبد
الرحمن حجت تھے (تقریب ص ۱۵۷) ثقہ تھے (تقریب ص ۲۱) زاذانؒ کا ترجمہ ص ۱۱۷ میں گذر چکا ہے

تحدیث حدیث (۳۱) علامہ سمودئی فرماتے ہیں کہ امام نسائیؒ اور اسماعیل القاضیؒ نے صحیح حدیث سے یہ روایت نقل کی ہے (وفاء الوفا ج ۲ ص ۴۲)

اور علامہ ابن عبدالبہادیؒ لکھتے ہیں کہ امام نسائیؒ اور اسماعیل القاضیؒ وغیرہ نے مختلف طرق سے صحیح اسانید کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔ (الصائم المنکی ص ۱۱)

علامہ عزیزیؒ فرماتے ہیں حدیث صحیحہ (السراج المنیر ج ۱ ص ۱۵) کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

علامہ سیبئیؒ فرماتے ہیں رواہ البزار و رجالہ رجال الصیحہ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۷) کہ محدث بزار نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کے جملہ اوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ اور یہ روایت مستدل ج ۲ ص ۲۲ میں بھی مروی ہے قال الحاکم والذہبی صحیحہ امام حاکمؒ اور علامہ سیبئیؒ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔ امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ:-

رواہ احمد والنسائی والد ادھی وابو نعیم
والبیہقی والخلعی وابن حبان والحاکم
فی صحیحہما وقال صحیحہ الاسناد۔
امام احمدؒ۔ نسائیؒ۔ دارقطنیؒ۔ ابو نعیمؒ۔ بیہقیؒ۔ خلعیؒ۔
ابن حبانؒ اور حاکمؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور
حاکمؒ کہتے ہیں کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔

(القول البدیع ص ۱۱)

اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ

نزد احمد و نسائیؒ ہر آیتہ خدا کے رافرتگانند
سیر کنندگان در زمین میرسانند مر از امت من
سلام را و تواتر رسید این معنی الخ
امام احمدؒ اور نسائیؒ کی روایت میں ہے کہ بیشک اللہ
تعالیٰ کے فرشتے زمین پر سیر کرتے ہیں اور مجھے میری
امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور یہ مضمون متواتر طور پر

ثابت ہے۔

(فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۶۹)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امت کا سلام پہنچنا تواتر سے ثابت
اور امام سخاویؒ امام دارقطنیؒ کے حوالہ سے یہ روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ:-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ
ملئکنہ یسیحون فی الارض یبلغونی صلوة
من صلی علی من امتی اخرجہ الدارقطنی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے
کچھ فرشتے زمین پر بھرتے ہیں میری امت میں جو
شخص مجھ پر صلوة پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچاتے ہیں۔

(القول البديع ص ۱۱) اور یہ شفاء السقام ص ۳ میں بھی مذکور ہے۔

ان دونوں روایتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ فرشتے صلوٰۃ و سلام دونوں پہنچاتے ہیں۔
 علامہ شہاب الدین محمد بن احمد لا بشیہی المتوفی (۸۵۸ھ) یہ روایت اس طرح نقل کرتے ہیں۔
 ان لله ملئکتہ سیاحین فی الارض بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرشتے زمین میں
 یبلغونی الصلوٰۃ علی من اہتمی پھرتے ہیں میری امت کی طرف سے وہ مجھے درود
 فاستغفرلہم (المستطوف فی کل فن پہنچاتے ہیں پس میں ان کے لیے استغفار کرتا
 مستظرف ج ۲ ص ۳ طبع مصر) ہوں۔

اور علامہ غزیری فرماتے ہیں کہ جس طرح سلام آپ پر پیش کیا جاتا ہے اسی طرح صلوٰۃ اور
 درود بھی پیش کیا جاتا ہے (السواج المندرجہ ص ۵۸) اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ
 تصریح فرمادی ہے کہ یبلغونی فرشتے مجھے صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں اور کلمہ فی جوہر متعظم کی
 ضمیر ہے ذات پر دلالت کرتا ہے (علم نحو کا قاعدہ ہے کہ ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے) اور آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نہ تو صرف جسد اطہر کا نام ہے اور نہ محض روح مبارک کا بلکہ دونوں کے
 مجموعہ کا نام ہے اگر صرف روح مبارک پر صلوٰۃ و سلام پیش کیا جاتا تو آپ فرمادیتے کہ میری روح پر اس کا
 عرض ہوتا ہے اور اگر محض بدن اطہر پر یہ عرض ہوتا تب صرف بدن اطہر کا ذکر فرمادیتے مگر آپ نے تو
 اپنی ذات اقدس کا تذکرہ فرمایا ہے جو روح و جہم دونوں کے مرکب کا نام ہے لہذا یہ روایت بھی آپ
 کی حیات کی دلیل ہے اس روایت سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ درود و راز سے جو لوگ درود و سلام
 پڑھتے ہیں وہ آپ تک بتوسط ملائکہ پہنچایا جاتا ہے آپ خود اس کی سماعت نہیں فرماتے جیسا کہ
 بعض جاہلوں کا خیال ہے۔ اس حدیث کی تشریح میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی فرماتے
 ہیں کہ اس حدیث سے تفصیل معلوم ہو گئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف ہی درود و سلام پہنچاتے
 جو کوئی دور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچائے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ
 و سلام عرض کریں تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو
 جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔ انتمہی بلفظہ (معارف الحدیث ج ۵ ص ۸)

حافظ ابوالشیخ اصہبانؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد الرحمن بن احمد الاعرجؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے الحسن بن الصباحؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو معاویہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ علامہ زہبیؒ کو حافظ اصہبان ہند زمانہ الامام اور صاحب المصنفات السائرة لکھنے میں اور فرماتے ہیں کہ کثرت علم وافر حافظہ کے ساتھ نیک اور دیندار بھی تھے اور محدث ابن مرویہؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور مامون تھے علامہ خلیل ان کو حافظ ثبت اور متقن کہتے ہیں حافظ ابو نعیم ان کو احمد الاعرج اور ثقہ کہتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۱۲۷ و ۱۲۸) حافظ ابن القیم ان کو حافظ لکھتے ہیں (اجتماع جیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ والجمیۃ ص ۹۵ طبع امرتسر) حافظ ابن حجر ان کو حافظ اور ثقہ لکھتے ہیں (لسان المیزان ج ۶ ص ۳۹۵) اے ان کا مکمل نام عبد الرحمن بن احمد بن یزید الدہری ہے کنیت ابوصالح اور لقب الاعرج ہے ۳۳ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصہبانی (المتوفی ۳۳۷ھ) نے تاریخ اصہبان (ج ۲ ص ۱۱۳ طبع لندن) میں ان کا تذکرہ کیا ہے ان سے علاوہ امام ابوالشیخ اصہبانی کے الغازی ابوالحسن محمد بن احمد بن ابراہیم بھی روایت کرتے ہیں (ملاحظہ ہو تاریخ اصہبان ج ۲ ص ۱۱۳)

ام ابوالحسن علی بن محمد بن عراقی الکفائی (المتوفی ۹۶۳ھ) لکھتے ہیں کہ

حدیث من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا وكل الله بهما ملكا يبلغني وكفى امر دنياه واخرته وكنت له شهيدا وشفيعا (خط) من حدیث ابی ہریرہؓ ولا یصح فیہ محمد بن مروان وهو السدی الصغیر وقال العقیلی لا اصل لهذا الحدیث (تعقب) بان الیہقی اخرجہ فی الشعب من هذا الطریق وقابح السدی عن العمش فیہ ابو معاویۃ اخرجہ

حدیث من صلی علیؐ یعنی جس نے میری قبر کے پاس درود شریف پڑھا تو میں خود سنا ہوں اور جس نے دُور سے پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے فرشتہ مقرر کیا ہے جو مجھے پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس دُنیا و آخرت کے کام لپسے کرتا ہے۔ اور میں اس کے حق میں گواہ اور شفیع ہوں گا۔ (خطیب بغدادیؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے) یہ حدیث حضرت ابوبہرہؓ سے مروی ہے اور صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں محمد بن مروان السدی الصغیر ہے اور امام عقیلیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں (عقیلیؒ کی اس بات پر گرفت کی گئی ہے کہ

ہیں کہ ہم سے اعمشؒ نے بیان کیا وہ ابو صالحؒ سے اور وہ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:-

من صلی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعد اعلمته (جلالہ الافہام لحافظ ابن القيمؒ ۱۹۰ وقال غریب جداً۔

جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اُسے خود ہوں اور جس نے مجھ پر درود سے درود شریف پڑھا تو وہ مجھے (بواسطہ فرشتوں کے) بتلایا جاتا ہے۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ)

ابو الشیخ فی الثواب قلت سندہ جید کما نقلہ السخاوی عن شیخہ المحافظ ابن حجر واللہ تعالیٰ اعلم ولہ شواہد من حدیث ابن مسعود وابن عباس والبیہقی ومن حدیث ابی بکر الصدیق اخبرہ الدیلمی ومن حدیث عمار اخبرہ القفیل من طریق علی بن القاسم الکندی وقال علی بن قاسم شیعی فیہ نظر ۱۰ یتابع علی حدیثہ انتہی

اہم بیہقیؒ نے شعب الایمان میں اس طریق سے احیٰ تخریج کی ہے اور ابو معاویہؒ اعمشؒ سے روایت کئے میں سدی کا متابع ہے اس کی تخریج امام البراشیخؒ نے کتاب الثواب میں کی ہے، میں کہتا ہوں کہ ابو الشیخؒ کی سند جید ہے۔ جیسا کہ علامہ سخاویؒ نے اپنے استاد حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ اعلم اور اس حدیث کے حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے شواہد موجود ہیں جن کی تخریج اہم بیہقیؒ نے کی ہے اور حضرت ابو بکرؓ، الصدیقؓ کی حدیث بھی شاہد ہے جس کی تخریج اہم دیلمیؒ نے کی ہے اور حضرت عمارؓ کی حدیث بھی اس کا شاہد ہے جس کی

تخریج علی بن القاسم الکندی کے طریق سے امام عقیلیؒ نے کی ہے اور کہتا ہے کہ یہ راوی شیعہ ہے اس میں کلام ہے اور اس کی حدیث کی متابعت نہیں کی گئی مگر لسان المیزان (۲۴۹) میں ہے کہ اہم ابن خبانؒ نے علی بن القاسمؒ کو ثقات میں لکھا ہے اور عبد الرحمن بن صالحؒ اور قبیصہ بن عقبہؒ اس کے

وفي لسان الميزان (۲۴۹)

ان ابن حبان ذکر علی بن القاسم فی الثقات وقد تابعہ، عبد الرحمن بن صالح و قبیصہ بن عقبہ اخبرہما الطبرانی۔

(تذکرۃ الشریعہ ۳۲۵ طبع مصر)

(باقی اگلے صفحے پر)

اس حدیث کے جملہ راوی ثقہ اور معروف ہیں اور محدثین کی خاصی جماعت اس حدیث کو صحیح مانتی اور کہتی ہے حافظ ابن حجر البوشیخ کی مذکور سند کے بارے میں فرماتے ہیں بسند جید (فتح الباری ج ۲ ص ۳۵۲) علامہ سخاوی فرماتے ہیں وسندہ جید (القول البدیع ص ۱۱۱) حضرت ملا علی القاری بھی اس کو بسند جید فرماتے ہیں (مروقات ص ۱۱۱) نواب صدیقی حسن خان بھی فرماتے ہیں اسنادہ جید (دلیل الطالب ص ۸۲) مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی بھی اس کو بسند جید فرماتے ہیں (فتح الملہم ص ۳۳) ان اکابر محدثین کے (جن میں حافظ ابن حجر خصوصیت قابل ذکر ہیں جن کی تقریباً تہذیب پر آج روایت کی توثیق و تضعیف کا مدار ہے) بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جید اور صحیح ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دو متابع موجود ہیں۔

غرضیکہ اہم البوشیخ کی سند سے یہ حدیث جید اور صحیح ہے اور حضرات محدثین کرام اس کو جید قرار دیتے ہیں اور اس کے کئی ثواب بھی بیان کرتے ہیں اور اس عبارت میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ جن حضرات کو یہ مغالطہ ہوا ہے کہ اس حدیث کے بیان کرنے میں صرف سدی صغیر ہی مفرد ہے ان کی رائے درست نہیں ہے کیونکہ ابو معاویہ جو حافظ اور الثبت ہیں اس کے متابع ہیں۔ اہم سیوطی بھی فرماتے ہیں کہ۔

ثم وجدت لمحمد بن مروان متابعاً على الاعمش اخيه ابو الشیخ في الثواب حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاعرج حدثنا الحسن بن الصباح حدثنا ابو معاوية عن الاعمش به الخ (اللائی المصنوعة في الاحادیث الموضوعة ص ۲۸۳)

پھر میں نے اعمش سے روایت کرنے میں محمد بن مروان کا متابع پایا ہے اور وہ ابو معاویہ سے اس کی تخریج اہم البوشیخ نے کتاب الثواب میں یوں کی ہے حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاعرج حدثنا الحسن بن الصباح حدثنا ابو معاوية عن الاعمش اور پھر یہ حدیث نقل کی۔

فی الاحادیث الموضوعة ص ۲۸۳

اس سے بھی صراحت یہ بات ثابت ہو گئی کہ حدیث کی صحت کا مدار ابو معاویہ پر ہے نہ کہ محمد بن مروان السدی الصغیر پر اور اسی سند کو حضرات محدثین کرام کا جم غفیر بسند جید سے تعبیر کرتا ہے اور اس حدیث کے مفہوم پر امت کا اتفاق و اجماع اور تاہنوز تعامل ہے

ان دونوں لفظوں میں کوئی خاص اصولی فرق نہیں ہے۔

چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ :-

ان ابن الصلاح بری النسبۃ بین الجید والصیح ولذا قال البلقینی بعد ان نقل ذلك من ذلك بعلم ان الجودة یعد بها عن الصحیح وفي جامع الترمذی فی الطب هذا حدیث جید حسن وكذا قال غیة لامغایرة بین جید وصیح عندهم الا ان الجہنم منہم لا یعدل عن صحیح الی جید

امام ابن الصلاحؒ جید اور صحیح کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور اس لیے بلقینیؒ نے یہ نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس معلوم ہوا کہ صحت کی تعبیر جو حدیث کی جاسکتی ہے اور ترمذیؒ نے البواب الطب میں ایک جگہ کہا ہے کہ یہ حدیث جید اور حسن ہے اور اسی طرح دوسروں نے بھی کہا ہے، محدثین کے نزدیک جید اور صحیح میں کوئی فرق نہیں ہے مگر ان میں سے جب بھی کوئی

اور حدیث یہ اللہ علی الجماعۃ بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ اور مشہور ہے کہ زبان خلق کو نقارہ

خدا سمجھو۔ اللہ تعالیٰ کا ہم پر خصوصی انعام و فضل ہے کہ -

روا الفت میں گو ہم پر بہت مشکل مقام آئے

نہ ہم منزل سے باز آئے نہ ہم نے راستہ بدلا

۳۔ علامہ بیہقیؒ ان کو الحافظ الامام اور علم السنۃ لکھتے ہیں (تذکرہ ج ۵ ص ۵) اور بخاری میں ان کی منفرد روایتیں ہیں (مثلاً ج ۳ ص ۴۶۶ و ج ۴ ص ۴۹۲ وغیرہ میں) جن لوگوں نے اس راوی کو مختلف فیہ قرار دے کر اس کو کمزور کرنے کی لا حاصل سعی کی ہے وہ اسماء الرجال سے بالکل بے خبر معلوم ہوتے ہیں کہ ابو معاویہؒ کا نام محمد بن قانمؒ ہے جو صحاح سنۃ کے مرکزی راوی ہیں علامہ بیہقیؒ ان کو الحافظ الثبت اور محدث الکوفہ لکھتے ہیں (تذکرہ ج ۲ ص ۲۴) امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ امام اعظمؒ سے روایت کرنے میں اثبت ہیں (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۳۸) علامہ بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ویضطرب فی غیر حدیث الاعمش (تذکرہ ج ۱ ص ۲۴) اعمشؒ کے علاوہ دوسرے روایت کرنے میں گڑبڑ کر جاتے ہیں۔

اور یہ روایت اعمشؒ کے طریق سے ہے مگر مدحیرت ہے کہ اب تو ایسے ثقہ اور ثبت راوی کو بھی مختلف فیہ بنایا جا رہا ہے فالی اللہ المشتکیؒ علامہ بیہقیؒ ان کو الحافظ الثقہ اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں (تذکرہ ج ۱ ص ۱۳۵) ان میں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

الانکته کان یرتقی الحدیث عندہ عن
الحسن لذاتہ ویتردد فی بلوغہ الصحیح
فالوصف بہ انزل رتبۃ من الوصف بصلح
وکذا القوی (تدریب الراوی ص ۲۸ طبع مصر)

ماہر بجائے صحیح کے جید کہے گا تو اس میں کوئی نکتہ نہ
مثلاً اس کے نزدیک وہ روایت حسن لذاتہ سے تو
اوپر ہوگی مگر اس کے صحیح کہنے میں تردد ہوگا اس لیے
بجائے صحیح اور قوی کے جید کا لفظ اس پر اطلاق کر کے
الغرض جید اور صحیح ایک ہوں یا جید صحیح سے نیچے اور حسن لذاتہ سے اوپر ہو جو محدثین کے
نزدیک اس کے حجت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔
اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابن الصلاح (المتوفی ۷۴۳ھ) کے نزدیک جید اور صحیح میں

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

تشیع تھا مگر کیا یہ اسی حدیث پر اثر انداز ہے یا صحاح ستہ کی تمام روایات پر بھی جن کو امت مسلمہ صحیح سمجھتی ہے، ان کا نام
سیمان بن مران تھا جلیل القدر محدث اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں مؤلف امانۃ الیرمان نے اس پر خاصہ زور
صرف کیا ہے کہ یہ مدلس ہیں اور بغیر تصریح سماع کے ان کی حدیث قابل احتجاج نہیں (محصلاً ص ۲۲) اور یہی غرض
ندائے خنی ص ۱۹۲ میں ہے) مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ امام اعظمؒ ان مدلسین میں شامل ہیں جن کی تدیس مطلقاً مضر
نہیں ہے (دیکھئے توجیہ النظر ص ۲۵) لے ابو صالح کا نام ذکوان اور لقب السمان الزبایہ ہے صحاح ستہ کے مرکزی راوی
ہیں علامہ ہی ان کو حفاظ محدثین میں لکھتے ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ثقۃ ثقۃ من اجل الناس
واوثقہم (تذکرہ جلد ۵ ص ۸) یعنی وہ ڈل ثقہ اور جلیل القدر اور ثقہ تر لوگوں میں سے تھے، امام ابن مینؒ ان کو ثقہ
اور ابو حاتمؒ ان کو ثقہ اور صالح الحدیث کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث احتجاج کیا جاتا ہے امام ابو زرہؒ ان کو
ثقہ اور مستقیم الحدیث کہتے ہیں علامہ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے امام ساجیؒ ان کو ثقہ اور صدق

کہتے ہیں امام حربیؒ اور ابن جبارؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور امام محلیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (تہذیب
التہذیب ج ۲ ص ۲۱۹) نوٹ ضروری :- یہ راوی نہ تو ابو صالح مولی التوامہ ہے جس کا نام نہان ہے اور نہ
یہ ابو صالح مولی ام ثنی ہے جس کا نام باذام یا باذان ہے جن پر کچھ کلام بھی ہے اور امام اعظمؒ کی ان سے روایت منقطع
بھی ہے یہ راوی بلا شک اور بلا شبہ ابو صالح ذکوان السمان ہے۔ البتہ خواہ مخواہ کی سبب ضروری کا کوئی علاج
نہیں ہے اور ابو معاویہ عن الامام عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ بخاری کی سند ہے (مثلاً ملاحظہ ہو
ج ۲ ص ۴۵ وغیرہ) امام بیہقیؒ وغیرہ نے جس ابو صالح پر کلام کیا ہے وہ یہ ہرگز نہیں ہے اس کی کڑی اس سے
ملا کر اس روایت کو ضعیف قرار دینا اسما الرجال کا خون کرنا ہے۔

کوئی فرق نہیں ہے ان کے نزدیک یہ دونوں ایک ہیں اور اس نظریہ میں دیگر محدثین کو کرام بھی ان کے ہمنوا ہیں جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے اور خود امام ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ

ومثی قالوا هذا حدیث صحیحہ فمعناہ
انہ افضل سندہ مع سائر الاوصاف
المذكورة الخ (مقدمة ابن الصلاح)
جب محدثین یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے
تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند افضل
ہے مع مذکور اوصاف کے جو صحت کے لیے
ضروری ہیں۔

اور جو حضرات صحیح اور مجید میں فرق ملحوظ رکھتے ہیں اور اس کے لیے نکتہ بیان کرتے ہیں تو
وہ بھی مجید کو حسن لذاتہ سے اونچا مقام دیتے ہیں اور جمہور محدثین کو کرام کے نزدیک حدیث حسن بھی
جنت اور قابل استدلال ہے اگر بالفرض اس میں کچھ معمولی سا ضعف اور کمی بھی ہو تو اہل سنت
کے اجماع اور اس پر تعامل سے وہ ضعف بھی رفع ہو جاتا ہے اور اس حدیث کے قابل احتجاج
ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ علامہ طاہر بن صالح الحجازی حاکم ابن خرم الظاہری کے حوالہ سے
لکھتے ہیں کہ:-

اذا وجد حدیث مرسل او فی احدنا قلیہ
ضعف فوجدنا ذلک الحدیث مجمعا
علی اخذہ والقول بہ علمنا یقینا انہ
حدیث صحیح لا شک فیہ اھ

(توجیہ النظر ص ۵) (اصول الاثر طبع مصر)
اور اس پیش کردہ حدیث کا مقام بھی یہی ہے حضرات صحابہ کو کرام سے لے کر آج تک کوئی شخص
اہل سنت و الجماعت میں ایسا نہیں گذرا جو یہ کہتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عند القبر صلوة و
سلام کا سماع نہیں فرماتے تمام اہل سنت و الجماعت کا آپ کے سماع عند القبر پر اتفاق ہے
کوئی اس کا مخالف نہیں گذرا اور کتب اہل اسلام میں اس کے خلاف ایک بھی صریح حوالہ موجود
نہیں ہے من ادعی خلافہ فعلیہ البیان

اعتراض :-

ممکن ہے کوئی صاحب یہ کہہ دیں کہ حافظ ابن القیمؒ نے اس روایت کو غریب جداً کہا ہے تو پھر اس سے احتجاج واستدلال کیسا؟ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ غریب حدیثیں مستلکھا کر دے کیونکہ وہ منکر ہوتی ہیں اور اکثر ضعیف اولوں سے مروی ہوتی ہیں اور امام مالکؒ فرماتے ہیں شد العلم الغریب کہ بڑا علم غریب حدیثوں کا ہونا ہے اور امام عبد الرزاقؒ فرماتے ہیں کہ ہم غریب الحدیث کو بہتر سمجھتے تھے مگر وہ بدتر نکلی اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص غریب الحدیث طلب کرتا ہے تو وہ جھوٹ کا مرکب ہے (محصلہ تدریب الراوی ص ۳ طبع مصر)

الجواب :- یہاں دو باتیں ہیں ایک فن غریب الحدیث اور دوسری کسی حدیث کا غریب ہونا اور محدثین کرامؒ کے نزدیک ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ایک متن حدیث سے متعلق ہے اور دوسری بالعموم سند سے امام ابن الصلاح بتنیسویں نوع میں معرفت غریب الحدیث کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

وهو عبارة عما وقع في متون الاحاديث من الالفاظ الغامضة البعيدة من الفهم لقلتنا استعمالها هذا فن مهم بقبح جهلة باهل الحديث خاصة ثم باهل العلوم عامة والخوض فيها ليس بالهين الخ (مقدمة ابن الصلاح ص ۲۲۵)

اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ :-

غریب الحدیث هو ما وقع في متن الحديث من لفظة غامضة بعيدة من الفهم لقلتنا استعمالها وهو فن مهم الخوض فيه صعب فليتنحز خائضه الخ (تقریب التوای مع تدریب الراوی ص ۳ طبع مصر)

غریب الحدیث اس کو کہتے ہیں کہ متن حدیث میں کوئی مشکل اور بعید از فہم لفظ واقع ہو کیونکہ اس کا استعمال کم ہوا ہے اور یہ ہم فن ہے اور اس میں خوض اور غفلت دینا بہت مشکل ہے سو اس میں خوض کرنے والے کو محنت اور کوشش کرنی چاہیے۔

چونکہ یہ فن بڑا مشکل ہے اور ہر کدہہ کی اس نکتہ سائی نہیں ہو سکتی اس لیے حضرت امام مالکؒ
 امام عبدالرزاقؒ اور امام ابو یوسفؒ وغیرہ نے اس میں دخل دینے سے منع کیا ہے تاکہ نااہل لوگ اس میں
 دخل دینے پر جری نہ ہو جائیں اور ایسے غریب اور مشکل الفاظ صحیح حدیثوں میں بھی اکثر آجاتے ہیں اس
 کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس حدیث پر لفظ غریب بولا گیا وہ صحت کے معیار ہی سے گر گئی اور ضعیف
 ہو گئی جیسا کہ نہایت ہی سطحی قسم کے لوگوں نے سو فہم سے یہ سمجھ رکھا ہے اور من صلی عند قادی
 الحدیث اس معنی میں غریب نہیں ہے کیونکہ اس کے متن میں کوئی ایسا لفظ واقع نہیں جو بعید از
 فہم اور مشکل ہو پھر اس حدیث کو غریب الحدیث کی مد میں لے جانا اور پھر اس کو ضعیف قرار دینا اہل
 علم کی شان سے بالکل بعید ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یا البتہ حضرت امام احمدؒ بن
 حنبلؒ نے جن غرائب کا ذکر کیا ہے وہ ایسی غریب حدیثیں ہیں جن کی سند میں کوئی راوی منفرد ہو اور
 ایسی احادیث کے لکھنے سے انہوں نے منع فرمایا ہے اور وجہ یہ بیان کی کہ وہ اکثر ضعیف راویوں
 سے مروی ہوتی ہیں اور منکر ہوتی ہیں اکثر غرائب بڑے شوق سے مناکیر اور ضعفاء سے مروی ہوں
 یہ دعویٰ ہم نے کب کیا ہے کہ ہر غریب حدیث صحیح ہوتی ہے اور امام احمدؒ بن حنبلؒ نے بھی یہ دعویٰ
 کب کیا ہے کہ تمام غرائب منکر اور ضعیف ہوتی ہیں ان کا دعویٰ بھی تو یہی ہے کہ ان میں اکثر
 ضعیف ہوتی ہیں ہاں ان میں صحیح بھی ہیں اور لفظ عام تھا اس کا واضح قرینہ ہے۔
 امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ:-

ثم ان الغریب ینقسم الی صحیح کالافراد
 المخرجة فی الصحیح والی غیر صحیح وذلک هو
 الغالب علی الغرائب (مقدمہ ۲۴۴)
 پھر غریب کی دو قسمیں ہیں ایک صحیح جیسے ان منفرد
 راویوں کی حدیثیں جن کی صحیح میں تخریج کی گئی ہے اور
 دوسری غیر صحیح اور غرائب پر یہی غالب ہے۔

اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ تمام غرائب غیر صحیح نہیں ہیں بلکہ ان میں صحیح بھی ہیں اور
 امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ:-

وینقسم الی صحیح وغیرہ وهو الغالب
 (تقریب النواوی ص ۳۷)
 کہ غریب کی دو قسمیں ہیں ایک صحیح اور دوسری غیر
 صحیح اور غالب یہی ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ غریب حدیثیں صحیح بھی ہوتی ہیں اور امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ

بخاری کی پہلی حدیث انما الاعمال بالنیات غریب ہے فان اسنادہ منتصف بالغایۃ الخ (مقدمہ ابن الصلاح ۲۲۵) اس کی سند غرابت سے منتصف ہے۔

تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ ضعیف ہے؟ اور بخاری اور مسلم میں متعدد روایتیں اس لحاظ سے غریب ہیں کہ ان میں کہیں راوی منفرد ہوتا ہے مگر ہیں وہ صحیح اور ترمذی شریف میں متعدد مقامات پر آتا ہے ہذا حدیث حسن غریب حسن صحیح غریب (مزید تشریح شرح نختہ الفکر ص ۳۵ اور توجیہ النظر ص ۱۶ وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں) اگر غرابت صحت کے منافی ہوتی تو یہ حسن اور صحیح کے ساتھ کیسے جمع ہو گئی؟ محض غریب غریب کہہ کر پوری اُمت مسلمہ کی مخالفت کر کے اس جید اور صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینا کوئی دینی اور علمی خدمت نہیں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ:-

ان الغرایۃ لا تنافی الصحۃ ویجوز ان یکون
الحديث صحیحاً غریباً (مقدمہ مشکوٰۃ ص ۱۸۷)
بلا شک غرابت صحت کے منافی نہیں ہے اور
جائز ہے کہ حدیث صحیح غریب ہو۔
طبع اصم المطابع دہلی)

اور مؤلف ندائے حق ص ۱۸۷ میں لکھتے ہیں کہ اور نوری وحدت راوی مضر نہیں اور نہ بخرج ہے وحدۃ الراوی لیس بخرج عندنا (فوائد الرحمۃ ج ۳ ص ۲۳۵)
الغرض اس روایت پر اصول حدیث کے رُوسے کوئی ایسا اعتراض وارد نہیں ہو
جو اس کی صحت اور اس کے قابل احتجاج ہونے پر اثر انداز ہو یہی وجہ ہے کہ ہزاری اُمت
اس کے مفہوم پر متفق ہے۔

نوٹ ضروری:- اسی مضمون کی روایت حضرت ابو ہریرۃؓ سے امام بیہقی وغیرہ نے روایت کی ہے لیکن اس کی سند میں محمد بن مروان السدی الصغیر ہے جو ضعیف لیس بشئ غیثتہ
کذاب ذاہب الحدیث، متروک الحدیث اور وضاع ہے (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۶ وغیرہ) اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:-

ففی اسنادہ نظر تفرّد بہ محمد بن مروان اس کی سند میں کلام ہے کیونکہ اس میں محمد بن

السدي الصغير وهو متروك الخ (تفسير ابن مروان السدي الصغير متفرد ہے اور وہ متروک ہے کتبہ ۵۱۵)

لیکن جمہور اہل سنت والجماعت کا استدلال ابوالشیخ کی سند سے ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے اور جس کو حافظ ابن حجر اور امام السخاوی وغیرہ محدثین بسندِ جید فرماتے ہیں جمہور کا مستند سنی دلی روایت سے نہیں ہے اس لیے اہل علم اور دیانت دار آدمی کا ہرگز یہ کام نہیں کہ غلط مبحث کے اور ایسے صریح فرق کو نظر انداز کر دے۔

فتی کوتاہ فہمی

بسا اذقات محدثین کلام فتی طور پر بعض اسانید پر کلام کرتے ہیں لیکن ان کے متون جو مسائل اور احکام ثابت ہوتے ہیں وہ کثرت شواہد اور تعامل امت اور اس کی تلقی بالقبول کی وجہ سے ان کو معمول بہ قرار دیتے ہیں اسی طرح حدیث من صلی علی عند قبوی الحدیث (کی اس سند پر جس میں محمد بن مروان السدی ہے مگر ہمارا استدلال اس سے نہیں ہے ہمارا مستند تو ابوالشیخ کی سند ہے) پر فتی اور روایتی لحاظ سے بعض اکابر علماء نے کلام کیا ہے لیکن باوجود دیگر احادیث کی تائید اور امت کے تعامل سے وہ اس سے ثابت حکم کو معمول بہ قرار دیتے ہیں چنانچہ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ :-

وقد روی ابن ابی شیبۃ والدا دقطنی عنہ۔
من صلی علی عند قبوی سمعته ومن
صلی علی ثنائیا بلغتہ فی اسنادہ لہن
لکن لہ شواہد ثابتہ فان ابلاغ الصلوۃ
والسلام علیہ من البعد قد رواہ اہل
السنن من غیر وجہ الخ

ابن ابی شیبہ اور دقطنی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر میری قبر کے پاس (صلوٰۃ و سلام کہا تو میں خود سنا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا تو وہ مجھے پہنچایا جانا ہے اس کی سند کفر ہے لیکن اس کے کئی شواہد ثابت ہیں کیونکہ دور سے آپ کو صلوٰۃ و سلام

لے مانا نامہ تعلیم القرآن ص ۲۸ اکتوبر ۱۹۶۷ء میں ہے اس حدیث کی جو سند سدی صغیر پر مشتمل ہے اس کو بوجہ ادوی مذکور کے کمزور کہا جائے گا اور جس سند میں یہ ادوی نہیں ہے وہ کمزور نہیں ہے اور حدیث مذکور دوسری سند بھی ہے جس کے صحیح ہونے کی تصریح کرتے ہیں چنانچہ بلا علی النعمانی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں قال میولہ فقد لا عن الثبیغ و رواہ ابوالشیخ وابن حبان فی کتاب ثواب الایمان بسند جید۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳ ط ۳ و طبع جدید ج ۲ ص ۱۱)

حافظ ابن تیمیہؒ علمی طور پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سند کے لحاظ سے اگرچہ یہ روایت کمزور ہے لیکن اپنے شواہد کی نائید سے یہ روایت قابل اعتبار و عمل ہے اور علامہ ابن الہادیؒ لکھتے ہیں کہ

فاما ذلک الحدیث وان كان معناه صحيحاً
فاستاده لا يجتنبه وانما يثبت معناه
باحاديث اخر فانه لا يعرف الا من
حديث محمد بن مروان السدي الصغير
عن الاعمش كما ظنه البيهقي وما ظنه
في هذا هو متفق عليه عند اهل المعرفة
وهو عند هو موضوع على الاعمش الخ
(الصارم المنكي ص ۱۳)

بہر حال یہ حدیث اگرچہ اس کا معنی صحیح ہے لیکن اس کی سند قابل احتجاج نہیں ہے البتہ اس کا معنی دوسری احادیث کی روشنی میں ثابت ہے یہ روایت اعمشؒ سے محمد بن مروان السدی الصغیر کے طریق ہی ہے معروف ہے جیسا کہ بیہقیؒ نے خیال کیا ہے اور ان کا خیال اس فن کی معرفت رکھنے والوں کے ہاں اتفاقی امر ہے اور یہ ان کے نزدیک (بطریق محمد بن مروان اعمشؒ) پر موضوع ہے۔

اور نیز لکھتے ہیں کہ یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر موضوع ہے نہ تو یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کی اور نہ ابو صالحؒ اور اعمشؒ نے اور محمد بن مروان السدی متہم بالکذب والوضع ہے اور نیز فرماتے ہیں کہ بعض نے یہ روایت ابو معاویہؒ عن الاعمشؒ کے طریق سے بیان کی ہے اور یہ کلی غلطی ہے اس حدیث میں محمد بن مروان ہی متفقہ ہے اور وہ متروک الحدیث اور متہم بالکذب ہے۔ ملاحظہ کیجئے کہ علامہ ابن عبد الہادیؒ نے اس روایت کو سند کے لحاظ سے گرانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور محمد بن مروان عن الاعمشؒ کے طریق کو موضوع تک کہتے ہیں (اور اسی ادھوری بات کو مؤلف ندائے حق نے پتے باندھ رکھا ہے) لیکن دوسری احادیث کی روشنی میں وہ اس کے معنی اور مدلول کو صحیح کہتے ہیں اور اس کا معنی صحیح تسلیم کرتے ہوئے وہ خود لکھتے ہیں کہ

وهو صلى الله تعالى عليه وسلم بسمع
السلام من القبر وتبلغه الملائكة

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر کے پاس سے
سلام خود سنتے ہیں اور دور سے فرشتے آپ

کو صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں۔

الصلوٰۃ والسلام من البعد

(الصارم المنکی ص ۲۸۲)

اور تصریح فرماتے ہیں کہ آپ صرف عند القبر صلوٰۃ و سلام سننے ہی نہیں بلکہ جواب بھی دیتے ہیں چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

واما من صلی علیہ عند قبرہ فانه یرد علیہ (الصارم المنکی ص ۱۶۵)

اور نیز لکھتے ہیں کہ

واما من سلم علیہ عند قبرہ فانه یرد علیہ و ذلک کالسلام علی سائر المؤمنین لیس ہو من خصائصہ الخ

(الصارم المنکی ص ۱۳)

بہر حال جس نے آپ پر عند القبر سلام کہا تو آپ اس کا جواب دیتے ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سب مومن سلام کا جواب دیتے ہیں یہ صرف آپ ہی کی خصوصیت نہیں ہے۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ موصوف فقی طور پر اس حدیث کی سند پر کلام کرنے کے باوجود اصل مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کرتے اور عند القبر آپ کے صلوٰۃ و سلام سننے اور جواب دینے کے وہ اسی طرح قائل ہیں جیسے دیگر علماء ملت قاضی شوکانیؒ ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ

ثم حکم ابن عبد البر مع ذلک بصحتہ لتلقی العلماء لہ بالقبول فردہ من حیث الاسناد وقبلہ من حیث المعنی الخ

(انیل الاوطار ج ۲ ص ۲۸۲)

پھر باوجود اس کے ابن عبد البرؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ علماء نے اس کو قبول کیا ہے سوا ابن عبد البرؒ نے اس روایت کو سند کے لحاظ سے رد کیا ہے اور محلی کے لحاظ سے قبول کیا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی ضعیف حدیث کے شواہد موجود ہوں یا علماء امت نے

اس کو قبول کر کے اس پر تعامل کیا ہو تو وہ حدیث باوجود کمزور ہونے کے قابل عمل ہوتی ہے حافظ ابن قیمؒ اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کی اس سلسلہ میں بعض عبارتیں ہم نے سماع المونی میں عرض کر دی ہیں ان کو وہیں ملاحظہ فرمالیں اس بحث کو پیش نظر رکھنے کے

بعد مؤلف ندائے خن کا ص ۱۳ میں یہ لکھنا کہ پھر اجلہ محدثین کا اس حدیث کی سند پر جرح کرنا ہی دلیل ہے اس حدیث کے غیر معمول بہ ہونے کے الخ سراسر مردود ہے اور بالکل قابل التفات ہی نہیں ہے۔

فائدہ علامہ ابن عبدہادیؒ کی تحقیق میں یہ روایت صرف محمد بن مروان عن الأعمش کی سند ہی سے معروف ہے اور بقول ان کے یہ سند موضوع بھی ہے لیکن بایں ہمہ وہ اس کے معنی کو صحیح کہتے ہیں جیسا کہ آپ نے خود انہی کی عبارات سے یہ حقیقت ملاحظہ کر لی ہے برخلاف اس کے ہمارا اور جمہور کا مسندل ہرگز یہ سند نہیں ہے بلکہ ہمارا استدلال ابوایحٰیؒ کی سند سے ہے۔ مؤلف ندائے خن نے ص ۱۸ تا ص ۱۹ تک بلاوجہ محض تنک بندی سے اور پٹواریوں کی طرح نقشبہ نویسی سے اس کو ناقابل اعتبار بنانے کی بے جاسعی کی ہے مگر اس سے کیا حاصل؟ ابوایحٰیؒ کی سند اصول حدیث کے رو سے جید ہے اور امت مرحومہ کے تعامل کی وجہ سے معمول بہ ہے لاریب فیہ اگر علامہ ابن عبدہادیؒ کو اس سند کا علم نہیں تو کیا مضائقہ ہے انہی کے استاد بھائی۔ وسیع النظر محقق عالم حافظ ابن القیمؒ اور حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانیؒ اور امام سخاویؒ وغیرہ کو (جو علم حدیث میں مسلم شخصیتیں ہیں) اس کا علم ہے اور اصول حدیث کا مستند ہے (من عرف حجة علی من لم یعرف)

الغرض علامہ ابن عبدہادیؒ کے محمد بن مروان عن الأعمش کے طریق پر کلام کرنے بلکہ اسے موضوع کہنے سے ابوایحٰیؒ کی سند پر قطعاً کوئی زد نہیں پڑتی جیسا کہ اہل علم اور ارباب انصاف پر یہ ظاہر ہے۔ خود علامہ ابن عبدہادیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ

والعلماء المتنازعون كل منهم يحتج
بدلیل شرعی ویکون عند بعضهم من
العلم ما ليس عند الآخر فان العلماء ورثة
الانبياء قال الله تعالى وداود وسليمان
اذ يحكمان في الحوت اذ نفسنت فيه
عنه القوم وكنّا لحكمهم شاهدين
اور علماء جو آپس میں اختلاف کرتے ہیں ان میں ہر
ایک شرعی دلیل سے احتجاج کرتا ہے۔ کیونکہ بعض کے
پاس وہ علم ہوتا ہے جو دوسرے کے پاس نہیں ہوتا بلکہ
علماء حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے
وارث ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے داود و سليمان
نے کھیتی کے بارے میں جس وقت فیصلہ کیا جب رات کے

فَقَهْمُنَا مُكَيِّمَانِ وَكُلًّا أَتَيْنَا
حُكْمًا وَعِلْمًا (طہ ۲۷)

وقت اس میں قوم کی بکریاں جا پڑیں اور ہم ان کے
فیصلہ پر گواہ تھے اور ہم نے فیصلہ کی بات سلیمان کو
سمجھا دی اور ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم دیا۔

علامہ ابن عبد البر بادنی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک چیز کا علم تھا
اور حضرت داؤد علیہ السلام کو نہ تھا اور علماء حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث
ہیں اور ان کے علم کا بھی یہی حال ہے۔

ساتویں دلیل

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ

میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
سے سنا آپؐ نے فرمایا کہ اُس ذات کی قسم ہے
جس کے قبضہ میں ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی جان ہے البتہ ضرور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام
نازل ہوں گے امام منصف اور حاکم عادل ہو کر سوالبتہ
ضرور صلیب توڑیں گے اور البتہ خنزیر کو قتل کریں گے
اور البتہ ضرور لوگوں کے آپس کے معاملات درست
کریں گے اور البتہ ضرور مال پیش کریں گے تو
کوئی اس کو نہ لے گا۔ پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے
ہو کر کہیں گے اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)
تو میں ضرور ان کو جواب دوں گا۔ یہ روایت اختصار
کے ساتھ صحیح (بخاری ص ۴۹) میں ہے اس کو
محدث ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کے
تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

سمعت رسول الله صلى الله تعالى
عليه وسلم يقول والذي نفس
الي القاسم بيده لي نزلن
عيسى بن مريم اماماً مقسطاً
وحكماً عادلاً فيكسرن الصليب
ويقتلن الخنزير وليصلحن
ذات البين وليذهبن الشقاء
وليعرضن المال فلا يقبله احدن
لئن قام على قبري فقتال يا محمد
لا حجة قلت هو في الصحيح
(بخاری ص ۴۹) باختصار رواه ابو یعلی
ورجاله رجال الصحيح
(مجمع الزوائد ص ۲۱۱)

واضح بات ہے کہ صحیح بخاری میں کوئی ایسا راوی نہیں جو ضعیف ہو اور اس کی حدیث

صحیح اور حجت نہ ہو، ضرورت تو نہیں مگر صرف بطور شاہد کے حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک اور روایت بھی ملاحظہ کر لیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

یہ ہبطن عیسیٰ بن مریم و حکما و اماما مقسطا و البتہ ضرور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام نازل ہونگے مصطفیٰ اور امام عادل ہو کر اور البتہ وہ ضرور فوج (جگہ کا نام ہے) کے راستے پر حج یا عمرہ کے لیے جائیں گے اور بلاشبہ وہ میری قبر پر آئیں گے حتیٰ کہ وہ مجھے سلام کہیں گے اور بلاشک میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔

اور یہ روایت مستدرک ۵۹۵ اور الدر المنثور ۲۴۵ میں بھی ہے۔ قال الحاکم و الذہبی صحیح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت قبر مبارک میں جواب ہے وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت بھی ہوگی بالفاظ دیگر اس وقت آپ کی قبر مبارک میں آپ پر کوئی نئی حالت طاری نہیں ہوگی جو مثلاً اب نہیں ہے اور اس تفریق پر کوئی شرعی دلیل بھی قائم نہیں ہے سو اگر اس وقت آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سلام نہیں گئے اور اس کا جواب دیں گے تو اس وقت بھی ممکن بلکہ واقع ہے اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ عرض سلام اور اس کا جواب آپ کی ذات گرامی سے وابستہ ہے جو جسم مع الروح کا نام ہے نہ صرف جسم سے اور نہ تنہا روح سے۔ اس صحیح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ عند القبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صلوٰۃ و سلام کا سماع متحقق ہے اور آپ کا جواب دینا بھی ثابت ہے اور اس کا انکار صحیح حدیث کا انکار ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

تمام اہل اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا ہے اور قریب قیامت وہ آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے، دجال یعین کو قتل کریں گے اور یہود و دیگر کفار سے جہاد کریں گے اور زمین پر قرآن و حدیث کی حکومت جاری فرمائیں گے حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیں تو وہ اپنے صحابہ کی طرف نکلتے تھے (تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۵۷) اور اس کی

صحیح ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۵۷۵) اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری کیسی (اچھی) حالت ہوگی جب کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام تم میں آسمان سے نازل ہوں گے (کتاب الاسماء والذوات ص ۳۰، للبیہقی طبع الدار اباد) اور من السماء کے الفاظ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۴۹ اور کنز العمال ج ۲۶ ص ۲۶۸ اور منتخب کنزیر حاشیہ مسند احمد ج ۵ ص ۵۶ میں بھی موجود ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد زمین میں چالیس سال رہیں گے (ابو داؤد طیالسی ج ۳ ص ۳۳۱ مستدرک ج ۳ ص ۳۵)

امام ابن عطیہؒ فرماتے ہیں کہ امت مسلمہ کا اس امر پر اجماع ہے جس کی بنیاد متواتر احادیث پر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور آخر زمانہ میں نازل ہوں گے (تفسیر مجر محیط ج ۲ ص ۲۷۳) امام ابو الحسن اشعریؒ فرماتے ہیں کہ امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا ہے (کتاب الابانہ عن اصول الدیانہ ص ۲۶ طبع حیدرآباد دکن) امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور ان کی نبوت کی نفی کفر ہے (المحادی للفتاویٰ ج ۱ ص ۱۶) حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر احادیث (تقریباً نو صحابہ کرام کی روایتوں کا حوالہ بھی دیا ہے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ وہ شام میں دمشق کے اندر سفید مشرقی مینار پر صبح کی نماز کے وقت نازل ہوں گے (محصلہ تفسیر ج ۵ ص ۵۸۲) نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخر زمانہ میں نازل ہونا متواتر احادیث سے ثابت ہے (فتح البیان ج ۳ ص ۳۲)

علامہ ابن خرم فرماتے ہیں کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر کسی اور نبی کے آنے کا قائل ہو تو اس کے کفر میں دو آدمیوں نے بھی شک نہیں کیا کیونکہ ان میں سے ہر ایک امر میں سب پر حجت قائم ہو چکی ہے (الملل والنحل ج ۳ ص ۱۳۹)

الغرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع اور پھر نزول 'تواتر اور قطعیت سے ثابت ہے جو اس کا انکار یا تاویل کرے وہ کافر ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا فیصلہ

مسلمانوں کے جملہ فرقے خواہ وہ کسی بھی مکتب فکر سے تعلق ہیں اس بات پر متفق ہیں اور ان کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں اور قیامت سے قبل ضرور نازل ہوں گے اور اس بات کو مرزا قادیانی بھی ماننے پر مجبور ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ مسیح بن مریم کے آنے کی پیشگوئی ایک اقل درجہ کی پیشگوئی ہے جس کو سب نے اتفاق قبول کر لیا ہے تواتر کا اول درجہ اس کو حائل ہے (ازالہ اوہام ص ۵۵) اور نیز لکھا ہے کہ مثلاً صحیح مسلم کی حدیث میں یہ لفظ موجود ہے کہ حضرت مسیح جب آسمان سے اتریں گے تو ان کا لباس زرد رنگ کا ہوگا (ازالہ اوہام ص ۹۲) الحاصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد اور آسمان سے نزول کا افراز قادیانی دجال کو بھی ہے۔

باب ہفتم

عند القبر سماع کے بارے میں علماء اسلام کا نظریہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عند القبر صلوٰۃ و سلام کے سماع کے بارے میں متعذروں کے حوالے پہلے عرض کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے اعادہ کی حاجت نہیں ہے جو حوالے پہلے مذکور نہیں ہیں ان میں سے بعض کا بیان سن لیجئے۔

علامہ مناویؒ حدیث من صلی علی الحدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا تو میں خود سنا ہوں اور جس نے دُور سے پڑھا تو میرے پاس وہ پہنچایا جاتا ہے یعنی کسی فرشتہ کے ذریعہ مجھے اس کی خبر دی جاتی ہے اور یہ اس لیے کہ آپ کی روح مبارک کا آپ کے بدن شریف سے تعلق ہے اور زمین پر پیغمبروں کے جسم حرام کر دیئے گئے ہیں۔

من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ای بعیدا ابلاغتہ ای اخبرت بہ من احد من الملائکۃ و ذلالتکان لروحہ تعلقا بمقربہ و الشریف و محرام علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء اھ

(فیض القدیر ج ۱ ص ۱ طبع مصر)

اور کھ و بیش بھی عبارت اس مقام پر علامہ عزیزیؒ کی ہے (السراج المنیر ج ۳ ص ۳) علامہ مناویؒ کو اس مقام پر ایک صریح مغالطہ ہوا ہے وہ یہ کہ ان کو ابوالشیخ رحمہ کی سند کلام نہیں ہے اور سدی کی سند کے پیش نظر انہوں نے اس پر کلام کیا ہے سدی واقعی نامعتبر ہے

لیکن مدارالشیخ کی سند پر ہے۔ کما جرت مفصلاً اور حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ

من صلی علی عند قبری سمعتہ ای سماعاً حقیقیاً بلا واسطۃ (مرقات ج ۱ ص ۱۰ و نحوہ فی شرح الشفاء ج ۱ ص ۱۵)

جس شخص نے مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں خود اس کو سنتا ہوں یعنی حقیقی طور پر فرشتوں کے توسط کے بغیر میں خود سنتا ہوں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ سماع صلوٰۃ و سلام کا مسئلہ کوئی کنایہ یا رمز نہیں بلکہ حقیقی سماع پر محمول ہے۔ حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورخشتویؒ (المتوفی ۱۳۸۹ھ) اپنے حاشیہ مشکوٰۃ ص ۹۳ میں سمعتہ کی شرح میں لکھتے ہیں سماعاً حقیقیاً بلا واسطۃ اور لفظ نائماً کی شرح میں لکھتے ہیں ای بعیداً۔

علامہ السید احمد طحاوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۳۳ھ) لکھتے ہیں کہ :-

فانہ یسمعوا ای اذا كانت بالترتیب منہ صلی اللہ علیہ وسلم ونبلیغ الیہ ای یبلغھا الملک الیہ اذا کان المصلی بعیداً۔ (طحاوی ص ۱۵ طبع مصر)

بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود شریف سنتے ہیں جب کہ آپ کے قریب پڑھا جائے اور فرشتہ آپ کو پہنچاتا ہے جب کہ درود پڑھنے والا دور سے پڑھتا ہو۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول پر صراحت سے دلالت کرتی ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ و سلام پڑھا جائے تو آپ بنفس نفیس خود سنتے ہیں اور دور سے پہنچایا جاتا ہے۔

علامہ شہاب الدین احمد الخفاجیؒ (المتوفی ۸۹۹ھ) دعاء کا لفظ استعمال کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ

لانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حی فی قبرہ یسمع دعاء ناشرۃ الخ (نسیم الدیاض ج ۳ ص ۳۹۸)

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اپنے زیارت کرنے والے کی دعا سنتے ہیں۔

لیٹا ہر دعا کے عام لفظ سے صلوٰۃ و سلام کے علاوہ دعا متبادر ہے۔

قلب رشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) لکھتے ہیں کہ :-

استعانت کے تین معنی ہیں، ایک یہ کہ حق تعالیٰ سے دعا کرے کہ بھرت فلاں میرا کام کر دے یہ بالفاق جائز ہے خواہ عند القبر ہو خواہ دوسری جگہ اس میں کسی کو کلام نہیں دوسرے یہ کہ صاحب قبر سے کہے کہ تم میرا کام کر دو یہ شرک ہے خواہ قبر کے پاس کہے خواہ قبر سے دور کہے اور بعض روایات میں جو آیا ہے اَعِيْنُوْنِي عِبَادَ اللّٰهِ تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلبِ اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے تو وہ اس باب سے نہیں ہے اس سے حجتِ جواز پر لانا جہل ہے معنی حدیث سے تفسیر ہے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ لے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے اس میں علماء کا اختلاف ہے مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مُقَرَّر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارتِ قبر مبارک کے شفاعتِ مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی دلیل ہے اھ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۹ ص ۹۹ طبع جید برقی پریس دہلی) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

اور تفصیل یہ ہے کہ استسنادِ تین قسم ہے ایک یہ کہ اہل قبور سے مدد چاہے اس کو سب فقہاء نے ناجائز لکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ کہے لے فلاں خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ فلاں کام میرا پورا ہو جائے یہ منیٰ اور مسئلہ سماع کے ہے جو سماع موتی کے قائل ہیں ان کے نزدیک درست دوسروں کے نزدیک ناجائز اسی کو شیخ (عبدالحق محدث دہلوی) نے لکھا ہے کہ وان الاستسناد باهل القبور الى قوله فقد انكره كبر من الفقهاء الخ انبياء وعلیہم السلام کو اسی وجہ سے مستثنیٰ کیا کہ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں تفسیر ہے یہ کہ دعا مانگنے الہی بھرت فلاں میرا کام پورا کر دے یہ بالفاق جائز ہے اور تمام شہروں میں موجود ہے اھ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۹۹)

قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہی کا یہ ارشاد کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں بڑی وزنی بات کی ہے۔

علامہ ابن عبدالمادیؒ اس پر خاصی بحث کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبر شریف کے قریب سے تو آپ صلوٰۃ و سلام سننے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں لیکن قبر مبارک سے دور باقی مسجد نبویؐ میں جو سلم پڑھا جاتا ہے وہ آپ خود نہیں سننے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی نماز میں یا مسجد میں داخل یا اس سے خارج وقت پڑھے۔ (الصائم المنکی ص ۵۹)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات میں لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے مسجد نبویؐ کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سننے ہیں (تذکرۃ الخلیل ص ۳۱)

حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: بروایت حضرت انسؓ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچائی جاتی ہے یعنی بذریعہ فرشتوں کے (نشر الطیبات ص ۲۱) اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ سلام کا سننا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ (اور) سلام کا جواب دینا یہ تو دائمًا ثابت ہیں (ایضاً ص ۲۱)

ان تمام اقتباسات سے یہ امر روشن ہو گیا ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ و سلام پڑھے تو اس کو آپ خود بنفس نفیس سننے ہیں اور دور سے فرشتے پہنچاتے ہیں اور حضرت گنگوہیؒ کی عبارت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں جو شخص اس کا منکر ہو وہ اجماع کا منکر ہے اور منکر اجماع کے لیے جو دعیدیں وارد ہوئی ہیں وہ سب بلاشبہ اس شخص پر چسپاں ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی عبارت میں چار مسئلوں کا خصوصیت سے ذکر ہے اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں بھی کچھ تحقیق سپرد قلم کر دی جائے ایک تو یہ کہ فقہاء کرامؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے اور دوسرا مسئلہ تو سئل اور حرمت کا ہے اور تیسرا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ عام موتی کے عند القبر سماع یا عدم سماع کا مسئلہ ہے اور چوتھا استمداد باہل القبر کا ہے

قیامت کے دن شفاعت

شفاعت کا مسئلہ قرآن و حدیث اور کتب عقائد میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس کی کئی اقسام ہیں ایک شفاعت کبریٰ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن تمام امتوں کے لئے تجیل حساب کے سلسلہ میں کریں گے اس کے علاوہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ کی شفاعت عمومی بھی حق ہے اور اسی طرح شہداء و حفاظ قرآن ادبیاء و خطاط اور جو بچے نابالغ فوت ہو چکے ہوں بشرطیکہ ماں باپ نے ان پر نوحہ نہ کیا ہو ان کی شفاعت بھی حق ہے اور اہل اسلام کا کوئی قابلِ قدر فرقہ ایسا نہیں جو اس کا انکار کرتا ہو، یہ مسئلہ چونکہ دلائل قطعیہ صریحہ سے ثابت ہے اس لیے اس کے لیے دلائل پیش کرنا غیر ضروری ہے حضرت مولانا گنگوہیؒ نے جس شفاعت کا ذکر کیا ہے وہ آگے آ رہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر شفاعت کی درخواست جائز ہے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا علم تو اتر سے ثابت ہے اس لیے آپ کی قبر شریف کے پاس حاضر ہو کر یہ کہنا کہ حضرت آپ میری مغفرت کی شفاعت فرمائیں جائز اور درست ہے اور یہ صرف حضرات متأخرین ہی کی ایجاد نہیں ہے جیسا کہ بعض خام خیال لوگوں کا بے بنیاد و ہم سے بلکہ اس کا ثبوت حضرات صحابہ کرامؓ سے اور ان کے ایک گونہ اجماع اور حضرت عمرؓ کی تائید اور تصویب سے ہے چنانچہ علامہ مہمودیؒ لکھتے ہیں۔

وقد یكون التوسل به صلى الله تعالى عليه وسلم بعد الوفاة بمعنى طلب ان يدعو كما كان في حياته وذلك فيما راوى البيهقي من طريق الامام عن ابى صالح عن مالك الدار ورواه ابن ابى شيبة بسند صحيح عن مالك الدار قال اصاب الناس قحط في زمان عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه فجاء رجل الى

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات کے پورے توں کچھ اس مٹی میں ہوتا ہے کہ آپ سے دعا طلب کرے جیسا کہ آپ کی حیات میں تھا اور یہ جیسا کہ امام بیہقیؒ نے بطریق اعمش عن ابی صالح عن مالک الدار روایت نقل کی ہے اور ابن ابی شیبہؒ نے اس کو صحیح سند کے ساتھ مالک الدار سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس گیا اور اس نے کہا

قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال
یا رسول اللہ استنشق اللہ تعالیٰ لاهنتک
فانهم قد هلكوا فأتاه رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی المنام
فقال ائت عمرہ فاقراء السلام
واخبرہ انهم مسقون وقل لہ
علیک الکیس الکیس فأتی الرجل
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاخبرہ
فبکی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم
قال یا رب ما الولا ما یحزت
عنہ وروی سیف فی الفتوح ان
الذی رأى المنام المذکور بلال بن
الحارث المزنی أحد الصحابة رضی اللہ
تعالیٰ عنہم ومحل الاستسقاء طلب
الاستسقاء منہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم وهو فی البرزخ ودعائه لربه
فی هذه الحالة غیر متنع وعلمہ
بسؤال من یسألہ قد ورد فلا مانع
من سؤال الاستسقاء وغیرہ منہ
كما کان فی الدنیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۱ - استیعاب ص ۲۶۲
اصابہ ص ۲۸۵ - دفاع الوفاء ص ۲۲۱)

یا رسول اللہ۔ اللہ تعالیٰ سے اپنی اُمتوں کے لیے
بارش طلب فرمائیں کیونکہ وہ ہلاک ہو چکے ہیں، تو
نواب ہیں اس شخص سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے ملاقات کی اور فرمایا کہ تو عمرؓ کے پاس جاؤ
اس کو سلام کہہ اور اس کو خبر دے کہ اُن پر بارش
نازل کی جائے گی اور عمرؓ سے کہہ دے کہ وانا فیہ
قائم ہے وانا فیہ قائم ہے تو وہ شخص حضرت
عمرؓ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی تو حضرت عمرؓ
روپڑے پھر فرمایا اے میرے رب میں نے کوئی
کوتاہی نہیں کی مگر جس امر سے میں عاجز ہو گیا غلام
سیفؓ نے اپنی کتاب فتوح میں ذکر کیا ہے کہ جس
شخص نے خواب دیکھا تھا وہ حضرت بلال بن الحارث
المزنیؓ صحابی تھے اور اس سے استدلال یوں ہے
کہ آپؐ برزخ (اور قبر) میں تھے کہ آپؐ سے بارش
طلب کرنے کی دعا کی التجار ہوئی اور اس حالت
میں آپؐ کا رب تعالیٰ سے دعا کرنا کوئی متنع امر
نہیں ہے اور سوال کرنے والے کے سوال کے
علم کے بارے میں دلیل وارد ہوئی ہے لہذا آپؐ
سے بارش وغیرہ کے طلب کرنے کے سوال میں
کوئی مانع نہیں ہے جیسا کہ آپؐ سے دنیا میں ایسا
سوال کیا جاتا تھا۔

یہ واقعہ علامہ علی بن عبد الکافیؒ نے امام بیہقیؒ کی کتاب دلائل النبوة سے پوری
سند کے ساتھ نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو شفاء السقام ص ۱۲) اور حافظ ابن کثیرؒ نے بھی یہ

واقعہ امام بیہقیؒ کی پوری سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے اور آخر میں لکھتے ہیں وہذا سند صحیح،
 (البدایہ والنہایہ ج ۹۲) اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ
 رواہ ابن ابی شیبہؒ باسناد صحیح من اس کو ابن ابی شیبہؒ نے صحیح سند کے ساتھ
 روایت ابی صالح السمانؒ (فتح الباری ج ۳) ابو صالح السمان سے روایت کیا ہے۔
 ابن ابی شیبہؒ کی سند کے روات یہ ہیں:-

(۱) امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ الحافظ عیدم التظیر الثبت النحریر
 ثقہ حافظ اور متقن تھے (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۱ محصلہ)
 (۲) ابو معاویہ محمد بن خازم المتوفی ۹۵ھ الحافظ الثبت اور محدث الکوفہ تھے (تذکرہ ج ۱ ص ۲۶)
 ان پر بعض محدثین نے اضطراب کا الزام لگایا ہے لیکن علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ویضطرب
 فی غیر حدیث الا عیش (تذکرہ ج ۲ ص ۲۷) کہ امام عیشؒ کے علاوہ اور حضرات سے روایت
 کرنے میں یہ اضطراب کرتے ہیں اور یہ روایت حضرت عیشؒ سے ہے۔
 (۳) عیشؒ المتوفی ۲۸ھ الحافظ الثقہ اور شیخ الاسلام تھے (تذکرہ ج ۲ ص ۱۴۵)

(۴) ابو صالح ذکون السمان الزیات المتوفی ۱۸۸ھ حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ
 ثقہ من اجل الناس وادقہم (یعنی جلیل القدر اور ثقہ ثر لوگوں میں شمار تھے (تذکرہ ج ۱ ص ۸۳)
 (۵) حضرت مالک الدار کو علامہ ذہبیؒ حضرات صحابہ کرامؓ میں شمار کرتے ہیں (تجربہ اسماء الصوابہ
 ج ۲ ص ۲۷) اور علامہ ابن سعدؒ (المتوفی ۲۴۰ھ) ان کو تابعینؒ میں شمار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں
 کہ وہ حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام (مولیٰ عمرؓ) تھے اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے انہوں نے
 روایت کی ہے وکان معروفاً طبقات ابن سعدؒ ج ۲ ص ۱۲) اور وہ معروف و مشہور تھے۔
 غرضیکہ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں اور حافظ ابن کثیرؒ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ سہودیؒ
 وغیرہ اس روایت کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ واقعہ
 ۱۸ھ کے آخر اور ۱۸ھ کی ابتداء کا ہے (تاریخ طبری ج ۲ ص ۹۵ والبدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۹) اور
 مؤرخ عبدالرحمن بن محمد بن خلدونؒ (المتوفی ۸۰۸ھ) فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ۱۸ھ کا ہے
 (ابن خلدون ج ۲ ص ۹۶)

امام طبری اور حافظ ابن کثیرؒ اس واقعہ کے سلسلہ میں یہ بھی نقل کرتے ہیں

حَتَّى أَقْبَلَ بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ الْمَذَنِي
فَاسْتَأْذَنَ عَلَى عُمَرَ فَقَالَ إِنَّا رَسُولُ
رَسُولِ اللَّهِ إِلَيْكَ يَقُولُ لَكَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ عَهْدَتْكَ
كَيْسًا وَمَا ذَلَّتْ عَلَى ذَلِكَ فَمَا شَأْنُكَ؟
قَالَ مَتْنِي رَأَيْتُ هَذَا قَالَ الْبَاسُ رَحِمَهُ
فَخُورَ فَنَادَى فِي النَّاسِ الصَّلَاةَ جَامِعَةً
ثُمَّ رَجَعَ طَبْرِي ۱۶۹ وَالْبَدَائِئُ وَالنِّهَايَةُ ۱۶۹
وَالْمَفْظَلُهَا

یہاں تک کہ حضرت بلالؓ بن الحارث المزنی آئے اور
حضرت عمرؓ سے اجازت طلب کی اور فرمایا کہ
میں تمہاری طرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا
قاصد ہوں آپ نے فرمایا کہ لے عمرؓ میں تو مجھے
دانا ہی سمجھتا رہا اور تم اسی پر قائم رہے مگر اب تمہیں
کیا ہو گیا ہے؟ (کہ تم نے دعا اور صلوٰۃ استسقاء
ادا نہیں کی) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ خواب تم
نے کب دیکھا؟ حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ گذشتہ
شب حضرت عمرؓ (نماز استسقاء کے لیے) نکلے اور
لوگوں میں بھی نماز کے لیے جمع ہونے کا اعلان کیا

اور اختصاراً اس واقعہ کا ذکر علامہ ابن اثیرؒ (المتوفی ۶۳۰ھ) نے بھی کیا ہے (الکامل
لابن اثیر ۵۵۵) اور یہ واقعہ جب حضرت عمرؓ نے حضرات صحابہ کرامؓ سے بیان کیا اور فرمایا
فَإِنْ بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ يَزْعُمُ ذِيْنَةَ وَذِيْنَةَ
فَقَالُوا صَدَقَ بِلَالٌ رَضَاهُ (تاریخ طبری ۱۶۹)
کہ بلاشبہ بلالؓ بن الحارث ایسا اور ایسا خیال
کرتا ہے تو حضرات صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ بلالؓ
بن الحارث کسب کتنا ہے

اس واقعہ سے ذیل کے بڑے واضح فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات حسرتِ آیات سے تقریباً سات آٹھ سال
بعد پیش آیا اس وقت بحضرت حضرات صحابہ کرامؓ موجود تھے۔

۲۔ خواب دیکھنے والے کوئی مجہول شخص نہیں تھے (جیسا کہ مؤلف اقامۃ الیرمان لکھتے ہیں یہ
ایک ایسے اعرابی کا عمل ہے جو سراپا جہالت ہے نہ اس کا نام معلوم ہے نہ اس کا حال اس لیے
ایسے مجہول العین اور مجہول الوصف انسان کے عمل سے احکام شریعت پر استدلال دین سے تمسخر
اور تلعب کی بدترین مثال ہے۔ بلفظ ص ۲۸۸ سبحان اللہ اور مؤلف شفاء الصدور ص ۲۸ میں اس کو

مجهول کہتے ہیں اور نہ لے حق ص ۳۲ میں اس واقعہ کا یوں تمسخر اڑاتے ہیں یہ جمہور نہ ہو کشف خوابیں جنگلیوں کا مذہب آپ ہی کو نصیب ہو۔ اللہ ماہدنا الصراط المستقیم ضعیف حدیث پھر عمل ایک جنگلی کا جب صحابی کا عمل حجت نہیں تو جنگلی کے عمل کا کیا مقام ہے پھر واقعہ خواب کا غیر نبی کا خواب کوئی حجت نہیں جب تک کہ مؤید بالا جماع نہ ہو بلفظہ نہ لے حق ص ۳۲ اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ ہم خیر القرون کا اونچا دور حضرت عمرؓ کا عہد بتاتے ہیں جس میں اعرابی (جنگلی) حضور کی قبر پر پہنچ کر بارش کی دعا کروانا ہے سب علماء نے اسے بدعت میں شمار کیا ہے اگر یہ آپ کی بات حق ہے تو ان علماء کی تخلیط فرمائیے اور فتویٰ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فرمایئے اور شاہ اسماعیل شہید کو بدعت کی تعریف سمجھائیئے (چھوٹا منہ اور بڑی بات) بلفظہ اور نیز لکھتے ہیں کہ مگر یہ شرط ہے کہ کسی جنگلی کا عمل نہ ہو کیونکہ وہ حجت نہیں الخ بلفظہ (ص ۱۳۱) ملاحظہ فرمائیئے کہ کس طرح ایک جلیل القدر صحابی کو بار بار جنگلی کے لفظ سے تعبیر کر کے ان کا تمسخر اڑاتے ہیں اور پھر اس جائز کاروائی کو بدعت کہتے ہیں اور پھر کس طرح سب علماء کی طرف اس کے بدعت قرار دینے کی نسبت کرتے ہیں اور کس بیباکی سے صحیح حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اور کس دیدہ دلیری سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور حضرت شاہ شہیدؒ کا نام مکمل حوالہ دے کر عوام کو مغالطہ دیتے ہیں اس کی بحث ہم نے سماع الموتی میں کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ فرمائیئے یہ واقعہ کسی جنگلی کا نہیں بلکہ جلیل القدر صحابی حضرت بلال بن الحارث المزنی (المتوفی ۳۷ھ) کا ہے۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر رات بے خواب اور سوال و شفا شکر نہیں ورنہ یہ جلیل القدر صحابی یہ کارروائی ہرگز نہ کرتے۔

۴۔ یہ معاملہ نہ رے خواب کا نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے خواب کو خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کی نایب و تصویب حاصل ہے اور اس کا روای کا حکم پہلے تو عیدیکہ بسنتی و سنت الخلفاء الراشدین الحدیث کے تحت سنیت کا ہو گا ورنہ استنباب اور اقل درجہ حجاز سے کیا کم ہو گا۔

۵۔ یہ واقعہ حضرت عمرؓ نے جب دیگر حضرات صحابہ کرامؓ سے بیان فرمایا تو انہوں نے صدق بکمال فرمایا کہ اس کی پُرزدوز نایب و تصدیق کی لہذا اس واقعہ کو نہ خواب یا اعرابی اور جنگلی کا قصہ تصور کر کے گلو خلاصی چاہنا یا جلیل القدر اور معروف و مشہور صحابی کو مجهول العین و الحال کہنا یا

سے خالص تمسخر اور تلّوّب ہے حضرات صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنا بمضمون حدیث ما انا علیہ واصحابی باعث نجات اور رشد و فلاح ہے اور خود مولف اقامۃ البرہان نے لکھا ہے کہ محمد بن حرب ہلالیؒ کا اتباع ہم پر لازم نہیں لیکن صحابہؓ کے آثار کی پیروی کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے اور ان کے دائرہ عمل سے باہر قدم رکھنا کھلی گمراہی ہے الخ بلفظ (ص ۲۹)

علاوہ ازیں اس واقعہ کی حقیقت اور صداقت علماء اسلام کے محاط طبقہ حضرات فقہاء کرامؓ کے اس فتویٰ سے بھی اُجاگر ہوتی ہے جسے انہوں نے بڑی عقیدت اور محبت کے الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلب مغفرت اور سوال شفاعت کی مخلصانہ دعا سے اپنی مقبرہ اور مستند کتابوں میں واضح تر الفاظ سے بیان اور نقل کیا ہے اور ہر مسلک اور ہر مکتب فکر کے علماء مناسب جج میں اس کو بلا تکبر نقل کرتے چلے آئے ہیں اور لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں نے اس پر عمل کیا اور اس وقت بھی اس پر عمل پیرا ہیں اور سچ ہے کہ زبانِ خلق کو لفظِ خدا سمجھو

ع
اتمام حجّت :-

اگر استشفاع عند القبر کے منکرین حضرات کو ان صحیح اور مٹھوس حوالوں سے تسکین نہیں ہوتی تو لیجئے ہم اپنے اور ان کے پیروں و مرشدوں کے رتیں الموحّدین حضرت مولانا حسین علیؒ کا حوالہ عرض کتے دیتے ہیں (جن سے وابستگی کا زبانی دعویٰ یہ حضرات بھی کرتے ہیں اور حضرت یہ بات محض اپنے قیاس و اجتہاد سے نہیں فرماتے جس میں غلطی کا امکان اغلب ہوتا ہے بلکہ باحوالہ تحریر فرماتے ہیں) ان کا ارشاد یوں ہے۔

وروی البیہقیؒ وابن ابی شیبہؒ ان یلال بن الحادث رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاء الی قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وقال یا رسول اللہ استسق لامتک فافھو ہلکوا فانّا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی المنام واخبروا انھو یستقون (تحریر احمدیث) ۲۵۵

امام بیہقیؒ اور ابن ابی شیبہؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت بلالؓ ابن الحارثؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر آئے اور فرمایا یا رسول اللہؐ اپنی امت کے لیے بارش طلب فرمائیں کیونکہ وہ ہلاک ہو چکی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خواب میں ملے اور ان کو خبر دی کہ بارش برے گی۔ (الشارع اللہ)

اس سے مؤلف مدللے خفی کا یہ مطالبہ بھی پورا ہو گیا جو انہوں نے راقم الحروف کو خطاب کر کے لکھا تھا کہ آپ اپنے مطالعہ کے زور سے ذخیرہ احادیث میں ایک حدیث ایسی دکھادیں جس میں یہ ہو کہ صحابہ کرامؓ بعد وفات النبی آپ سے استشفاع و استغفار کرتے تھے (ص ۱۲۱) اور فارمین کرام پہلے پڑھ چکے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور خلیفہ راشد حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرام نے استشفاع عند القبر کے سلسلہ میں حضرت بلالؓ بن الحارث کے اس فعل کی تائید کی ہے حضرات اور کیا کرتے؟

حافظ ابن تیمیہ علامہ ابن عبد البرؒ اور علامہ آلوسی وغیرہ اس مسئلہ میں جمہور کے خلاف رائے رکھتے ہیں ان حضرات کی بعض عبارات پر اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی ادھوری عبارات پر (جن کی بقدر ضرورت بحث سماع الموتی میں ہم نے کر دی ہے) بنیاد رکھتے ہوئے مؤلف اقامۃ البرہان نے یہ فیصلہ دیا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک سے استشفاع اجماع صحابہؓ اور تعامل سلف اور تعامل جمہور اہل سنت کے سراسر خلاف اور بدعت سیئہ ہے فاما بعد الحق الا الضلال (بلفظہ ص ۱۲۱)

حضرات صحابہ کرامؓ کا استشفاع عند القبر کے بدعت سیئہ ہونے پر اجماع تو درکنار کسی ایک صحابی سے صریح الفاظ میں اس کی نفی ثابت نہیں ہے اور سابق واقعہ حضرات صحابہ کرامؓ سے اس کا رسوائی کے جواز پر کافی وثاقی دلیل ہے اور علماء کرام جو حضرات فقہاء کرام کی کتابوں پر عبور رکھتے ہیں (جن کے کچھ حوالے ہم نے اسی کتاب میں درج کر دیئے ہیں) اور مناسک الحج کی کتابیں پڑھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ حضرات سلف کا اور جمہور اہل سنت کا تعامل کیا ہے۔ محض لفظوں کے کرتب سے حقیقت ثابتہ کا انکار علماء کو قطعاً زیب نہیں دیتا۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرات فقہاء کرام جو عند القبر استشفاع کو جائز قرار دیتے ہیں اور بڑے ادب و تعلیم کے ساتھ اس کا شرعی اور فقہی طریقہ بتاتے ہیں کیا یہ سب اہل سنت کے مسلک کے خلاف تھے؟ اور کیا یہ بدعت سیئہ کے مرتکب اور اس کے مروج تھے؟ اور کیا یہ سب حضرات الا الضلال کا مصداق ہو کر گمراہ قرار پائے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ یہ

ہی اعجاب کل ذی رأی برآیہ کا ہے جس کا جو جی چاہتا ہے کرنا پھرتا ہے۔

منع کی دلیل

ترک استشفاع اور ترک الدعاء عند الفقر کی سب سے بڑی وزنی دلیل امام ابن تیمیہؒ حافظ ابن قیمؒ اور علامہ ابن عبد البرؒ وغیرہ نے یہ پیشگی کی ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ ائمہ دینؒ اور سلف صالحینؒ سے ایسی روایت ثابت نہیں اگر یہ جائز ہوتی تو وہ ضرور ایسا کرتے علاوہ ازیں حضرت ابن عمرؓ جب سفر پر جاتے یا سفر سے واپس تشریف لاتے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو اقدس پر حاضر ہو کر بڑی عقیدت سے یہ فرماتے السلام علیک یا رسول اللہ - السلام علیک یا ابا بکرؓ السلام علیک یا ابتاہ (یہ الفاظ مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۷۶ اور ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۳۸ طبع ثمان اور وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۹۹ میں عبدالرزاق کے حوالہ سے بسند صحیح اور الصارم المنکی ص ۱۱۷ اور المسک المتقسط ص ۲۴۱ وغیرہ میں مذکور ہیں) اگر آپ سے طلب دعا جائز ہوتا تو حضرت ابن عمرؓ اس پر بھی عمل کرتے (محصلہ فتاویٰ و مختصر الفتاویٰ المصریہ ص ۱۹۱ وقاعد جلیبہ ص ۱۳۷ و غائث اللہقان ج ۲ ص ۲۰۴ والصارم المنکی ص ۱۱۷ و ص ۱۱۳ وغیرہ)

الجواب

یہ ان حضرات کا ایک علمی مغالطہ ہے کیونکہ قبر کے پاس حاضر ہو کر سفارش کرنا اور طلب دعا نہ تو فرض و واجب ہے اور نہ سنت متوکلہ تاکہ یہ حضرات اس پر خواہ مخواہ ضرور عمل کر کے دکھاتے اور اس کا روایتی کے نہ کرنے پر وہ ملامت کتے جاتے اس کا رد الٰہی کے مقرر اس کو صرف جائز ہی کہتے ہیں اور جواز کے اثبات کے لیے حضرت بلالؓ ابن الحارثؓ کلیہ فعل جس کی حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ نے تائید کی ہے کیا کم ہے؟ اگر حضرت ابن عمرؓ صحابی ہیں جنہوں نے ایسا نہیں کیا تو یقین جاتیے کہ حضرت بلالؓ ابن الحارثؓ اور ان کی اس کارروائی کے مصدقین بھی صحابہ ہی ہیں تصویر کا صرف ایک رُخ ہی نہیں دیکھنا چاہیے دوسرا رُخ بھی دیکھنا چاہیے اگرچہ حافظ ابن تیمیہؒ اپنی زبان سے حضرات سلفؒ سے یہ کارروائی تسلیم نہیں کرتے بلکہ سختی سے اس کے منکر ہیں لیکن اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ کارروائی بعض متأخرین سے ثابت ہے (محصلہ فتاویٰ جلیبہ ص ۱۱۷ بحوالہ ندائے حق ص ۱۲) اور مشہور غیر مقلد عالم سہسواں لکھتے

ہیں کہ سلف سے ثابت نہیں اور انہی کی پیروی اولیٰ ہے ہاں بعد کو آنے والے اہل فضل اور اہل الدین سے کیا روایت ثابت ہے (بحوالہ ندائے حق ص ۱۲) الغرض نفس جو از کے لیے بیثبوت کافی ہے علاوہ ازیں جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ کاروائی ثابت ہے تو منکرین حضرات کا یہ دعویٰ کہ سلف سے ثابت نہیں نرمی سینہ نوری ہے جو بالکل قابلِ سماعت نہیں ہے

قبر مبارک پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کا طریقہ

قبر مبارک پر صلوٰۃ و سلام کا عرض کرنا جید حدیث کی روشنی میں اُمت کے تعامل سے اور قبر مبارک پر دعا اور شفاعت کی التجا کرنا حضرات فقہاء کرام کے فتویٰ سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہے جس کا انکار بغیر کسی ضدی اور نرمے منعصب کے اور کوئی نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے البتہ اس میں حضرات فقہاء احناف کا آپس میں اختلاف ہے کہ صلوٰۃ و سلام وغیرہ عرض کرنے والا اپنا رخ اور چہرہ قبلہ کی طرف پھیر کر سلام وغیرہ عرض کرے یا قبلہ کی طرف پیچھے پھیر کر آپ کی قبر مبارک اور مواجہ شریفہ کو ملحوظ رکھ کر یہ کارروائی کرے اکثر عبارات دوسرے قول کی مؤید ہیں جیسا کہ بعض عبارات اسی کتاب میں آپ نے ملاحظہ کر لی ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ کے اس سلسلہ میں دو قول منقول ہیں اور راجح دوسرا ہے۔

چنانچہ حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں

ثم اعلما انه ذكر بعض مشائخنا كابي الليث ومن تبعه كالكرماني والسروري انه يقف الزائر مستقبل القبلة كذا رواه الحسن عن ابي حنيفة وقال ابن الهيثم وداعن ابي الليث من ان الزائر يقف مستقبل القبلة مردودهما روى ابو حنيفة عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما انه قال من السنة ان تأتي قبر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فتنقل القبور بوجهك ثم تقول السلام

تو جان کہ ہمارے بعض مشائخ نے جیسے ابواللیث اور ان کی پیروی میں کرمانی اور سروری نے یہ ذکر کیا ہے کہ زیارت کنندہ قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو اور اسی طرح حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے اور ابن الہیثم فرماتے ہیں کہ ابواللیث نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ زیارت کنندہ قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو مردود ہے اس حدیث کے رو سے جو امام ابو حنیفہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ تم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس آؤ اور اپنا رخ قبر کی

عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته (۳۷) لطف کرو اور پھر کہو السلام عليك ايها النبي
 (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط ۳۷) ورحمة الله وبركاته الخ
 یہ عبارت فتح القدر ج ۵ ص ۵۹ طبع ہند میں موجود ہے اور علامہ سہودی نے یہ حوالہ
 وفاء الوفا ج ۲ ص ۲۲۷ میں بھی محقق الخفیفہ کمال بن الہمام کے عنوان سے نقل کیا ہے اور حضرت
 ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت مسند الامام اعظم کے حوالہ سے بالسند نقل کی ہے اور آخر میں لکھا ہے
 وقد تقرر ان قول الصحابي من
 السنة كذا محمول على سنته صلى
 الله تعالى عليه وسلم فله حكم الرفع
 (وفاء الوفا ج ۲ ص ۲۲۷)
 اور یہ بات (اصول حدیث میں) طے شدہ ہے
 کہ جب صحابی (مطلقاً) من السنة کا لفظ کہے تو وہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر محمول ہوتا
 ہے اور وہ مرفوع کے حکم میں ہے۔

حضرت امام مالکؒ اور استشفاع عند القبر

مشہور محدث قاضی عیاضؒ (جو القاضی العالم المغرب اور الحافظ تھے، محدث ابن شکرؒ
 فرماتے ہیں کہ وہ اہل العلم والیقین والذکاء والفہم میں تھے تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۹۶، قاضی
 ابن خلکانؒ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے وقت میں امام الحدیث تھے ایضاً ص ۹، قاضی القضاۃ امام
 برہان الدین ابراہیم بن فرحونؒ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے وقت میں حدیث اور اس کے علوم کے امام
 تھے اور نیز لکھتے ہیں کہ وہ امام مالکؒ کے مذہب کے حافظ تھے (الایباج المذہب ص ۱۶۸ و ۱۶۹،
 ان کی وفات ۵۴۲ھ میں ہوئی تھی) اپنی سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ابن حمیدؒ فرما
 ہیں کہ امیر المومنین ابو جعفر کا حضرت امام مالکؒ سے مسجد نبوی میں مناظرہ ہوا حضرت امام مالکؒ نے
 فرمایا کہ اے امیر المومنین اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کریں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو
 یہ اوب سکھلایا کہ تم اپنی آوازوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کرو الایۃ اور ایک
 قوم کی تعریف کی ہے کہ بلاشبہ جو لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اپنی
 آوازیں لپیٹ کرتے ہیں الایۃ اور ایک قوم کی مذمت کی ہے سو فرمایا ہے کہ جو لوگ تجھے جو
 کے سامنے سے پکارتے ہیں الایۃ اور بے شک وفات کے بعد بھی آپ کی عزت و حرمت ایسی
 ہی ہے جیسا کہ زندگی میں تھی اس پر ابو جعفر نے عاجزی کرتے ہوئے آواز لپیٹ کر لی اور حضرت

امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ اے ابو عبد اللہؒ کیا میں قبلہ رخ ہو کر دعا کروں یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رخ کروں حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ تو کیوں اپنا رخ آپؐ سے پھیرتا ہے حالانکہ آپؐ ہی (شفاعت کبریٰ کے ذریعے) تیرے اور تیرے باپ حضرت اعم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ہوں گے اور آگے فرمایا۔

بل استقبلہ واستشفع بہ فیشفعہ اللہ قال اللہ تعالیٰ وکسر انہم اذ ظلموا انفسہم الا یہ (الشفاء ج ۲ ص ۳۲۳ طبع مصر)
بلکہ آپؐ کی طرف متوجہ ہو اور آپؐ کو سفارش ہی اللہ تعالیٰ آپؐ کی سفارش قبول فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اور اگر بے شک جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اکایہ

علامہ عبد الکافی السبکیؒ فاضل غیاثؒ کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں
وہو استاد جلیل (شفاء السنن ص ۱۱) اور پھر ایک ایک راوی کا حال انہوں نے بیان کیا ہے اور ان کی توثیق کی ہے اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ

فانظر الی ہذہ الحکایۃ وثقت رواھا نو اس حکایت کو اور اس کے ثقہ راویوں کو و موافقتھا لما سواہ ابن وہب عن دیکھ اور اس کو بھی دیکھ کہ یہ اس روایت کے مالکؒ الخ ص ۱۱ موافق ہے جو ابن مہب نے مالکؒ سے بیان کی ہے۔

اس واقعہ کو علامہ سمودئیؒ نے بھی وفاء الوفا ج ۲ ص ۴۲ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے ثقہ راویوں کی یہ جید روایت صاف طور پر یہ بتاتی ہے کہ حضرت امام مالکؒ استشفاع عند القبر کے قائل تھے اور ان کے نزدیک بعد از وفات بھی دلو انفسہم اذ ظلموا انفسہم الا یہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مغفرت کی دعا طلب کرنا ثابت ہے حضرت امام مالکؒ کا یہ استدلال بالکل واضح صحیح اور حق ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

ضرب کاری

چونکہ یہ روایت حافظ ابن تیمیہؒ کے مسلک اور ان کے دعویٰ پر ضرب کاری ہے اور اس میں عند القبر استشفاع حضرت امام مالکؒ جیسی شخصیت سے ثابت ہے اس سے خاصے

پریشان اور برہم ہو کر اصولی طور پر نہیں جواب انہوں نے دیئے ہیں (۱) کہ یہ حکایت منقطع ہے۔ کیونکہ اس میں محمد بن حمید الرازی نے امام مالکؒ کو نہیں پایا الخ (۲) محمد بن حمید راہل حرث کے نزدیک ضعیف ہے (قاعدہ جلید ۱ ص ۲۱) (۳) قاضی عیاضؒ نے فقہ مالکی کی کتاب مبسوط کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ میں اس کو درست نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑا ہو کر دعا مانگے پس سلام کرے اور چلا جائے (قاعدہ جلید ۱ ص ۲۱) اور حافظ ابن تیمیہؒ کی پیروی میں علامہ ابن عبد الہادیؒ نے الصارم المنکی ص ۲۱ تا ۲۲ اس پر طویل بحث کی ہے اور اعتراض کے لیے یہی اصول استعمال کئے ہیں جو اوپر بیان ہوئے اور حافظ ابن تیمیہؒ کے ان ہی اصولی اعتراضات کو مؤلف اقامۃ البرہان نے ص ۲۹ تا ۲۹۳ میں خوب پھیل کر لکھا ہے اور اسماء الرجال کی کتابوں سے محمد بن حمید الرازی کے کذاب اور جھوٹے ہونے کے حوالے بھی نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ ابن حمید الرازی کے علاوہ اس سند میں کئی مجاہل ہیں اس لیے امام مالکؒ سے یہ روایت ثابت نہیں امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک حکایت بھی بیان کی ہے جو امام مالکؒ پر افتراء کی گئی ہے (قاعدہ جلید ۱ ص ۲، اقامہ ص ۲۹۳)

الجواب

یہ ساری کاوش بلاوجہ ہے حافظ ابن تیمیہؒ بلاشبہ علمی طور پر بڑی شخصیت کے مالک ہیں مگر ان کی طبیعت میں شدت اور حدت بھی بے پناہ تھی جب وہ اپنی شدت پر اتر آتے ہیں تو انہیں بخاری و مسلم کی صحیح روایت حسبِ حدیث بتطبیقہ بھی نظر نہیں آتی اور وہ حالت حیض میں ہی گئی طلاق سے بھی کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں (تفصیل کے لیے عمدۃ الاثبات اور سماع الموتی ملاحظہ کریں) اصل بات یہ ہے کہ قاضی عیاضؒ کی سند میں راوی ابن حمید ہے جس کو حافظ ابن تیمیہؒ نے محمد بن حمید الرازی سمجھ لیا ہے اور یہی ان کا کھلم کھلا وہم اور صریح غلطی ہے۔

اولاً اس لیے قاضی عیاضؒ اپنے وقت میں علم حدیث اور اس کے فنون کے امام تھے اگر یہ راوی محمد بن حمید الرازی ہوتا جو کذاب ہے تو اس سے وہ ہرگز احتجاج و استدلال نہ کرتے۔ ثانیاً اور خود امام ابن تیمیہؒ تصریح فرماتے ہیں کہ لم یدرک مالکاً کہ اس کی ملاقات امام مالکؒ سے نہیں ہوئی تو بلا دلیل اور بلا وجہ البسا راوی کیوں سمجھ لیا گیا جس کی امام مالکؒ سے ملاقات

ی نہیں ہوئی و نالٹا یہ راوی محمد بن حمید الشکری المعمری ہے چنانچہ علامہ السبکی تحریر فرماتے ہیں کہ میری رائے میں یہ ابوسفیان محمد بن حمید المعمری ہے خطیب فرماتے ہیں کہ اس کا شمار ان لوگوں میں ہے جنہوں نے امام مالک سے روایت کی ہے اور وہ خود فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک نے جب موٹا لکھا تو مجھے دکھلایا (شفاء السقام ص ۱۱) امام عقیلی نے ان کو ضعف میں لکھا ہے اور کہا ہے فی حدیثہ نظر لیکن ان کے علاوہ باقی تمام آئمہ جرح و تعدیل ان کی توثیق کر ہیں چنانچہ ابن معین ایک روایت میں ان کو ثقہ اور ایک میں صدوق کہتے ہیں ابوحاتم ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں ابوداؤد ان کو ثقہ کہتے ہیں اور نسائی ان کو یس بہ یأس کہتے ہیں اور ابن حبان ان کو ثقافت میں لکھتے ہیں اور امام ابو یوسف ان کو ثقہ کہتے ہیں اور ابن شہاب ان کو ثقافت میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۳) ان کی وفات ۸۲ھ میں ہوئی (الضعفاء) اور حضرت امام مالک کی ۷۹ھ میں اور ان کی عدم لقاء کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جب کہ امام خطیب کی تصریح موجود ہے کہ حضرت امام مالک سے روایت کرنے والوں میں ان کا نام بھی ہے کما مر البتہ ایک بات علامہ ابن عبد البر نے کسی ہے کہ اس سند کے راوی یعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل کی لقاء معمری سے نہیں ہوئی معمری کی وفات ۸۲ھ میں ہوئی ہے اور یعقوب بن اسحاق کی ولادت سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا درمیان کی کڑی غائب ہے بینہما مفاضة بعيدة (الصارم المنکی ص ۲۱۸) لیکن یہ محض تکبہندی سے تاریخ اور دلیل کے لحاظ سے وہ یہ دعویٰ بالکل ثابت نہیں کر سکے ان کا فرض تھا کہ وہ تاریخی طور پر یعقوب بن اسحاق کی سن ولادت بتاتے تاکہ معاملہ صاف ہو جائے علامہ عبدی فرماتے ہیں کہ ان کی اپنے والد اسحاق بن ابراہیم بن کاجرا سے (جن کی ولادت ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں اور وفات ۷۴ھ میں ہوئی تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۲) اور عمر بن شہب سے بھی روایت ہے (جن کی وفات ۷۲ھ میں ہوئی ایضاً ص ۲۲) جن کی عمر نوے سال سے متجاوز تھی جب ان سے روایت ہو سکتی ہے تو تاریخی لحاظ سے معمری سے روایت میں کیا اشکال ہو سکتا ہے؟ الغرض اس حکایت کو جھٹلانے اور منقطع اور ساقط الاغبار فرار دینے کی کوئی ٹھوس اور قابل اعتماد دلیل موجود نہیں ہے اس کو جب قاضی عیاض جیسے محدث نقل کرتے ہیں اور

عبدالکافی السبکیؒ اور سہودؒ جیسے وسیع النظر عالم باسناد جمید کہتے ہیں تو اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

علامہ شہاب الدین احمد الخفاجیؒ الشفاد کے اس منقولہ واقعہ کی شرح کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

وفی هذا رد على ما قاله ابن تيمية من ان استقبال القبر الشريف في الدعاء عند الزيارة امر منكرو لم يقل به احد ولم يرو الا في حكاية مفتراة على الامام مالك يعني هذه القصة التي اوردها المصنف رحمه الله هنا والله دره حيث اوردها بسند صحيح وذكر انه تلقاها عن عدة من ثقاة مشائخهم فقولنا انها كذب محض مجازفة من ترهاتهم وقولهم لم ينقل ولم يرو باطل فان مذهب مالك واحمد والشافعي رضي الله تعالى عنهم استجاب التنبال القبر الشريف في السلام والدعاء وهو مستطير في كتبهم اه (نسيم الرياض ج ۳ ص ۳۹۸)

اس میں ابن تیمیہؒ کے قول کا رد ہے کہ زیارت کے وقت قبر شریف کی طرف دعا کرتے وقت رخ پھیرنا بُری بات ہے اس کا کوئی بھی قائل نہیں اور نہ کسی سے مروی ہے مگر اس حکایت میں جو امام مالکؒ پر گڑبڑی گئی ہے یعنی یہ واقعہ جس کو قاضی عیاضؒ نے یہاں نقل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مصنف کے اصیل کی خوبی ہے کہ اس نے صحیح سند کے ساتھ یہ حکایت اپنے متعدد ثقہ مشائخ سے نقل کی ہے ابن تیمیہؒ کا یہ کہنا کہ یہ تراجموٹ ہے الکل بچو بات ہے جو ان کی بیباکانہ جسارت ہے، ریان کا یہ قول کہ یہ کسی سے منقول نہیں اور نہ کسی سے روایت ہے یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور امام الشافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ سلام اور دعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف رخ کرنا مستحب ہے بیباک ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔

اور خود حافظ ابن تیمیہؒ کو بھی ان حضرات کے اس مسلک کا اقرار ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

فقال الاكثرون كما لك واحمد وغيرهما اكثر حضرات جیسے امام مالکؒ اور امام احمدؒ وغیرہ

یسلم علیہ مستقبل القبر وهو الذی ذکرہ اصحاب الشافعی واطنہ منقولہ عند الخ (فتاویٰ ج ۲ ص ۱۱ طبع جدید)
 فرماتے ہیں کہ آپ پر سلام قبر مبارک کی طرف رخ کر کے کرنا چاہیئے اور اسی کو حضرات شوافعؒ نے ذکر کیا ہے اور میرے خیال میں امام شافعیؒ سے یہی منقول ہے۔

ورایت

یہی حافظ ابن تیمیہؒ کی یہ بات کہ امام مالکؒ سے مبسوط میں روایت ہے کہ زیارت کنیتہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑا ہو کر دعا نہ کرے بلکہ سلام کہہ کر چلا جائے تو اس میں بھی کلام، اولاً اس لیے کہ حضرت امام مالکؒ سے اس کے خلاف بھی روایت موجود ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ اپنی کتاب روش المسائل میں حافظ ابو موسیٰ الاصہبانیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:-

دوی عن مالک بن انس الامام رحمہ اللہ تعالیٰ انہ قال اذا اراد الرجل ان یأتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیسئد بر القبلة ویستقبل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویصلی علیہ ویدعوا ھ (شفاء السقام ص ۱۱)
 حضرت مالکؒ ابن انسؒ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب آدمی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس آئے تو قبلم کی طرف پیٹھ پھیر کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رخ کر کے آپ پر صلوٰۃ بھی پڑھے اور دعا بھی کرے۔

اس میں ویصلی علیہ کے بعد حرف عطف کے ساتھ ویدعوا کے الفاظ صریحت سے مذکور ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر کے پاس دعا بھی ان کے نزدیک درست ہے، وثانیاً اس لیے کہ حضرت امام مالکؒ باہر سے آنے والوں یا سفر پر جانے والوں کے لیے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس وقوف اور سلام دعا کو درست فرماتے ہیں ہاں اہل مدینہ کے لیے اس کو درست نہیں کہتے چنانچہ خود حافظ ابن تیمیہؒ فقہ مالکیؒ کی کتاب مبسوط کے حوالہ سے حضرت امام مالکؒ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ پر یہ لازم نہیں کہ وہ جب مسجد میں داخل ہوں یا اس سے نکلیں تو قبر مبارک کے پاس ٹھہریں یہ تو باہر سے آنے والوں کے لیے ہے اور

نیز فرمایا کوئی حرج نہیں اس شخص کے لئے جو سفر سے آئے یا سفر کے لئے نکلے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کے پاس ٹھہرے اور وہاں صلوٰۃ پڑھے اور آپ کیلئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے لئے دعا کرے۔ حضرت امام مالکؒ سے کہا گیا کہ اہل مدینہ کے کچھ لوگ نہ تو سفر سے آئے ہوتے ہیں اور نہ سفر کا ارادہ کرتے ہیں وہ روزانہ ایک دفعہ یا زیادہ یہ کارروائی کرتے ہیں اور بسا اوقات وہ جمعہ کو یا اور ایام میں ایک دو دفعہ یا زیادہ قبر کے پاس ٹھہرتے ہیں اور سلام کہتے ہیں اور ایک گھڑی دعا کرتے ہیں تو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات مدینہ طیبہ میں کسی اہل فقہ سے نہیں پہنچی اور اس کے ترک کر دینے میں گنجائش ہے اور اس اُمت کے آخری لوگوں کی اصلاح بھی صرف اسی طریقہ سے ہوگی جس سے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی اور مجھے اس اُمت کے پہلے لوگوں اور اس کی بہترین شخصیتوں سے یہ خبر نہیں پہنچی کہ وہ ایسا کرتے تھے۔

ویکرہ الا لمن جاء من سفر او ارادة
فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۱۱ طبع جدید
اور ایسا کرنا مکروہ ہے ہاں مگر جو سفر سے آئے یا سفر کرنے کا ارادہ کرنا ہو۔
(شفاء السقام ص ۲۵)

اس تفصیلی حوالہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر سلام اور دعا کرنا ان لوگوں کے لئے مکروہ ہے جو مدینہ طیبہ ہی میں بہ وقت مقیم ہوں لیکن ان میں سے اگر کوئی شخص سفر کا ارادہ رکھتا ہو یا سفر سے واپس آیا ہو اور اسی طرح دیگر مسافروں کے لئے ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے اور اس کی وجہ بھی خود حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔
لان ذلك تحية له والمحيا لا يقصد دينية
کیونکہ یہ آپ کو سلام کہنا ہے اور جس کو سلام کہا جاتا ہے ہر وقت اس کے گھر کا قصد نہیں کیا جاتا
كل وقت بخلاف القادمين من
السفر اه (ج ۲ ص ۱۱)
بخلاف ان کے جو سفر سے آتے ہیں

(۳) سے اہل مدینہ کے ہر وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر برائے سلام دعا نہ حاضر ہونے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی۔ علاوہ ازیں متعدد کتابوں میں آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر طلب دعا کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:-

وقد ذكر جماعة منهم الشيخ ابو منصور
الصباغ في كتابه الشامل الحكايات
المشهورة عن العتبي قال كنت جالساً
عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم فجاء
اعرابي فقال السلام عليك يا رسول
الله سمعت الله يقول وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ
ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا
اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا
اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا وَقَدْ جِئْتُكَ
مُسْتَغْفِرًا الذَّنْبِي مُسْتَشْفِعًا بِكَ إِلَى
رَبِّي اه (تفسير ابن كثير ج ۲ ص ۵۲)

ایک جماعت نے عتبیؒ سے یہ مشہور حکایت نقل کی ہے
جس جماعت میں شیخ ابو منصور الصباغ بھی ہیں واقعہ
انہوں نے اپنی کتاب النشائیل میں بیان کیا ہے عتبیؒ فرما
ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے
پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا
السلام علیک یا رسول اللہ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ
ارشاد سنا ہے اور اگر بے شک وہ لوگ رب کے انہوں نے
اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آتے پس وہ اللہ
تعالیٰ سے معافی مانگتے اور ان کے لیے رسول بھی
اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول
کرنی والا مہربان پاتے اس لیے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگنے
کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ٹل سفارشی پیش کرنے آیا ہوں

اس کے بعد اس نے درود سے چند اشعار پڑھے اور اظہار عقیدت اور جذبہ محبت کے پھول
پنچا ور کر کے چلا گیا اور اسی واقعہ کے آخر میں مذکور ہے کہ خواب میں اس کو کامیابی کی بشارت
بھی مل گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عتبیؒ جاکر اس اعرابی سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ
نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔

یہ واقعہ امام نوویؒ نے کتاب الاذکار ص ۱۸۵ طبع مصر میں اور علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفیؒ
الحنفیؒ المتوفی ۷۱۰ھ نے اپنی تفسیر المداہک جلد ۳ ص ۳۹۹ میں اور علامہ تقی الدین سبکیؒ نے سفار
السقام ص ۲۶ میں اور شیخ عبدالحقؒ نے جذب القلوب ص ۱۹۵ میں اور علامہ بحر العلوم عبدالعلیؒ نے
رسائل الارکان ص ۲۸ طبع لکھنؤ میں نقل کیا ہے اور علامہ علی بن عبدالکافی السبکیؒ اور علامہ سمہودیؒ
لکھتے ہیں کہ :-

وحکایت العتبی فی ذلک مشہورہ وقد حکاها
المصنفون فی المناسک من جمیع المذاهب
عتبیؒ کی حکایت اس میں مشہور ہے اور تمام مذاہب
کے مصنفین نے مناسک کی کتابوں میں اور مؤرخین

والمؤرخون وكلهم استحسنوها الخ (شفاء السقام) نے اس کو ذکر کیا ہے اور سب نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے۔ (دوفاء الوفا ج ۳ ص ۱۷)

اور خطیب قسطلانیؒ اور علامہ زرقانیؒ نے بھی اس الحکایت المثنیہ صوریہ کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ (المواہب مع الزرقانی ج ۲ ص ۱۲) اور اسی طرح شیخ محمد نجیب الحنفیؒ نے اپنی کتاب تطہیر الفردوس و نس الاعتقاد ص ۲۵ طبع مصر میں تذکرہ کیا ہے۔ یہ بات پیش نظر ہے کہ اس واقعہ سے استدلال اس رنگ میں نہیں کہ غیبی کوئی بڑے پارسا بزرگ اور ثقہ راوی تھے جن کی اس کاروائی کی پیروی کی جارہی ہے فرض کیجئے کہ وہ بادۂ مست بھی ہوں جیسا کہ بعض کتابوں میں اس کا ذکر بھی ہے۔ اور بعض معاصرین نے اس کو پتلے باندھ لیا ہے بلکہ استدلال اس انداز سے ہے کہ اس کی اس کاروائی کو بہر مکتب فکر کے علماء کرام کی اکثریت نے مستحسن سمجھ کر اس پر عمل کیا ہے اور تلقی امت اور تعامل علماء و فقہاء سے یہ کاروائی جواز کا درجہ رکھتی ہے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ یہود و مشرک کاروزہ رکھتے ہیں آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اس دن تم کیوں روزہ رکھتے ہو انہوں نے کہا کہ اس نے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکر یہ کے طور پر روزہ رکھا تھا اس لیے ہم بھی روزہ رکھتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ ہمارا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تمہاری نسبت زیادہ ہے آپؐ نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور امت کو بھی حکم دیا (اوکما قال مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۷۰ قال منتفق علیہم) اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں کہ یہودی یہودیت پر قائم رہ کر ثقہ اور عادل راوی ہو گئے اور ان کی بات اس لحاظ سے حجت ہو گئی بلکہ ان کا یہ فعل ایک اچھا فعل تھا اس لیے آپؐ نے اس پر خود بھی عمل کیا اور امت کو بھی حکم دیا اسی طرح اس واقعہ کو سمجھئے۔ اور اسی طرح دیگر منفرد علماء کرام نے قریباً و حدیثاً اس کو نقل کیا ہے اور حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ مواہب میں بسند امام ابو منصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمہم اللہ تعالیٰ محمد بن حبوب ہلالیؒ سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا ہے وکواۓھو

اِذْ ظَلَمُوا اَنْفُسَهُمْ جَاؤُكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوْ جَدَّ وَاللّٰهُ تَوَّابًا رَّحِيْمًا اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرنا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہنا ہوا آیا ہوں پھر دوشعر پڑھے الخ اور اس محمد بن حرب کی وفات ۲۸۱ھ میں ہوئی ہے اور غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت تکیر منقول نہیں پس حجت ہو گیا۔ (نشر الطیب ص ۲۵۴)

اور حضرت مولانا نانوتویؒ یہ آیت کریمہ لکھ کر تحریر فرماتے ہیں کہ کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمامت کے لیے یکساں رحمت ہے کتنے پچھلے اُمتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرنا جب ہی منظور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں اور (آپ حیات ص ۴)

اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ یہ سابق واقعہ ذکر کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:-

فثبت ان حکم الایۃ باقی بعد وفاته پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اعلاء السنن ج ۳ ص ۳۳) اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔

ان اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت مغفرت کی درخواست کرنا قرآن کریم کی آیت کے عموم سے ثابت ہے بلکہ امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس معنی میں صریح ہے۔ صریح فی ذلک (شفاء السقام ص ۱۲) اور خیر القرون میں یہ کاروائی ہوئی مگر کسی نے انکار نہیں کیا جو اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے۔ علامہ سمهودیؒ لکھتے ہیں کہ:-

والعلماء فہموا من الایۃ العموم بحالقی الموت والخیلۃ واستنجوا من اتی القبر ان یتلوھا ویستغفر اللہ تعالیٰ وحکایۃ الاعرابی فی ذلک نقلھا جماعۃ من الامۃ عن العنبنی الخ (وفاء الوفا ج ۲ ص ۲۱)

علماء نے اس آیت کریمہ سے آپ کی زندگی اور موت دونوں حالتوں کا عموم سمجھا ہے اور انہوں نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کہ جو شخص آپ کی قبر مبارک پر جائے وہ اس کو پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اعرابی کی حکایت اس سلسلے میں ائمہ کرام کی ایک جماعت نے عنبنیؒ سے نقل کی ہے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ علامہ امت نے اس آیت کریمہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی اور بعد از وفات دونوں حالتوں میں عموم سمجھ کر آپ کی قبر مبارک پر اس کو پڑھنا مستحب قرار دیا ہے اور یہ صرف آپ کی زندگی ہی سے مخصوص نہیں ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحنبلیؒ اپنی کتاب المستوعب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے آداب میں لکھتے ہیں کہ پھر آپ کی قبر مبارک کی دیوار کے پاس پہنچے اور کنارہ پر قبر مبارک کی طرف رخ کر کے قبلہ کی طرف پیٹھ پھیر کر اور منبر کو بائیں طرف کر کے کھڑا ہو اور یہ دعا پڑھے۔

اللہم انک قلت فی کتابک لنبیک علیہ السلام ولو اتھم لاذکلموا انفسھم جآؤک الیۃ فانی قد انت نبیک مستغفرًا فاسئلک ان توجب لی المغفرۃ کما اوجبتھا لمن اتاہ فی حیاتہ اللہم انی اتوجہ الیک بنبیک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ذکر دعاء طویلہ۔
(وفاء الوفا ج ۲ ص ۲۳۷)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (المتوفی ۱۱ شوال ۱۳۹۶ھ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند مفتی اعظم پاکستان) اپنی معتبر اور مستند علمی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اُسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اس حکم میں ہے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے نبیؐ کے بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آکر گر گیا اور زار زار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار رسولؐ کی خدمت

میں حاضر ہو جاتے اور رسولؐ اس کے لیے دُعا ئے مغفرت کر دیں تو اس کی مغفرت ہو جائے مگر اس لیے میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپؐ میرے لیے مغفرت کی دُعا کریں اُس وقت جو لوگ حاضر تھے ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضۃ اقدس کے اندر سے آواز آئی قَدْ غُفِرَ لَكَ (بِحَرِّ حَيْط) یعنی مغفرت کر دی گئی (معارف القرآن جلد دوم ص ۴۵۸، ۴۵۹)

فائدہ ۵ :- حضرت علیؑ کی اس روایت کے بارے میں علامہ ابن عبد الہادیؒ نے الصام المنکی ص ۲۷ میں کڑی جرح کی ہے کہ اس کی سند میں ہشتم بن عدی کذاب راوی ہے اور یہ خبر منکر اور موضوع ہے اور انہی کی پیروی میں اقامۃ البرطان از ص ۲۸ تا ص ۲۸ میں اس پر کتب اسماء الرجال سے مفصل بحث کی ہے لیکن علامہ ابن عبد الہادیؒ کا اس کو قطعی طور پر موضوع کہنا صرف ہوائی فائس ہے اس لیے کہ اس روایت کی سند میں جس راوی پر سخت جرح ہوئی ہے وہ ہشتم ہے اور ابن عبد الہادیؒ لکھتے ہیں کہ

وَاطْنَهُ ابْنُ عَدِي الطَّائِي فَانْ يَكُنْ هُوَ هُوَ
مَبْرُوحٌ كَذَابٌ وَلَا فَهْوَ مَجْهُولٌ الْخ
میرا خیال ہے کہ یہ راوی ہشتم بن عدی الطائی ہے
پس اگر یہ وہی ہے تو وہ منکر اور کذاب ہے
اور اگر وہ نہیں تو وہ مجھول ہے۔
(الصام المنکی ص ۲۷)

سوال یہ ہے کہ جب خود علامہ ابن عبد الہادیؒ اس راوی کی تعین ہی میں متردد ہیں تو ان کو اس کا حق کیسے اور کہاں سے حاصل ہے کہ وہ قطعیت کے ساتھ اس حدیث کو موضوع قرار دیں؟ ہاں اگر علی التعمین یہ راوی ہشتم بن عدی طائی ہی ہوتا تو کتب اسماء الرجال سے جتنی جرحیں اس پر نقل کی گئی ہیں کہ وہ کذاب اور منکر ہے وہ بجا ہیں مگر ایسا نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ یہ روایت ضعیف ہوگی لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت کی التجار کا ذمہ دار حضرات فقہاء کرام محدثین عظام اور تعامل علماء سے ثابت ہے اس لیے جواز کے مسئلہ کے لیے یہ روایت قابل برداشت ہوگی۔ کیونکہ محدثین کرام کے ہاں یہ طے شدہ بات ہے کہ عقیدہ کے باب میں خبر واحد صحیح بھی معتبر نہیں اور حلال و حرام و طلاق و نکاح وغیرہ کے سلسلہ میں صحیح یا حسن خبر ہی قابل احتجاج ہو سکتی ہے باقی جواز اور استحباب کے لیے ضعیف حدیث بھی قابل قبول ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ

وقال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم يجوز وليستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً لكتاب الاذكار ص (طبع مصر)

علماء محدثین اور فقہاء وغیرہم یہ فرماتے ہیں کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث کے ساتھ عمل جائز اور مستحب ہے بشرطیکہ موضوع نہ ہو۔

غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب (المتوفی ۱۳۲۰ھ) لکھتے ہیں کہ ضعیف حدیث جو موضوع نہ ہو اس سے استحباب اور جواز ثابت ہو سکتا ہے (فتاویٰ نذیریہ ج ۱) اور نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے حجت ہونے پر علماء کا اتفاق ہے (دلیل الطالب ص ۸۸) اور حضرات فقہاء کرامؒ نے استشفاع عند القبر کو جائز ہی کہا ہے جیسا کہ ملا گنگوہیؒ کی عبارت میں مذکور ہے یا بعض نے مستحب کہا ہے جیسا کہ علامہ سمیہودیؒ کی عبارت میں مذکور ہے۔

تعالل کس طبقہ کا معتبر ہے؟

اہل علم کی عبارات میں جب یہ آتا ہے کہ علماء نے اس کی تلقی بالقبول کی ہے یا اس اُمریت کا تعال ہے تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہر عالم کہلانے والے کی تلقی بالقبول یا تعال مراد ہے ورنہ ہر بدعت پسند طبقہ جو حظوظ نفس کے لیے اپنی بدعات کو حریجان قرار دیتا اور اس پر شدت سے کار بند اور مصر ہے اس کا مثل بھی تلقی بالقبول کی مد میں ہوگا حاشاً و کلاً عالم اور امتی سے عالم اور امتی مراد ہے جو قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ کو جاننے والا اور دل جان سے ان پر عامل اور حضرات صحابہ کرامؓ تابعینؓ تبع تابعینؓ اور سلف و خلف کے عمل کو صحیح اور ٹھوس حوالوں کے پیش نظر اپنے لیے راہ نجات سمجھے اس لیے ان الفاظ سے نہ دھوکہ دینا چاہیئے اور نہ کھانا چاہیئے اللہ تعالیٰ ہر ایک کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے (آمین)

محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام الحنفیؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضری کے آداب بتلاتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ:-

ثم يسأل النبي صلى الله عليه وسلم الشفاعة فيقول يا رسول الله اسألك الشفاعة

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرے پس کہہ لے اللہ تعالیٰ کے رسول میں آپ سے شفاعت کا

يَا رَسُولَ اللَّهِ اسْأَلْكَ الشَّفَاعَةَ وَاتَّوَسَّلْ
بِكَ إِلَى اللَّهِ فِي أَنْ أَمُوتَ مُسْلِمًا عَلَى
مِلَّتِكَ وَسُنَّتِكَ وَيَذْكُرَ كُلُّ نَهْأَةٍ
مِنْ قَبِيلِ الْأَسْتَعْظَافِ وَالرَّفَقِ أَهْ
(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۳۸ طبع مصر)

سوال کرتا ہوں یا رسول اللہ میں آپ سے شفاعت کی
درخواست کرتا ہوں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں
بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں آرزو یہ ہے کہ میں بحال اسلام
آپ کی ملت و سنت پر مروت اور ہر ایسی چیز کا ذکر کرے
جو تشفی و ترحم کے قیل سے ہو۔

قبر مبارک کے پاس شفاعت کی درخواست اس بات پر مبنی ہے کہ قبر شریف میں آپ
زندہ ہوں اور آپ کے جبراطر سے روح مبارک کا اتصال علاقہ اور تعلق ہو اور شفاعت کی درخواست
کرنے والے کی اتیان بنفس نفیس خود سماعت فرماتے ہوں، اگر محض توسل کی صورت ہو تو قبر
کے پاس حاضری کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں یہ تو ہر جگہ ہو سکتی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں (جس کو سلطان اورنگ زیب عالمگیر المتوفی ۱۱۱۸ھ کے حکم سے
تقریباً پانچ سو علماء کرام کی مستند جماعت نے مرتب کیا ہے)۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری اور اپنے معروضات پیش کرنے کے بعد اس
کی بھی تصریح کی ہے۔

وَيَبْلُغُهُ سَلَامٌ مِنْ أَوْصَاةٍ فَيَقُولُ
السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ فُلَانُ
بَنُ فُلَانٍ يَسْتَشْفِعُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ فَاشْفَعْ
لَهُ وَلِجَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ أَهْ
(عالمگیری ج ۲ ص ۲۸۲ طبع مصر)

جس شخص نے آپ کی خدمت میں سلام کہنے کی تاکید
کی ہو آپ کو اس کا سلام بھی عرض کرے پس یوں
کہے کہ یا رسول اللہ فُلَانُ بَنُ فُلَانٍ نے آپ کی خدمت
میں سلام عرض کیا ہے اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں
سفارشی بنا رہا ہے سو آپ اس کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے
شفاعت کریں۔

اس عبارت میں بھی آپ کی خدمت اقدس میں سلام عرض کرتے اور شفاعت کی درخواست
کرنے کا صراحت و وضاحت سے ذکر ہے۔ اور علامہ بحر العلوم عبد العلیؒ لکھتے ہیں کہ
پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شفاعت طلب
کرے اور کہے یا رسول اللہ میں آپ کی شفاعت کا

ثم يسأل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم
الشفاعة فيقول يا رسول الله اسألك

الشفاعة يا رسول الله اسئلك الشفاعة
وافوسل بك الى الله في ان اموت مسلماً
على ملتك وسنتك الخ

(رسائل الاركان ص ۲۸ طبع لکھنؤ) پر مروج۔

اور پھر آگے لکھا ہے کہ جس شخص نے آپ کے روضہ اقدس پر سلام عرض کرنے کی وصیت کی ہو
اس کا سلام بھی پہنچائے اور یہ کہے کہ یا رسول اللہ فلاں بن فلاں کی طرف سے آپ کو سلام قبول ہو
یا یوں کہے فلاں بن فلاں آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے (رسائل الاركان ص ۲۸) اور نیز
فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرات شیخین کو سلام کہے اور پھر لوٹے (ایضاً)
علامہ سہودی لکھتے ہیں۔

وقال ابو منصور الكرماني الحنفی ان
كان احد اوصاك بتبليغ التسليم تقول
السلام عليك يا رسول الله من فلان بن
فلان يستشف بك الى ربك بالرحمة
والمغفرة فاشفع (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۳)
امام ابو منصور الكرماني الحنفی فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے
تمہیں سلام پہنچانے کی وصیت کی ہو تو تم وہاں کہو
یا رسول اللہ فلاں بن فلاں کی طرف سے آپ پر سلام
ہو وہ آپ کو آپ کے رب کے سامنے رحمت اور مغفرت کے
سلسلہ میں سفارش بناتا ہے پس آپ اس کے لیے
سفارش کریں۔

حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحب سابق مفتی مظاہر العلوم سہارن پور نے بھی اپنی مشہور اور
مستند کتاب معالم الحجاج ص ۳۲۵ میں آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرنے کا اور
ص ۳۲۶ میں دوسروں کا سلام آپ تک پہنچانے کا فقہی طریقہ صراحت سے ذکر کیا ہے۔
اور علامہ حسن بن عمار بن علی شربلانی الحنفی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت
کے وقت بڑے والہانہ اور عقیدت مندانہ انداز میں عرض پیش کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے
لکھتے ہیں کہ :-

يا رسول الله نحن وفدك وزوقا حرمك
تشرقنا بالحلول بين يديك وقد جدتك
يا رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کے پاس وفد کے
طور پر آپ کے حرم کی زیارت کی غرض سے آئے ہیں اور

من بلاد شامسة وامكنة بعيدة نقطه السهل
والوعر يقصد زيارتك لنفوز بشفاعتك
والنظر الى ما اثرتك ومعاهدك والقيام
بقضاء بعض حقك والاستشفاع بك الى
ربنا فان الخطايا قد قصمت ظهورنا الى
ان قال الشفاعة الشفاعة الشفاعة
يارسول الله يقولها ثلاثا
(نور الابصاح ص ۱۹)

ہمیں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے
اور ہم دور دراز شہروں اور بعید جگہوں سے آسان اور دشوار
گزار راستے طے کر کے آپ کی زیارت کی غرض سے
آئے ہیں تاکہ آپ کی شفاعت سے کامیابی حاصل کریں اور
مبارک نشانات اور مقامات کو دیکھیں اور آپ کے حق کا کچھ
حصہ وا کریں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی پیش
کریں کیونکہ گناہوں نے ہماری کمر توڑ دی ہے (پھر
آگے فرمایا کہ) شفاعت شفاعت شفاعت یا رسول
اللہ تین مرتبہ کہے۔

غور فرمائیے کہ کس طرح اس عبارت کے لفظ لفظ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ
ابی واقعی کی تعظیم و عقیدت محبت و مودت اور الفت و رافت کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے اور کس
نیاز مندانه اور عاجزانہ انداز میں آپ سے شفاعت کی التجا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اہل اسلام کو
سمیت اس حقیر پر تقصیر کے بار بار دروضہ اقدس پر حاضری کا شرف مرحمت فرمائے لے خالق بنیاد
کیا زندگی میں آئندہ بھی وہ دن آئے گا کہ

وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم خاکِ در رسول کو سُر مہ بنائیں ہم
اور علامہ شرنبلالیؒ نے پھر آگے حضراتِ شیخینؒ کی قبور کے پاس حاضری دینے کا مستحب طریقہ
بتلائے ہوئے نہایت والہانہ انداز میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ:-

جئنا كما نتوسل بكما الى رسول الله
صلى الله عليه وسلم لينفخ لنا ويسأل
الله ربنا ان يتقبل سعينا ويحينا
على ملته ويميتنا عليها ويحشرنا في
ضرته الخ
(نور الابصاح ص ۱۹)

ہم تم دونوں کے پاس آئے ہیں تمہیں بطور وسیلہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ
آپ ہمارے لیے شفاعت کریں اور اللہ تعالیٰ سے جو ہمارا
ہے سوال کریں کہ وہ ہماری سعی کو قبول فرمائے اور ہمیں آپ
کی ملت پر زندہ رکھے اور اسی پر وفات دے اور آپ کے
گروہ میں ہمارا حشر کرے (آمین ثم آمین)

علامہ السید احمد طحاوی الشفاعة کے جملہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

ای نطلب منك الشفاعة
(طحاوی ص ۱۲)

کرنے کی التجاہد کرتے ہیں۔

مشہور فقیہ عبد الرحمن بن ابی نعیم محمد بن سلیمان الحنفی المعروف بداد افندی (المتوفی ۸۸۸ھ) لکھتے ہیں کہ:-

ويقول السلام عليك يا رسول الله اسئلك
الشفاعة الكبرى واتوسل بك الى الله
تعالى في ان اموت مسئلاً على ملتك وسنتك الخ
(مجمع الانهر ج ۳ ص ۳۳ في شرح ملتقى الابرار)
مولف العلامة ابراہیم بن محمد محلی الحنفی (المتوفی ۹۵۹ھ)

اور اس سے قبل ج ۳ ص ۳۱ میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں من صلی علی قبری سمعتہ
ومن صلی علی نائياً بلغته

حضرت امام نووی لکھتے ہیں کہ:-

فاذا صلی تحية المسجد اتى القبر
الكریم فاستقبله واستدير القبله
على نحو اربع اذرع من حیدار القبر
وسلم مقتصدًا لا يرفع صوته السلام
عليك يا رسول الله، السلام عليك
يا خيرة الله من خلقه السلام عليك
يا حبيب الله الى ان قال فيتوسل به
في حق نفسه ويتشفع به الى ربه سبحانه
وتعالى ويدعو لنفسه ولوالديه واصحابه
واحبابه ومن احسن اليه وسائر

جب ہ تجیۃ المسجد ادا کرے تو قبر مبارک کے پاس جائے
اور اس کے سامنے کھڑا ہو اور قبلہ کی طرف پیچھے
پھیر دے اور قبر مبارک کی دیوار سے تقریباً چار ہاتھ
دور کھڑا ہو اور میانہ روی اختیار کرے اور آواز بہت
زیادہ بلند نہ کرے اور کہے السلام عليك يا
رسول الله - السلام عليك يا حبيب الله
اور سلام ہو تجھ پر اے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے مجھے
ہوئے (پھر آگے فرمایا) سو اپنے نفس کے حق میں
آپ کا توسل کرے اور پروردگار کے سامنے آپ کو
سفارش نبائے اور اپنے والدین اور دوستوں اور

المسلمین اھ (کتاب الادکار ص ۱۸۴ طبع مصر)

نیز حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ :-

وَيَتَوَسَّلُ بِهِ فِي حَقِّ نَفْسِهِ وَيَتَشَفَّعُ بِهِ إِلَى رَبِّهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى وَهُوَ أَحْسَنُ مَا يَقُولُ مَا حَكَاهُ أَصْحَابُنَا عَنْ الْعَتَبِيِّ مَسْتَحْسِنِينَ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِجَاءَ أَعْرَابِي فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ الْح (الایضاح فی مناسک الحج ص ۲۹۱ طبع مصر)

علامہ رحمۃ اللہ سندھیؒ اور حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ :-
ثم اى فى تلك الساعة يطلب الشفاعة اى فى الدنيا بتوفيق الطاعة وفى الآخرة يغفران المحصية فيقول يا رسول الله اسألك الشفاعة ثلاثا لانه اقل مراتب الاجحاح لتحصيل المنال فى مقام الدعاء والسؤال ولا يبعد ان يكون اشارة الى طلبها فى المقامات الثلاثة من الدنيا والبرزخ والاخرة والمراتب المرتبة من الشريعة والطريقة والحقيقة (لباب المناسك مع شرح المسالك المتقسطى المتسك المتوسط ص ۳۳۹ طبع مصر)

جس نے بھی اس سے حسن سلوک کیا ہے اس کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے نفس کے بارے میں وسیلہ بنائے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے نال سفارشی بنائے اور اچھی بات وہ ہے جو ہمارے شوافع حضرت نے عتبی سے حکایت کی اور اس کو انہوں نے اچھا سمجھا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں آپ کی قبر مبارک کے پاس تھا ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا السلام عليك يا رسول الله الح

پھر اس گھڑی شفاعت طلب کرے دنیا میں اُٹا کی توفیق کی اور آخرت میں گناہ کی بخشش کی اور تین مرتبہ کہے یا رسول اللہ میں آپ سے شفاعت طلب کرتا ہوں کیونکہ دعا اور سوال کے مقام پر حاصل کرنے کے لیے یہ عاجزی کے اقل مراتب ہیں اور بعید نہیں کہ دنیا، برزخ اور آخرت کے تین مقامات میں طلب شفاعت کی طرف اشارہ ہو اور ان تین بالترتیب مراتب کی طرف بھی اشارہ ہو جو شریعت طریقت اور حقیقت سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔

اخاف کے ان دو بزرگ علماء نے قبر مبارک پر طلب شفاعت کا مستحسن ہونا اور اس کا طریقہ

بتایا ہے اور نیز یہ دونوں بزرگ لکھتے ہیں (ہم صرفی بحث سے صرف نظر کرتے ہوئے معنی کرتے ہیں)
 اور مستحسن ہے کہ زیارت کنندہ کہے جیسا کہ ایک مقبول
 (بارگاہِ الہی) اعرابی نے کہا تھا اے اللہ تعالیٰ تو
 نے فرمایا اور تُو سب کہنے والوں میں زیادہ سچا
 اور اگر وہ جب کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا
 تیرے پاس توبہ کرتے ہوئے آتے اور اپنے گناہ کی
 تائیدی سے وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور ان کے
 لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ان
 کے اعانت کی طرف لوٹنے کی شفاعت کر کے منتخا
 کرتے تو اللہ تعالیٰ کو وہ توبہ قبول کرنے والا اور ان کے
 بچاؤ پر مہربان پاتے سو بے شک ہم اپنی جانوں پر ظلم کرتے
 ہوئے اور اپنے گناہوں سے معافی چاہتے ہوئے آئے ہیں
 ہم آپ کو اپنے رب کے ہاں سفارش کرنے میں سو آپ
 اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش فرمائیں اور آپ
 اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ ہمارے مطلوبات اور
 سوالات پورے فرما کر ہم پر احسان فرمائے۔
 (المسلک المتقسط ضحک ۳۲)

اور پھر آگے حضراتِ شیعین (حضرت ابو جریض اور حضرت عمر رض) پر سلام کہنے کا طریقہ اور تعظیم
 عقیدت کا سبق دیتے ہوئے علامہ رحمت اللہ صاحب لکھتے ہیں (اور حضرت ملا علی القاری اس
 کی تشریح کرتے ہوئے ان کی مکمل تائید کرتے ہیں)

جئنا یا صاحبی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم زائرین لنبیئنا وصدیقنا و
 فاروقنا ورحمننا نوسل بکما الی رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یشفع لنا الی ذی

اے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو ساتھیوں
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق رض اور فاروق رض
 کی زیارت کے لیے آئے ہیں اور ہم تم دونوں کو
 آپ کے ہاں وسیلہ بناتے ہیں تاکہ آپ ہمارے

ای فی مغفرة ذنوبنا الخ (ایضاً ص ۳۷۳)

لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لئے سفارش کریں اور

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی الحنفیؒ (المتوفی ۳۸۰ھ) لکھتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں کی زیارت کے سنت ہونے اور ان پر سلام کہنے اور ان سے شفاعت طلب کرنے پر علماء احناف اتفاق ہے اگر یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبزادے کے عدم سماع کے قائل ہوتے، (جیسا کہ وہم کیا گیا ہے) تو ان کا کلام متناقض ہوتا۔
سے حضرات فقہاء احناف کا مسلک واضح ہوتا ہے۔

وقد اطبق الائمة الحنفية على سبب زيارة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وزيارة صاحبيه رضي الله تعالى عنهما والسلام عليهما و طلب الشفاعة منهم فلو كانوا قائلين بعدم سماع النبي والصاحبين كان كلامهم متناقضاً (المنحة الوهبية ص ۱۲)

یہ عبارت بڑی واضح اور روشن ہے جس سے علامہ سمهودیؒ لکھتے ہیں کہ

احناف کے فقیہ کرمانیؒ نے کہا ہے کہ جب زیارت کنندہ واپس لوٹنے کا قصد کرے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ قبر شریف پر جائے اور سلام و دعا کے بعد کہے یا رسول اللہ تم آپ سے رخصت ہو رہے ہیں لیکن رخصت ہونے کو جی نہیں چاہتا اور نہ آپ کی جدائی کو خوشی سے گوارا کرتے ہیں ہم آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ آپ کے حرم تشریف کی زیارت ہمارے آثار نہ مٹائے اور ہمیں سلامت اور غنیمت کے ساتھ ہمارے اولیاء کی طرف لوٹائے اور جو کچھ اس نے دیا ہے اس میں برکت دے اور ہمیں اس پر شکر کی توفیق مرحمت فرمائے (آمین)

وقال الكرماني من الحنفية اذا اختار الرجوع يستحب له ان يأتي القبر الشريف ويقول بعد السلام والى عالم ودعناك يا رسول الله غير مودع ولا ساهمين بفرقتك نسألك ان تسأل الله تعالى ان لا يقطع آثارنا من زیارت حرمك وان يعيدنا سالمين غافيين الى اوطاننا وان يبارك لنا فيما ذهب لنا وان يورثنا الشكر على ذلك الخ (وفاء الوفا ج ۲ ص ۴۵۲)

علامہ ابن عابدین الشامیؒ فرماتے ہیں کہ

یستجب له اذا عزم علی الرجوع الی اہله
ان یدع المسجد بصلوة ویدعو
بعدھا بما احب وان یأتی القبر
الکریم فیسلو ویدعو ویسأل
اللہ تعالیٰ ان یوصلہ الی اہله سالمًا
ویقول غیر مودع یا رسول اللہ ویمتھد
فی خروج الدموع فانه من امارات
القبول اھ (مشاحی ج ۳۵ طبع مصر)

جب زیارت کنندہ اپنے گھر کو لوٹنے کا ارادہ کرے تو
اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ مسجد نبوی میں نماز پڑھ کر
رخصت ہو اور اس کے بعد جو پسند ہو دعا کرے اور
قبر مبارک کے پاس آئے اور سلام کہے اور دعا کرے
اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ وہ اسے سلامتی سے
اس کے گھر لوٹائے اور کعبہ یا رسول اللہ آپ سے رخصت
ہونے پر دل آمادہ نہیں اور کوشش کرے کہ انسو
نکلیں کیونکہ یہ قبولیت کی نشانیوں میں سے ہے۔

چونکہ علامہ شامی رحمہ اللہ عند النبر آپ کے سماع کے قائل ہیں سماع الموتی میں ہم نے ان کا حوالہ عرض
کر دیا ہے اس عبارت میں وہ آپ سے خطاب کرتے ہوئے آپ کے فراق اور جدائی کا واما نہ اظہار
فرماتے اور اس کا طریقہ بتاتے ہیں۔

ہماری پیر مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحبی علامہ ابن حجر کی الجملہ المنظوم کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:-
حضرت علیؑ سے روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے فن کئے جانے کے بعد ایک اعرابی آیا سو اس نے کہا کہ
یا رسول اللہ میں آپ کے پاس آیا ہوں آپ میرے لیے میرے
مغفرت طلب فرمائیں پس قبر مبارک سے آواز آئی کہ بیک
تیری مغفرت ہو چکی ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
وسلم کی بھوپھی حضرت صفیہؓ آپ کی وفات کے بعد آئی اور اس نے
یہ شعر پڑھا خبردار! اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
آپ میری امید ہیں اور آپ ہم پر مہربان تھے اور آپ
سخت مزاج نہ تھے حضرات صحابہ کرامؓ نے یہ سنا اور کبھی

سروی عن علیؑ انه بعد دفنہ صلی علیہ
الہ وسلم جاء اعرابی فقال یا رسول اللہ
جئتک لتستغفر لی الی ربی فنودی من
القبر الشریف قد غفر لک وانت صفیة
عمۃ النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم بعد
وفاتہ (فقاالت) ألا یا رسول اللہ انت
رجائیہا۔ وکنت بنا برًا ولم تک جائیہا۔
وسمع الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم
ولم یتکرها احد۔

ایک نے بھی اس کا انکار نہ کیا

(تحریرات حدیث ص ۲۵۶)

سند اور تاریخ کے لحاظ سے یہ واقعہ صحیح ہے یا غیر صحیح؟ یہ اپنے مقام کی بحث ہے۔ مگر

حضرت مولانا حسین علی گھاہ صاحب نے اس واقعہ کو مقام استدلال میں پیش کیا ہے اور اس کی یہاں تردید نہیں فرمائی اور تعالیٰ اُمّت کی وجہ سے گویا انہوں نے اس کو صحیح سمجھا ہے اور ہمارا استدلال بھی اسی پہلو سے ہے حضرت مرحوم نے تفسیر بے نظیر ص ۵۲ میں علامہ ابن عبد الہادیؒ کے نظریہ کی پیروی کرتے ہوئے اس روایت کے راوی ہیتیم بن عدی الطائی پر کڑی جرح نقل کی ہے۔ لیکن پہلے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ خود علامہ موصوفؒ اس راوی کی تعبیر میں متردد ہیں تو وثوق کے ساتھ اس روایت کو موضوع اور ساقط الاعتبار قرار دیتا ہے۔

ان تمام ذمہ دار فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کی روشن عبارات سے یہ بات واضح سے واضح تر ہو گئی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت کی التجار کرنا جائز صحیح اور درست ہے۔ حضرت قطب الارشاد مولانا گنگوہی رحمہ اللہ نے فقہاء کرام کی انہی عبارات کا حوالہ دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ ”اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی دلیل ہے الغرض آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے استشفاع تو حضرات فقہاء کرام کے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت ہے بلکہ حضرت ملا علی نقاری حاجی گوہر ایات کرنے ہوئے شہداء اُحد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:-

ولا تترك اتيان زيارتهم واستدعاء شفاعتهم (شرح شفاۃ ص ۵۲ طبع مصر)
اور تم شہداء (اُحد) کی زیارت کو مت ترک کرنا اور نہ ان سے شفاعت کی التجار سے گریز کرنا۔
اور حضرت مولانا گنگوہیؒ لکھتے ہیں کہ:-

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنے اپنی شفاعت چاہے اور کہے یا رسول اللہ اسئلك الشفاعت واقوسل بك الى الله في ان اموت مسلماً على ملتك و سئلك ان الفاظ میں اور جتنا چاہے زیادہ کر سکتا ہے مگر وہ سب کلمات ادب اور عاجزی کے ہیں لیکن سلفؒ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر الفاظ جتنے کم ہوں مستحسن ہے اور بہت تیز آواز سے نہ بولے بلکہ آہستہ خضوع اور ادب کے ساتھ عرض کرے اور جس طرف سے سلام کہنا ہو اس طرح عرض کرے۔ السلام عليك يا رسول الله من فلان بن فلان يستشفع بك الى ربك الخ (زبدۃ المناسک ص ۱۲۱ طبع کراچی)

اور پھر ص ۱۲۲ و ص ۱۲۳ میں حضرات شیخینؒ سے سلام عرض کرنے کا طریقہ اور ان کے توسل سے دعا کرنے اور ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاں سفارشی بنانے کا صراحتاً تذکرہ فرمایا ہے۔
حضرات فقہاء کرام کی ان عبارات کے جوابات

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرنا اور اس کا جواز و استحباب نو قارئین کرام کو مذکورہ بالا حوالوں سے بخوبی معلوم ہو گیا ہے اسی طرح حضرات شیخینؒ کی قبور پر حاضر ہو کر سلام کہنا اور ان سے توسل کرنا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاں سفارشی بنانا بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے ان عبارات سے مگر خلاصی کے لیے ہمارے معاصرین کرم فرماؤں نے جو چور دروازے اپنے لیے تلاش کئے ہیں جن سے وہ خود بھی نکل کر بھاگنا چاہتے ہیں اور اپنے ان حواریوں کو بھی گزانا چاہتے ہیں جو اکابر کے دامن سے البتہ رہنے کو ایک گونہ عار سمجھتے ہیں اور ان سے کٹ اور ہٹ کر الگ تھلگ رہنا چاہتے ہیں۔ یہ جوابات ہم انہی کی عبارات میں عرض کر رہے ہیں۔

چنانچہ مؤلف ندائے حق استشفاع عند القبر کی تردید کرتے ہوئے اور تسکین الصدور میں عالمگیری وغیرہ سے پیش کردہ حوالوں کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(۱) خلاصہ یہ نکلا کہ شیخین (ابو بکر و عمرؓ) سے درخواست کہ تم حضورؐ کو کہو کہ خدا سے کہیں کہ وہ ہماری مغفرت کرے یعنی واسطہ در واسطہ بریلویوں سے ایک قدم آگے وہ تو کہتے ہیں اے فقیر میری تیرے آگے اور تیری اللہ کے آگے (دعا و التجار) ہے۔ اور یہ بنیاسپتی دیوبندی فرماتے ہیں ہماری ابو بکر و عمر کے آگے اور ان کی حضور کے آگے اور پھر حضور کی اللہ کے آگے واہ بی دیوبند سبقت جدیدہ ترمیم شدہ۔

ناظرین اب انصاف سے بتائیں کہ مشرکین مکہ کو جو کو سا جاتا ہے ان کا کیا قصور تھا جو حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و دیگر انبیاء و اولیاء کرام کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ دَیْقُوْا لَوْ اَنَّ هَؤُلَاءِ شَفَعَا عِنْدَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (ندائے حق ص ۶ بقدر الحاجز)
الجواب :-

اگر حافظ ابن الہمام مصنفین عالمگیری (اپنے وقت کے پانچ سو جید اور محقق علماء احناف نے اس کو

سلطان عالم کبر کے حکم سے مرتب کیا تھا) علامہ نثر بندائیؒ السید احمد طحاویؒ علامہ رحمۃ اللہ سبندیؒ ملا علی القاریؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ وغیرہ وغیرہ حضرات بقول مولف ندائے حق اس کارروائی میں مشرکین مکہ کے پیروکار ہیں یا یہ سب حضرات بناسپنی دیوبندی ہیں یا یہ جملہ حضرات ترمیم شدہ دیوبندیت کی راہ پر گامزن ہیں تو صاف لفظوں میں سن لیجئے کہ ہم سوائی برادران بھی انہی حضرات کے دامن سے وابستہ ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہمیں اس پر فخر ہے اور ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں انہی حضرات کے مسلک پر رکھے اور قیامت کے دن انہی حضرات کے ساتھ ہمارا حشر ہو آپ اپنے لیے جو راستہ چاہیں اختیار کر لیں۔

اولیک ابائی فحمتی بمثلہم اذا جمعتنا یا جریبہ الجامع
غور فرمائیے کہ مولف ندائے حق نے کس جرأت اور بے باکی سے ان اکابر علمادلت کی کڑی مشرکین مکہ سے جا ملائی ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ
نجدیوں سے بھی دو قدم آگے

موجودہ دور کے نجدی علماء کو تو سب وغیرہ کے مسائل میں خاصے متشدد اور اپنی سطحیت اور ظاہریت میں بہت مشہور ہیں وہ بھی اس مسئلہ میں کفر و شرک کا فتویٰ لگانے سے گریز کرتے ہیں اس کو صرف بدعتِ شنیعہ کہتے ہیں چنانچہ وہ یہ عنوان قائم کرتے ہیں۔

کلام الناس فی مسئلۃ سوال اللہ
بالمخلوق
اللہ تعالیٰ سے مخلوق کے واسطے سے سوال کرنے کے بارے میں لوگوں کا کلام
اور آگے لکھتے ہیں :-

بان الذی نعتقدہ انہ لا یفکر بہا احداً
بل نقول ہی بدعتہ شنیعہ نہی عنہا
السلف الخ (الدرد السنیۃ فی الاجوبۃ الجدیۃ)
جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم اس کی وجہ سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ ایک بُری بدعت ہے جس سے سلف نے منع کیا ہے۔

حضرت بلالؓ بن الحارث کا واقعہ جس کی تائید و تصدیق خلیفہ راشد حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ نے کی آپ پہلے پڑھ چکے ہیں آپ اس کی روشنی میں بخوبی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کیا حضرات

نے اس سے منع کیا ہے یا اس کی اجازت دی ہے؟ نیز آپ حضرات فقہاء کرامؒ کی صریح عبارات پڑھ چکے ہیں جن سے اس کا روائی جواز اور استحباب ثابت ہے اور بدعتِ ثنیعہ جائز اور مستحب نہیں ہوتی قطع نظر اس سے نجدیوں کا فتویٰ بھی دیکھئے کہ وہ اس مسئلہ میں تکفیر نہیں کرتے لیکن مؤلف ندائے حق ہیں جو ان کا یہ فقہاء امت کی کڑی مشرکین مکہ سے ملانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں خالی اللہ المشتکی باقی مؤلف ندائے حق کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک (اور اسی طرح حضراتِ شیعینؒ کی قبور) کے پاس سفارش کی التجاہ اور شفاعت کی درخواست کو **لَا رِشْفَاعَ لَهَا** عِنْدَ اللّٰہِ کا مصداق قرار دینا خالص تحریف ہے کیونکہ اگر عند القبر شفاعت کی التجاہ اس کا مصداق ہوتی تو حضرت بلالؓ بن الحارث حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ اور فقہاء امت پر یہ بات وضع ہوتی اور وہ اس کی ہرگز اجازت نہ دیتے کیونکہ یقینی بات ہے کہ وہ حضرات قرآنِ کریم اور اس کی تفسیر اور اس کے معانی و مطالب کو مؤلف ندائے حق اور ان کے مشیروں سے زیادہ جانتے تھے۔ الغرض اس مسئلہ سے یہ آیت کریمہ بالکل غیر متعلق ہے اس سے غائبانہ شفاعت مراد ہے جس سے علم الغیب اور حاضر و ناظر کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے جو خالص شرک ہے بقدر ضرورت اس کی بحث ہم نے سماع الموثیٰ میں کر دی ہے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ استمداد عند القبر کے جواز اور عدم جواز میں خاصا اختلاف نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو مائتہ مسائل ص ۳۶۷ اور مسائل اربعین مسئلہ ۴۷ میں جو یہ لکھتے ہیں۔
 ”وَمِنْ أَلْسِنَاتٍ كَلَامُ فَهْمٍ عَامٍ اسْتَدَاكَ أَنْ تَكُنْ اسْتَدَاكَ الْقُبُورُ أَنْبِيَاءُ كُنْتُمْ بَارِئِينَ مِنَ الْقُبُورِ غَيْرِ الشَّيْءِ
 ہمہ جائزہ نیست“

تو بظاہر اس سے اہل قبور سے مرادیں مانگنا مراد ہے ورنہ استشفاع عند القبر تو اکثر اہل عام فقہاء کے نزدیک جائز ہے کما تر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر حضرت شاہ عبد الغزیز محدث دہلویؒ کے دو فتوے عرض کر دیں تاکہ بات کی تمہ تک پہنچنا آسان ہو جائے۔

سوال: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اولیاء کرام و شہداء و صلحانے عالی مقام سے بعد وفات کے اس طور سے استمداد درست ہے یا نہیں کہ لے فلاں بزرگ حق تعالیٰ سے میری حاجت دوائی کچھ لئے آپ عرض کریں اور میری سفارش کریں اور میرے لیے دعا کریں؟

۰ جواب :- استددا اموات سے بلاشبہ بدعت ہے خواہ قبر کے پاس استددا کی جاوے یا غائبانہ ہوئے صحابہؓ و تابعینؓ کے زمانے میں یہ امر نہ تھا لیکن اس بارہ میں اختلاف ہے کہ استددا کرنا بدعت حسنہ ہے یا بدعت سیئہ ہے۔ اور طریقہ استددا کے مختلف ہونے سے استددا کے بارہ میں کیا حکم بھی مختلف ہوتا ہے؛ تو اگر استددا اس طریقے سے کیا جاوے جو سوال میں مذکور ہے تو ظاہراً جائز ہے اس واسطے کہ اس صورت میں شرک لازم نہیں آتا جیسا کہ بزرگوںؒ سے بحالت حیات استددا کرنا اس طور سے جائز ہے کہ ان سے عرض کیا جاوے کہ درگاہ الہی میں میری حاجت روائی کے لیے آپ دعاء و التجار کریں اور اگر اموات سے استددا کسی دوسرے طریقے سے ہو تو اس طریقے کے موافق حکم ہوگا الخ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۸۷ مترجم اردو واصل فارسی ج ۱ ص ۱۹ طبع مجتہبی دہلی)

اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمانؓ بن حنیف کی اس روایت کا ذکر کیا ہے جو ترمذی اور مشکوٰۃ وغیرہ کے حوالہ سے آگے آ رہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس عبارت سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک یہ روایت شرک اور ناجائز نہیں بلکہ جائز ہے ہاں البتہ وہ اس پر بدعت حسنہ کا اطلاق کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؓ کے زمانے میں نہ تھا بلکہ اہل البیہا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات بلالؓ بن الحارث اور حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کی روایت ان کے پیش نظر نہیں ہے ورنہ وہ ایسا نہ فرماتے مگر حال کچھ بھی ہو وہ اس روایت کو جائز قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ شرک نہیں ہے و هو المطلوب۔

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی ایضاح الحق الصریح ص ۸۵ کی عبارت کا جواب ہم نے سماع الموتی میں عرض کر دیا ہے اس کو وہیں ملاحظہ کر لیں (ان کی عبارت سے مؤلف ندائے حق نے ص ۱۱۹ میں استدلال کیا تھا)

نیز حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

واما استددا بالقبور در غیر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا غیر انبیاء علیہم السلام منکر شدائد آنرا البیہائے از فقہائے مے گویند کہ نیست زیارت بہر حال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ (کیونکہ ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں (فتاویٰ رشیدیہ)

مگر برائے رسانیدن نفع باموات بدعار و
استغفار و قائل گشتہ اندیاں بعضے از ایشان
وظاہر است کہ از فقہاء آنانکہ قائل بسبع وادراک
اند قائل بجواز اند و آنانکہ منکر اند آں را نیز انکار
کنند و آں امر سبب ثابت و مقرر نزد مشائخ
صوفیہ اہل کشف و کمال ناانکہ گویند اکثری را
فیوض و فتوح از ارواح رسیدہ امام شافعی رحمۃ
اللہ تعالیٰ علیہ گفتہ کہ قبر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
تربیان مجرب است مراجعت دعا را
(فتاویٰ غریزی ج ۲ ص ۱ طبع محبتانی دہلی)

باقی اہل القبور سے مدد طلب کرنے کے بہت سارے
حضرات فقہاء کرام منکر ہیں وہ فرماتے ہیں کہ زیارت
کا یہی مطلب ہے کہ مُردوں کو دعا و استغفار سے نفع
پہنچایا جاوے اور بعض فقہاء کرام اس کے جواز کے
قائل ہیں اور ظاہر ہے کہ فقہاء میں سے جو میت کے سماع
اور ادراک کے قائل ہیں وہ اس کے بھی قائل ہیں اور جو
اُس کے منکر ہیں وہ اس کے بھی منکر ہیں اور یہ امام
مشائخ صوفیاء میں سے اہل کشف و کمال کے ثابت
اور محقق ہے وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اکثر فیوض اور
اشکالات کا حل ارواح سے ہوا ہے امام شافعی رحمۃ
ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ
تربیان مجرب ہے۔

اور پھر اس کی مزید بحث کرنے کے بعد آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔

استمداد کی صورت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ محتاج
اپنی حاجت اللہ سے طلب کرتا ہے مگر توسل اُس بندہ
کے جو اللہ تعالیٰ کے دربار میں مقرب و مکرم ہے اور کتنا
ہے کہ اسے پروردگار اس بندہ کی برکت سے جس کو تو نے
اپنی رحمت اور اکرام سے نوازا ہے میری حاجت پوری
کرے اور یہاں اس بندہ مقرب و مکرم کو نذر کرتا ہے کہ اے
اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے ولی آپ میرے لیے
سفارش کریں اور اللہ تعالیٰ سے میرے مطلوب کی انجام گیری
کہ وہ میری حاجت پوری کرے سو اس صورت میں بندہ
درمیان میں صرف وسیلہ ہے فاو اور دینے والا اور جس

و نیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند
حاجت خود را از جناب عزت الہی بتوسل روحانیہ
بندہ کہ مقرب و مکرم درگاہ والا است و گوید خداوند
ببرکت ایں بندہ کہ تو رحمت اکرام کردی اور ابراہیم و
گرداں حاجت مرا باند کند آں بندہ مقرب و مکرم
را کہ اے بندہ خدا و ولی و شفاعت کن مرا
و بخواد از خداے تعالیٰ مطلوب مرا
ناقصا کند حاجت مرا پس نیست بندہ در میان
مگر وسیلہ و فاو و معطی و مسؤل پروردگار است
تعالیٰ شانہ و دروے ہیچ شائبہ شرک نیست

چنانکہ منکر و ہم کردہ و اک چنان است کہ توسل و طلب دعا از صالحان و دوستان خدا در حال حیات کند و آن جائز است باتفاق پس آن چرا جائز نباشد و فرقی نیست در ارواح کاملہ و در جہن حیات و بعد از ممات مگر در ترقی کمال و فناوی عزیزی چہ ص ۱۸۵

سوال کیا گیا ہے وہ صرف پروردگار ہے اور اس صورت میں شرک کا شائبہ تک بھی موجود نہیں ہے جیسے اللہ منکر نے ہم کیا ہے اور یہ صورت ایسی ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں اور ولیوں سے ان کی زندگی میں اُن سے توسل اور طلبِ دعا کی جاتی ہے اور وہ بالاتفاق جائز ہے تو یہ صورت کیوں جائز نہیں ہے؟ اور اگر ہمیں کے ارواح میں زندگی اور بعد از وفات میں کوئی فرق نہیں ہاں مگر (بعد از وفات) ترقی کمال میں (جو پہلے سے بعد از وفات زیادہ ہوتی ہے)

حضرت شاہ صاحب کی اس مفصل عبارت سے معلوم ہوا کہ قبر کے پاس شفاعت طلب کرنے اور توسل کا مذکورہ بالا طریقہ جائز ہے اس میں شرک کا شائبہ تک نہیں ہے۔
الغرض حضرات فقہاء کرام نے عند القبر جس توسل اور استشفاع کا ذکر کیا ہے یہ صورت جائز ہے اور وہ ھُوَ لَا شُفْعَاءَ عِنْدَ اللّٰہِ کی مد اور زرد میں کسی طرح بھی نہیں آتی محض کوئی تحکم اور سپینہ زوری کا مظاہرہ کرنا چاہیے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

مغالطہ: عند القبر سوال کی ایک اور صورت بھی ہے جو خالص کفر و شرک ہے اور سطحی قسم کے لوگ پہلی صورت اور اس میں فرق نہ کرنے یا نہ سمجھنے کی وجہ سے الجھن میں پڑ جاتے ہیں اور اس صورت کا حکم پہلی صورت پر چسپاں کر دیتے ہیں جس سے خود مغالطہ کھاتے اور دوسروں کو مغالطہ میں ڈالتے ہیں چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ایک اور مقام میں اہل قبور سے مدد مانگنے کی طویل بحث کرتے ہوئے اور اس کی قسمیں تباتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

دوم آنکہ چیزیکہ خصوصیت بجناب الہی وارد مثل دادن فرزند یا بارش باران یا دفع امراض یا طول عمر و مانند ایس چیز با بے آنکہ دعا و سوال از جناب الہی در نیت منظور باشند از مخلوق و درخواست دوم یہ کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے مثلاً اولاد دینا یا بارش نازل کرنا یا بیماریاں دوا کرنا یا عمر لمبی کرنا اور اسی طرح کی اور شایہ اگر دعاؤ سوال کے وقت اللہ تعالیٰ سے مانگنا نیت میں

نمائند اس نوع حرام مطلق بلکہ کفر است و اگر
 از مسلمانان کسے از اولیائے مذہب خود خواہ
 زندہ باشند یا مُردہ اس نوع مدخو ابدانہ دائرہ
 مسلمانان خارج مے شود اھ
 (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۳۳ و ۳۴)

مخو ظنہ ہو اور مخلوق سے اس کی درخواست کرے
 تو یہ قسم مطلق حرام بلکہ کفر ہے اور اگر مسلمانوں میں
 کوئی شخص اپنے مذہب کے اولیاء سے خواہ وہ
 زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں اس طرح کی مد
 چاہے تو وہ مسلمانوں کے دائرہ سے خارج ہو
 جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں سے یوں مُرادیں مانگنا کہ تو میرا کام کر دے خالص کفر و شرک
 ہے اور جہلا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو قبروں پر حاضر ہو کر بزرگوں سے یہ سودا بازی کرتے ہیں کہ
 گھر لے لے پتر دے

اور یہی وہ صورت ہے جس کے بارے میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی فرماتے ہیں
 و دعا از آئنا خواستن حرام است (مالا بد منہ علیہ) یعنی اہل قبور سے مُرادیں مانگنا حرام ہے۔
 اور یہی وہ استعانت ہے جس کے بارے میں حضرت مولانا گنگوہی ارشاد فرماتے ہیں۔
 دوسرے یہ کہ صاحب قبر سے کہے کہ تم میرا کام کر دو یہ شرک ہے خواہ قبر کے پاس کئے خواہ
 قبر سے دور کہے اھ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹ طبع جدید برقی پریس دہلی)
 اور اسی صورت کے بارے میں حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ توسل بالمخلوق کی تین تفسیریں ہیں
 ایک یہ کہ مخلوق سے دعا کرنا اور اس سے التجا کرنا جیسا مشرکین کا طریقہ ہے اور یہ بالا جماع
 حرام ہے اھ (لبواد النوار ط ۵۹) اور یہی وہ صورت ہے جس کو ہمارے پیرو مرشد حضرت مولانا
 حسین علی صاحب نے تفسیر بے نظیر ص ۲۸ میں بحوالہ حافظ ابن تیمیہ نقل کیا ہے وہ لوگ جو انبیاء و
 صالحین کو بعد موت کے نزدیک سے پکارنے ہیں وہ بھی مشرک ہیں انتہی بلفظ
 الغرض استعانت باہل القبور کی یہ صورت کفر و شرک اور بالا جماع حرام ہے بخلاف پہلی صورت
 کے کہ اس میں مراد تو اللہ تعالیٰ سے مانگی جاتی ہے بزرگوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف سفارش
 بنایا جاتا ہے اور یہ طریقہ جیسا کہ زندگی میں درست ہے بقول حضرت شاہ عبدالعزیزؒ بعد از وفات
 بھی درست ہے اس میں شرک کا شائبہ تک بھی موجود نہیں ہے۔

۲۔ مؤلف ندائے حق نے حضرات فقہاء کرام اور علماء ملت کی عبارات سے گلو خلاصی کا ایک طریق تو وہ اختیار کیا جو آپ علیہ میں پڑھ چکے ہیں دوسرا طریق انہوں نے یہ اختیار کیا۔ ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ سو جیسے بریلویہ کی تعظیم بلا دلیل و خلاف قاعدہ ہے اسی طرح آپ کی تعظیم بھی بلا دلیل اور خلاف قاعدہ ہے (اس سے قبل اسی صفحہ میں لکھتے ہیں پھر زمانہ حال میں بریلویوں کو کیوں برا کہتے ہو تم نے صلوٰۃ و سلام پر سماع کا حصر اڑایا (یعنی شفاعت کو بھی جائز رکھا۔ صغیر) اور پھر نبی کے سماع کے حصر کو بھی اڑایا (یعنی حضرات شیخین کو بھی شامل کر لیا صغیر) جیسے وہ لوگ اپنے مسلک کی تائید میں کسی ایرے غیرے نٹھو خیرے کا قول کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکالنے میں اگرچہ کتاب و سنت کے خلاف ہو ایسے ہی تم نے بھی اپنی تائید میں کتابوں کے حوالے پیش کئے دلائل اربعہ (کتاب و سنت و جماع و قیاس مجتہد) میں سے نہ ان کا دعویٰ ثابت اور نہ تمہارا۔ یہود و نصاریٰ بھی توریت و انجیل کو چھوڑ کر اپنے ماتھے سے لکھی ہوئی پوتھیاں ہی پیش کرتے تھے۔ (بلفظ ص ۶۷ و ص ۶۸)

الجواب:۔ مؤلف مذکور کی بیباکی ملاحظہ کیجئے کہ وہ حضرات فقہاء کرام کے اس مختلط طبقہ کو جس کے احتیاط سے بڑھ کر احتیاط کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ایرے غیرے اور نٹھو خیرے سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کی مستند اور معتبر کتابوں کو جو علوم اسلامیہ کا بیش بہا ذخیرہ ہیں پوتھیاں سے تعبیر کر کے اپنے دل ماؤف کی بھڑاس نکالتے ہیں۔ (لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اگر یہ حضرات ایرے غیرے نٹھو خیرے ہیں تو نہ معلوم دینی اور فقی خدشات کرنے والے کون حضرات ہوں گے؟ اور اگر ان حضرات کی کتابیں پوتھیاں ہیں تو علوم شرعیہ کا ذخیرہ کن کتابوں میں ملیگا؟ اور مؤلف مذکور خود خیرے سے کتاب و سنت اور جماع و قیاس مجتہد سے ایک حوالہ بھی نہیں پیش کر سکے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک کا آپ کے جسد اطہر سے قبر مبارک میں کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ آپ عند القبر صلوٰۃ و سلام کا سماع نہیں فرماتے اور یہ کہ آپ سے یا حضرات شیخین سے مذکورہ بالا طریقہ سے توسل ناجائز ہے اور الشاء اللہ العزیز قیامت کی پیش گوئی نہیں کر سکیں گے غیروں کی طرف سے یا اپنی طرف سے غیر متعلق حوالے اور عبارات پیش کرنے سے کچھ نہیں بنتا جیسا کہ کسی بھی اہل علم سے یہ مخفی نہیں ہے۔

۳۔ مؤلف ندائے حق نے اس سے بھی زیادہ مفتوحہ خیر اور تأسف انگیز بات یہ لکھی ہے کہ بس ہم اب آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ جتنی کتابوں میں یہ مسئلہ قبر پر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دعا واستغفار استشفاع کا جو معتبر کتب میں لکھا جا چکا ہے وہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے اور بس بلفظہ (ص ۳۱۱)

الجواب :- ان ٹھوس عبارات اور صریح حوالوں سے چھٹکارے کے لیے اس سے بہتر جواب اور کوئی نہیں ہو سکتا یہ الیسا جواب ہے جس سے مؤلف ندائے حق کی مرضی کے علاوہ تمام اُن امور کا قلع قمع ہو جاتا ہے جن کو وہ تسلیم کرتے پر آمادہ نہیں ہیں لیکن ہم لکبر کے فقیر کیا کریں؟ اگر ان مشہور و متداول اور بقول مؤلف مذکور معتبر کتابوں میں بھی باغی ٹھس گئے ہیں تو پھر اسلامی کتابوں کا اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا حشر ہوگا؟ اور ان باغیوں نے ان میں داخل ہو کر کیا کچھ نہ کیا ہوگا؟ بعض بزرگوں نے قطعیات کے خلاف بعض غیر معروف کتابوں کے بارے میں یہ بات تو کبھی ٹھنی لیکن حضرات فقہاء کرام کی معتبر مستند متداول مشہور اور بے شمار کتابوں کے بارے میں یہ تیر بہدف نسخہ اور اکسیر اعظم صرف مؤلف مذکور ہی کو سوجھی ہے۔

اقامۃ البرہان :- یہ جواب تو تھا مؤلف ندائے حق کا اب آپ مؤلف اقامۃ البرہان کا جواب بھی ملاحظہ کیجئے جس سے انہوں نے حضرات فقہاء کرام اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کے فتاویٰ رشیدیہ سے کلو خلاصی چاہی ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں اگر فتاویٰ رشیدیہ کے مرتب سے یہاں سہو نہیں ہوا اور یہ الفاظ واقعی حضرت گنگوہیؒ ہی کے ہیں تو اس کے بارے میں بادب گذارش ہے کہ اصولی طور پر اس دلیل سے اتفاق مشکل ہے اس لیے کہ جس حدیث پر سماع انبیاء علیہم السلام کا مدار ہے بشرط صحت اس سے صرف صلوٰۃ و سلام کا سماع ثابت ہوتا ہے اور یہ حکم یعنی سماع عند القبر چونکہ خلاف قیاس ہے اس لیے اپنے مورد پر بند رہے گا لہذا سماع صلوٰۃ و سلام پر قیاس کر کے استشفاع عند القبر کو جائز کہنا صحیح نہیں اور مطابق فتویٰ شاہ محمد اسحاقؒ انبیاء علیہم السلام کی قبور کا استشفاع جائز نہیں۔ باقی رہا فقہاء کا لکھ دینا تو یہ جواز کے لئے کافی نہیں، کیونکہ یہ قول متاخرین کا ہے اور ان کو مذہب میں ایک نیا قول ایجاد کرنے کی اجازت نہیں۔

قبر مبارک تو امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کے زمانہ میں بھی موجود تھی مگر انہوں نے قبر مبارک پر شفاعت مغفرت عرض کرنے کی اجازت نہیں دی اس لیے ان متأخرین کا قول حجت نہیں چنانچہ فتاویٰ غیاثیہ میں شیخ الاسلام شہیدؒ سے نقل ہے کہ لانأخذ باستحسان مشائخ البلخ وانما تأخذ بقول اصحابنا المتقدمین اه (ص ۲۹۵ و ۲۹۶)

مؤلف ندرتے حق نے بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے (مکتوبات ج ۲ ص ۲۱ کے حوالہ سے شیخ الاسلام شہیدؒ کی یہ بالا عبارت پیش کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں پھر آگے مؤلف مذکور جوش میں آکر لکھتے ہیں اب فرمائیے کہ آپ کن دلائل کے ذریعہ متأخرین کے اس نازیبا عمل کو مستحسن قرار دیتے ہیں جب کہ آئمہ اربعہؒ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں پھر متأخرین کی کون سنتا ہے! بلقظہ (ندائے حق ص ۱۲ و ۱۳)

الجواب: جمہور کے دلائل عرض کر دیئے گئے ہیں اگر آپ حضرات کا حضرت گنگوہیؒ سے اتفاق مشکل ہے یا آپ کے نزدیک متأخرین کا قول حجت نہیں یا وہ نازیبا عمل ہے تو یقین جانئے کہ ہمیں ان سے اتفاق کرنے اور ان کے قول کو حجت سمجھنے اور ان کے قول کو جو حضرت بلالؓ اور حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کے قول و عمل سے مؤید ہے زیبا سمجھنے کا فخر حاصل ہے اور ہمارے لیے اتفاق آسان ہے حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے اقوال پہلے گزر چکے ہیں باقی آئمہ کرامؒ سے لے کر آئمہ بھی ثابت نہیں اور حضرات متأخرین کا قول محض استحسان نہیں بلکہ حضرت بلالؓ کے عمل پر مبنی ہے جس کو حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کی تائید حاصل تھی لہذا حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ الاسلام شہیدؒ کا حوالہ بالکل غیر متعلق حوالہ ہے اور یہ ناقلین کو بہرگز مفید نہیں ہے کمال بخفی

اعترض :- دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا عموماً اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خصوصاً عند القبر سماع ثابت نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے دلائل اس کے خلاف ہیں اولاً اس لیے کہ حضرت عزیر علیہ السلام سو سال تک مردہ رہے اور جب اس کے بعد زندہ ہوئے تو انہوں نے اس طویل زندگی کو یوماً اذ بعض یوم سے تعبیر کیا اگر سماع ثابت ہوتا تو ایسا نہ ہوتا بلکہ ان کو معلوم ہوتا کہ کتنا عرصہ گزر چکا ہے وثانیاً قرآن کریم میں اِنَّكَ

لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى الْآيَةَ اور اس مضمون کی جتنی بھی آیتیں آتی ہیں وہ سماع کی نفی کرتی ہیں، عام اس سے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع ہو یا عام موتی کا و ثَلَاثًا انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں حجرہ اور مسجد کے باہر لوگ باتیں کیا کرتے تھے اور ایک موقع پر حضرت ابن مسعود کی اہلیہ حضرت زینبؓ نے دروازہ کے باہر حضرت بلالؓ سے باتیں کیں اور مسئلہ دریافت کیا مگر آپ نہ سُن سکے تو قبر میں اتنی مٹی کے نیچے کیسے سُن سکتے ہیں؟ (محصلہ)

الجواب :- اس کی پوری تحقیق تو سماع الموتی کے رسالہ میں ہوگی جو انشاء اللہ الگ شائع ہوگا اور اب بفضلہ تعالیٰ شائع ہو چکا ہے یہاں نہایت اختصار سے یہ عرض ہے کہ حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خصوصاً انحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عند القبر سماع کی نفی ان دلائل سے باطل ہے پہلی شق کا جواب یہ ہے کہ حضرت غزیر علیہ السلام کے واقعہ سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قبر اور برزخ کی زندگی کا احساس عموماً نہیں ہو سکتا کہ کم گزری یا زیادہ؟ وہاں مومنوں کی راحت و خوشی اور بدکاروں کی تکلیف و توجیب اس انداز سے ہوتی ہے کہ زمانہ کا صحیح ادراک ہی نہیں ہو سکتا، اور آخر اس جہاں میں بھی آرام و خوشی کے موقع پر اکثر ایسا ہو جاتا ہے کہ وقت کا پتہ نہیں چلنا کہ تھوڑا گزرا ہے یا زیادہ؟ اور تکلیف کے وقت تھوڑا عرصہ بھی زیادہ معلوم ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ غمی میں بھی وقت کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا صاحب تسکین القلوب نے بجا فرمایا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ خوشی کے وقت مرور زمانہ کا احساس نہیں رہتا اور تکلیف دکھ اور غم فراق کے وقت یہ احساس بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے الخ (ص ۵۵) گویا غمی میں وقت اور زمانہ کی تعین و تحدید میں افراط ہو جاتا ہے اور خوشی میں تفریط کچھ بھی ہو صحیح اندازہ تو نہ رہا۔ وھو المطلوب چنانچہ علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں :-

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اُڑتے جاتے ہیں

مگر گھڑیاں جدائی کی گذرتی ہیں مہینوں میں

الغرض :- حضرت غزیر علیہ السلام کے اس واقعہ کو عدم سماع سے کوئی تعلق نہیں

آخر یہی مضمون حضرات سلف و خلفؑ کے سامنے بھی تھا۔ مگر وہ بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

السلام کے سماع کے قائل تھے اور کسی نے اس مضمون سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عند القبر عدم سماع پر استدلال نہیں کیا۔ علامہ ابن عبد الہادیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

ولا يجوز احداث تأويل في آية
وسنتهم لم يكن على عهد السلف و
لا عرفوه ولا بينوه للامة فان هذا
يتضمن افهم جهلوا الحق في هذا
صلوا عنه واهتدى اليه هذا المعتبر
المستأخر فكيف اذا كان التأويل يخالف
تأويلهم وينافضه وبطلان هذا
التأويل اظهر من ان يطنب في ردّه
(الصارم المنكي ص ۲۷۲ طبع مصر)

جائز نہیں کہ کسی آیت یا حدیث کا کوئی ایسا معنی اور
تأویل کی جائے جو حضرات سلفؑ کے زمانہ میں کی گئی
ہو اور نہ انہوں نے وہ تأویل سمجھی ہو اور نہ اُمت کے سامنے
بیان کی ہو کیونکہ یہ اس بات کو متفق ہے کہ سلفؑ اس
میں حق سے جاہل رہے اور اسے بہک گئے اور نہ سمجھے
آنے والا مغرض اس کی تہہ کو پہنچ گیا اور نہ سبب کہ
متاخر کی تأویل سلفؑ کی تأویل کے خلاف اس نے عکس
ہو چکر کیونکہ وہ قبول کی جاسکتی ہے؟ اور اس تأویل کا
بطلان ایسا ظاہر ہے کہ اس کے رد کے لیے کسی
بسط کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت کریمہ یا حدیث شریف کا مطلب اور معنی حضرات سلف
صالحینؑ نے نہ سمجھا ہو اور نہ کیا ہو اور متاخرینؑ میں سے کسی نے سمجھا اور کیا ہو تو اس کا کوئی
اعتبار نہیں اور وہ معنی یقیناً مردود ہے اور حضرت غزیر علیہ السلام سے متعلق اس مضمون حضرات
سلف صالحینؑ میں سے کسی نے عدم سماع موتی اور خصوصاً عدم سماع انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
والسلام پر استدلال نہیں کیا لہذا اس سے یہ استدلال باطل اور مردود ہے۔ دلائل کی مدد سے
اس کی کوئی وقعت نہیں ہے خواہ اس کے کہنے والی شخصیت متاخرین میں کتنی ہی بڑی ہو
حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

لے نیک نجات جو چیز ہم پر اور تم پر لازم ہے وہ
کتاب سنت کے مطابق عقائد کی اصلاح کرنے پر ہے
مگر اس طریقہ پر کہ علماء اہل حق نے (الافتال ان کی
سادت آثار آئینہ بر ما و شما لازم است تصحیح
عقائد مقتضائے کتاب سنت بر ہنجیکہ علماء
اہل حق شکر اللہ سعیم از کتاب سنت ان

خفاً نہ را فہمیدہ اند و از آنجا اخذ کردہ چہ فہمیدن ما
و شما از چیز اعتبار ساقط است اگر موافق افہام میں
بزرگواران نباشند۔ زیرا کہ ہر مہندع و نسال احکام
باطلہ خود را از کتاب سنت فی فہم و از انجا اخذ
فی نماید و الحال انہ لا یغنی من الحق شیئاً۔
(مکتوبات دفتر اول حصہ سوم ط ۳۳ مکتوب
ع ۵۵ طبع امرتسر)

کوششوں کو بار آور کرے) کتاب و سنت سے
ان کو سمجھا ہے اور ان سے اخذ کیا ہے کیونکہ ہمارا
تمہارا سمجھنا اگر ان بزرگوں کے فہم کے مطابق نہ ہو
کے مقام سے ساقط ہے کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے
باطل احکام کو کتاب سنت ہی سے سمجھتا ہے اور
وہاں ہی سے اخذ کرتا ہے حالانکہ اس کا سمجھنا حق
کی کسی چیز سے نفی نہیں کرتا۔

اس سے بھی وضاحت کے ساتھ ثابت ہوا کہ قرآن و حدیث کے مطلب اور معنی کے
سمجھنے میں حضرات سلف صالحین کے فہم پر اعتماد کرنا پڑے گا اور اس کے بغیر چارہ نہیں ورنہ
سخت ٹھوکر لگے گی۔

اور دوسری شق کا جواب یہ ہے کہ اِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتٰی اور اسی طرح اس مضمون کی
جتنی بھی دیگر آیات ہیں ان سے سماع موتی کی نفی پر استدلال اگرچہ بعض سلف نے کیا ہے
جن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ پیش پیش ہیں مگر جمہور نے ان کا ساتھ نہیں دیا بلکہ جمہور حضرت
ابن عمرؓ کے ساتھ ہیں جو سماع موتی کی روایت کے راوی اور اس کے مقرر ہیں۔ چنانچہ حافظ
ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ :-

والصحيح عند العلماء رواية عبد الله بن
عمرو لما له من الشواهد على صحتها من
وجوه كثيرة الخ (تفسير ابن كثير ۳/۲۳۸)

اور صحیح بات علماء کرام کے نزدیک حضرت عبداللہ
بن عمرؓ کی روایت ہی ہے کیونکہ اس کی صحت پر کئی
شواہد دلالت کرتے ہیں۔

اور اس پر بحث کرتے ہوئے آگے سماع موتی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-
والسلف مجمعون على هذا وقد تواترت
الاثار عنهم بأن الميت يعرف بزيارة
الحی له ويستبشر به الخ (تفسير ابن كثير ۳/۲۳۸)

اور سلف صالحین کا اس بات پر اجماع ہے اور
بلاشبہ تواتر کے ساتھ ان سے مروی ہے کہ مردہ
اس زندہ کو جو اس کی زیارت کرتا ہے پہچانتا ہے
اور اس سے خوش ہوتا ہے۔

اور اس آیت کا مطلب حافظ ابن کثیرؒ یہ بیان فرماتے ہیں۔

ای لا تسمعہم شیئاً ینفعہم فکذا لک ہولاء یعنی تو ان کو کوئی چیز نہیں سنا سکتا جو ان کو نفع دے
 علی قلوبہم غشاوۃ ففی اذا ہم و قدر پس اسی طرح ان کفار کے دلوں پر پردے ہیں اور
 الکفر (تفسیر ابن کثیرؒ ج ۳ ص ۳۸)

یعنی آیت کا یہ مطلب نہیں کہ مُردے سنتے نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے حق میں سماع مفید اور نافع نہیں کیونکہ جب تکلیفی زندگی ختم ہو چکی ہو تو پھر ایمان لانے اور توبہ کرنے کا کیا معنی؟ پس یہی حال زندہ کافروں کا ہے کہ وہ سنتے تو ہیں مگر ان کو سماع مفید اور نافع نہیں، کیونکہ وہ ایمان نہیں لاتے اور حق کو قبول نہیں کرتے آخر خود قرآن کریم میں اس کی تصریح موجود ہے کہ:-

إِنْ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ (پ - النمل - ۶)

اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ دنیا میں جو کافر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور مسلمان نہیں ہوئے وہ سنتے ہی نہ تھے اگر ان سے قوت سماع ہی سلب کر لی گئی تھی تو وہ مکلف کس امر کے تھے؟ مطلب صاف ہے کہ وہ اس انداز سے نہیں سنتے تھے کہ وہ حق کو قبول کر لیں اور اس کو مان لیں اور سماع ان کے حق میں مفید اور نافع ہو۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی بول ہے:-

فَاعْوِضْ أَكْثَرَهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ (پ - حد السجدة - ۱)

اس کا مطلب بھی بجز اس کے اور کیا ہے کہ کافر اس انداز سے نہیں سنتے جو ان کے حق میں نافع اور مفید ہو، یہ مراد تو قطعاً اور یقیناً نہیں کہ کافر دنیا میں سنتے ہی نہ تھے اور نہ اب سنتے ہیں اور چونکہ کافروں کے اسماع کو مُردوں کے اسماع سے تشبیہ دی گئی ہے تو اصول کی رو سے مشبہ و مشبہ بہ میں مشابہت درکار ہے اور وہ یہی ہے کہ نہ کافروں کے حق میں سماع مفید اور نافع ہے اور نہ مُردوں کے حق میں ہاں نفس سماع دونوں کے لیے ثابت اور متحقق ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ چونکہ بعض احادیث میں مُردوں کا سنا قریب جگہ نہ کہ بعید جگہ سے وارد ہے اس لئے بعض علماء نے آیت (کے معنی) میں کہا ہے کہ مُراد سماع منفی سے سماع نافع ہے (بیان القرآن ج ۸ ص ۸۷) اور بھی متعدد مفسرین کرام نے اس آیت کو یہ کہ معنی میں یہی فرمایا ہے کہ اس سے مُردوں کے مطلق سماع کی نفی نہیں بلکہ سماع نافع اور مفید کی نفی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پائی پتیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:-

قلت اذا صح عن النبي صلى الله عليه وسلم
استلوان الموتى تسمع كلام الحي فمعنى
قوله تعالى اِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ يَا عِيسَىٰ
وَقَدْ رَفَعَكَ كَمَا اَنْتَ تَسْمَعُ الْحَيَّ عَلَىٰ
مَا جَرَىٰ بِهِ عَادَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى لَكِنَّ اللّٰهَ
تَعَالٰى يَسْمَعُ الْمَوْتَىٰ كَلَامَ الْاَحْيَاءِ اِذَا شَاءَ
اَو اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَىٰ سَمَاعًا تَنْتَرِبُ عَلَيْهِ
الْغَائِثَةُ اِنْ تَهَىٰ
(مغنیہ تفسیر مظہری ج ۲ ص ۲۵)

مرتب ہو۔

مطلب یہ ہے کہ یہ سنانا تیری قدرت اختیار اور بس میں نہیں ہے کیونکہ جس عالم میں یہ سماع ہے وہ قبر اور برزخ کا عالم ہے اور اس جہان میں جیسے سماع عاۃ اللہ کے مطابق ہے اُس جہان کا سماع اس سے متفاوت اور جُدا ہے، اس کو آپؐ ایسا ہی سمجھیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ
يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ الْاٰیَةُ
کہ بیشک تو ہدایت نہیں دے سکتا یعنی تجھے ہدایت دینے کا اختیار اور قدرت نہیں ہے، جس سے توجہت کرتا ہے اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت فرماتا ہے

اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے تو کسی کو ہدایت حاصل ہی نہیں ہوتی اور قاضی صاحب نے دوسرا مطلب اس آیت کریمہ کا یہ بیان فرمایا ہے کہ نفی اس سماع کی ہے جس پر کوئی نتیجہ ثمرہ اور فائدہ مرتب ہو اور وہی سماع ہو سکتا ہے جو نافع اور مفید ہو اور مرنے کے بعد سماع کا کیا فائدہ؟ کہ نہ ایمان قبول اور نہ توبہ بہر کیف یہ آیت کریمہ مطلقاً نفی سماع موتی کی دلیل نہیں ہے اور قطعی اور یقینی طور پر دلیل نہ ہونا تو واضح امر ہے اور بعض حضرات نے اسماع (سنانے) اور سماع (سننے) میں فرق کیا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اسماع کی نفی ہے سماع کی نہیں۔ لہذا اس آیت کریمہ کو سماع موتی کی نفی پر دلیل بنانا درست نہیں ہے چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

اپنے خیالِ نارسا کے موافق سمع اموات حد اسماع سے تو پرے ہے پر اسماع اموات ممکن ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خدا نے تَوَاتُّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باوجود اس کے سلام اہل القبور سنون کر دیا اگر اسماع ممکن نہیں تو یہ بیہودہ حرکت یعنی سلام اہل القبور لمحدوں کی زبان درازی کے لیے کافی ہے الخ مجال قاسمی ص ۱۰ طبع مجتہدائی دہلی

اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

اقول والاصح ادیت فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر (فیض الباری ج ۲ ص ۲۱۶) میں کتابوں کہ مردوں کے سماع کی حدیں تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اور دوسرے مقام پر منکرین سماع موتی کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دان ذخيرة الحديث تدل على سمع الموتى الخ (العرف الشذی ص ۳۵) حدیث کا ذخیرہ تو سماع موتی پر دلالت کرتا ہے۔

تو ان تمام لائل کو پیش نظر رکھ کر موصوف آیت کریمہ کا ایک مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ فقیل بالفرق بین السماع والاسماع والمنفی هو الثاني دون الاول الخ (فیض الباری ج ۲ ص ۲۱۶) اور یہ فرق بھی بیان کیا گیا ہے کہ سماع اور ہے اور اسماع اور ہے اور آیت میں نفی اسماع کی ہے نہ کہ سماع کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ سماع اور اسماع کا فرق بڑے بڑے اکابر نے ملحوظ رکھا ہے حضرت مولانا عثمانیؒ مسئلہ سماع موتی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

قال العبد الضعیف عفا اللہ عنہ والذی
فحصل لنا من مجموع التصووص واللہ اعلم
ان سماع الموتی ثابت فی الجملة بالاحادیث
الکثیرۃ الصحیحۃ (فتح الملهو ج ۲ ص ۴۹)
بندہ ضعیف اللہ تعالیٰ اس کی لغزشوں سے درگزر
فرمائے کہتا ہے کہ جو چیزیں مجبوتہ احادیث سے
حاصل ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے
یہ ہے کہ سماع موتی فی الجملة احادیث کثیرہ صحیحہ
سے ثابت ہے۔

اور اپنی مختصر مگر مستند تفسیر میں اس پر خاصی بحث کرتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں کہ :-
بہر حال آیت میں اسماع کی نفی سے مطلقاً اسماع کی نفی نہیں ہوتی واللہ اعلم انتہی۔
(۲، سورہ الروم ۵ ط ۵۳)

علامہ آلوسیؒ الحنفی اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے خاصی بحث کرتے ہیں اور اس
میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ :-

والحق ان الموتی یسمعون فی الجملة (روح المعانی ج ۲ ص ۵۳)
حق بات یہ ہے کہ مرنے والے فی الجملة سنتے ہیں۔

الحاصل انک لا تسمع الموتی سے سماع مفید اور نافع کی نفی مراد ہو یا یہ مطلب ہو کہ آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار سے یہ خارج ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں
ہے، اور یا مطلب ہو کہ نفی اسماع کی ہے، سماع کی نفی نہیں کوئی بھی تفسیر اور مطلب لیا جائے
موتی کے مطلق سماع کی نفی اس سے ثابت نہیں ہوتی جب عام موتی کے مطلق سماع کی نفی پر
یہ وال نہیں تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عند القبر جس کی بحث چل رہی ہے نفی
سماع پر یہ کیونکر دلیل بن سکتی ہے؟ اور اگر بالفرض عام موتی کے سماع کی نفی پر وال بھی ہو تو پھر
بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع اس سے خارج ہے۔ آخر اس مضمون کی
آیات تمام حضرات سلف صالحین کے سامنے بھی تھیں ان کا ورع اور تقویٰ بھی زیادہ تھا، خدا
خوفی بھی بڑی تھی اور قرآن کریم کی تفسیر اور مطالب پر بھی ان کی گہری نگاہ تھی مگر کسی نے اس مضمون

کی آیات سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے (عند القبور) سماع کی نفی پر استدلال و احتجاج نہیں کیا بلکہ ان کا اجماع اس کے خلاف منعقد ہوا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہیؒ وغیرہ کی صریح عبارت سے باحوالہ یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص حضرات سلف صالحینؒ کے مقابلہ میں اپنی ہی رائے پر مصر ہے اور اسی کو حرفِ آخر سمجھے تو اس جہان میں اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ عام سماع موتی کا مسئلہ اگرچہ اختلافی ہے مگر سائے مالکی، شافعی، حنبلی اور احناف کی اکثریت اور اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعت کی اکثریت سماع موتی کی قائل ہے اگر سماع موتی کے مسئلہ سے شرک پیدا ہوتا۔ یا یہ منجرائی الشریک ہوتا تو یہ اکابر علماء اسلام کبھی سماع کا اقرار نہ کرتے اور اگر ائیک لا تشیعہ الموتی اور اس مضمون کی دیگر آیات سے سماع موتی کی نفی ثابت ہوتی تو یہ اکابر قرآن کریم کے خلاف ہرگز یہ نظریہ نہ رکھتے اور اگر اپنے مقام پر سماع موتی کے دلائل و براہین ثابت اور متحقق نہ ہوتے تو یہ اکابر سماع موتی کا کیوں اقرار کرتے؟ ان میں سے ایک ایک بات صریح ہے اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ نئی جمہور ساتھ ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع تو اجماعی مسئلہ ہے اس کے نفی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن القیمؒ وغیرہ وہ بزرگ ہیں کہ اگر کسی بات سے شرک کا ادنیٰ ترین وہم بھی پیدا ہوتا ہو تو وہ اس کا سد باب کرتے ہیں اور اس کے خلاف محاذ قائم کر دیتے ہیں مگر سماع موتی کا مسئلہ اتنا صاف اور ایسا ہے غبار ہے کہ یہ بزرگ اس کے پُر زور حامی ہیں چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

وسماع المیت للاصوات من السلام والقراءة مردہ کا سلام و قرأت کی آوازیں کو سنانا حق (افتضاء الصراط المستقیم ط ۱۸ طبع مصر) حق ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ موتی کا سماع حافظ ابن تیمیہؒ کے نزدیک صرف سلام تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کے نزدیک قرآن کریم کی قرأت بھی بدعتِ نئی ہے اگر اس سماع میں شرعاً کوئی خرابی ہوتی یا یہ نصوص کے خلاف ہوتا تو موصوفہ اس کو حقیقی سے کبھی تعبیر نہ کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک آیت آتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی کوئی شخص اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا تو جب وہ اس کی قبر پر سلام کہتا ہے صاحب قبر اس کو (اس کی آواز سے) پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے (محصلہ الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۵۱) اس روایت کو امام ابن عبد البر علامہ عبد الحق اشعریؒ - ابن عبد الہادیؒ - قاضی شوکانیؒ اور مولانا عثمانیؒ وغیرہ سب صحیح کتے ہیں (تفصیل سماع الموتی کے رسالہ میں ہے) اس حدیث کو حافظ ابن القیمؒ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :-

فَهِذَا نَصٌ فِي أَنْ يَعْرِفَهُ بَعِيدُهُ وَيُرَدُّ عَلَيْهِ
السلام اه (کتاب الروح ص ۱)
یہ حدیث اس بات میں نص ہے کہ مرنے والا کو
بخصوص پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے
اور اپنے مشہور قصیدہ نوینیہ میں اس مسئلہ کو خوب پھیلا کر انہوں نے بیان کیا ہے اور مرنے
لے لے کر اشعار فرماتے ہیں - ان کے چند اشعار یہ ہیں -

وَهَذَا وَرَدٌ نَبِينًا تَسْلِيحُ مِنْ
يَأْتِي بِتَسْلِيحٍ مَعَ الْإِحْسَانِ
اور یہ امر صحیح ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
عمد طریقہ سے اس شخص کے سلام کا جواب دیتے ہیں جو
آپ کو سلام کہتا ہے۔
یہ بھی آپ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے
جیسا کہ خود اُس ذات گرامی نے فرمایا جس کو قرآن دے
کر بھیجا گیا ہے۔

مَنْ ذَا رَقَبٍ أَخْرَجَهُ فَاثِي
بِتَسْلِيحٍ عَلَيْهِ وَهُوَ ذُو إِيْمَانٍ
سَرْدُ الْإِلَهِ عَلَيْهِ حَقٌّ رَوْحُهُ
حَتَّى يَرُدَّ عَلَيْهِ سَرَادُ بِيَانٍ
جس شخص نے اپنے کسی مومن بھائی کی قبر کی زیارت کی اور
اس کے سلام کہا !
تو پروردگار یقینی طور سے اس پر اس کی روح کو لوٹا
دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کا جواب واضح بیان سے
لوٹاتا ہے۔ (النوینیہ ص ۱۴۵)

بعض لوگوں نے لَا يَسْمَعُونَ دُعَاءَكُمْ اور فَهَوُ عَنْ دُعَائِهِمْ غِغْلُونَ وغیرہ مضامین
کی آیات سے بھی یہ استدلال کرنے کی زکا م سعی کی ہے کہ عند القبر سماع نہیں نبی ہو یا ولی وغیرہ

لیکن ان کا یہ استدلال بالکل غلط ہے، ان آیات کا سماع موتی اور علی الخصوص حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عدم سماع سے کوئی تعلق نہیں تفصیل بفضلہ تعالیٰ اپنی جگہ پر کر دی گئی ہے اور اسی طرح بعض لوگوں نے اصحاب کھف کے قصہ سے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور دیک کے ان کی لاٹھی کو کھا جانے کے واقعہ سے بھی عدم سماع موتی اور عدم سماع انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر استدلال کیا ہے۔ مگر اس مسئلہ سے ان واقعات کا کوئی تعلق نہیں اور نہ دور کا واسطہ ہے حضرت سلف میں سے کسی نے ان سے یہ استدلال نہیں کیا۔

الغرض محض کشید اور زبرے شبہات کا نام دلیل اور برہان نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمائے اور حضرات سلف صالحین اور جمہور اکابر کے دامن سے وابستہ رکھے۔ امین ثم امین

تیسری نشق کا جواب

جملہ علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ نص کے مقابلہ میں قیاس قابل قبول نہیں بلکہ مردود ہے، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیثیں (جن کا باحوالہ ذکر ہو چکا ہے) اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ آپ کا عند القبر سماع ثابت ہے اور آپ سلام کہنے والوں کا جواب بھی دیتے ہیں تو اس کے مقابلہ میں یہ زبرے عقلی ڈھکوسلے کیا وقعت رکھتے ہیں کہ جب آپ رواۃ کے باہر لوگوں کی آوازیں دنیا میں نہیں سنتے تھے اور حضرت زینب کی آواز نہ سنی تو وفات کے بعد مٹی کے ڈھیر کے نیچے کیونکر سنتے ہیں اور پھر وہ عالم بھی الگ ہے اور عند قبری میں لفظ عند کتنی مسافت پر بولا جائے گا وغیرہ وغیرہ یہ سب قیاس فاسد اور مردود ہے اور حضرات سلف اور اکابر سے کٹ جانے کے بعد یہ محض اپنے ذہن کی ایجاد اور اختراع ہے اس کو بھلا کون سننا اور ماننا ہے؟ اس باطل قیاس کے قلم مقدّمات حضرات سلف اور اکابر کے سامنے بھی تھے مگر کسی نے عند القبر سماع کا انکار نہیں کیا بلکہ سو فیصدی حضرات نے اس کی تائید کی ہے اور یہی پہلو حق ہے اور یہی نظریہ رست ہے اور یہی مسلک صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی پر قائم ہو ائمہ رکھے۔ امین ثم امین۔

باب ششم

مسئلہ توسل

دعا کا مسنون طریقہ جو متعدد احادیث سے ثابت ہے یہ ہے کہ دعا کنندہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرے اور اس کے بعد درود شریف پڑھے اور اس کے بعد نہایت اخلاص بے حد عاجزی اور بہت ہی تضرع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے دل میں جتنی قوت ہوگی اور جتنا سوز و گداز ہوگا اتنی ہی دعا زور و اثر ہوگی اور جس قدر غفلت اور بے پرواہی سے دعا کی جائے گی اتنی ہی وہ غیر مؤثر ہے گی اور آخر میں پھر درود شریف پڑھ کر ماتم منہ پر پھرے اس بات میں اہل اسلام کا کوئی نزاع نہیں ہے ہاں البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ دعائیں یہ کہا جاسکتا ہے یا نہیں کہ مثلاً اے پروردگار تو بوسیلة آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا بطویل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یا یہ برکت حضرت امام ابو حنیفہ یا بکرم حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ یا بجاہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ میرا کام کر دے؟ یا اس قسم کا کوئی مفہوم ہو جس کو اپنی زبان، لغت اور عرف کے اعتبار سے ادا کرے تو آیا یہ درست ہے یا نہیں؟ حافظ ابن تیمیہؒ اور ان کے اتباع اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایسا کہنا درست نہیں ہے حافظ ابن تیمیہؒ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب ”القاعدة الجلیة فی التوسل بالوسيلة“ تصنیف فرمائی ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے دلائل پیش کئے ہیں اور دوسرے حضرات کو جواب دینے کی سعی بھی فرمائی ہے اور اس کے علاوہ بھی اپنی دیگر کئی کتابوں مثلاً فتاویٰ منہاج السنۃ اور زیارة القور وغیرہ میں اجمالاً و تفصیلاً اس پر بحث

کی ہے۔ علامہ سبکیؒ اس مسئلہ میں حافظ ابن تیمیہؒ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

وحسبك ان انكار ابن تيمية للاستغاثه والتوسل قول لم يقله عالم قبله وصار به بين اهل الاسلام مشلة اه (شفاء السقام ص ۱۲)

تیرے (تعجب کے) لیے یہ بات کافی ہے کہ ابن تیمیہؒ کا طفیل اور توسل سے انکار کا قول ایسا ہے کہ ان سے پہلے یہ بات کسی عالم نے نہیں کہی اور اسی وجہ سے وہ اہل اسلام میں بدنام ہو گئے ہیں۔

اس سے صاف ہو رہا ہے کہ توسل کا انکار حافظ ابن تیمیہؒ سے قبل کسی عالم نے نہیں کیا اور اس مسئلہ کے پرلے شکر ہی حافظ ابن تیمیہؒ ہیں۔

علامہ ابن عابدین الشافعیؒ لکھتے ہیں۔

وقال السبكي يحسن التوسل بالنبي صلى الله تعالى عليه وسلم الى ربه ولم ينكره احد من السلف والخلف الا ابن تيمية فليقع ما لم يقله عالم قبله ونازع العلامة ابن امير حاج في دعوى الخصوصية طوال الكلام على ذلك في الفصل الثالث عشر اخر شرحه على المنيته فراجعه (شافعی ج ۵ ص ۲۵)

امام سبکیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل مستحسن ہے اس کا بغیر ابن تیمیہؒ کے سلف و خلف میں اور کسی نے انکار نہیں کیا اور ابن تیمیہؒ نے یہ ایک ایسی بدعت گھڑی ہے کہ ان سے پہلے کسی عالم نے یہ بات نہیں کہی اور علامہ ابن امیر حاجؒ نے مثنیہ کی شرح میں تیرھویں فصل کے آخر میں اس پر طویل کلام کیا ہے اور توسل کے (آپ کی ذات کے ساتھ) مخصوص ہونے کے دعویٰ میں اختلاف کیا ہے۔

آگے ذکر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کہ علامہ عز الدینؒ نے توسل کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات سے مخصوص کیا ہے لیکن علامہ ابن امیر حاجؒ یہ فرماتے ہیں کہ توسل آپ کی ذات ہی مخصوص نہیں بلکہ دیگر صلحاء سے بھی درست ہے۔ اور علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں۔

وقد شتم الشافعي السبكي كما هو عادتة على المجد فقال ويحسن التوسل ولا يستغاثه

علامہ سبکیؒ نے اپنی عادت کے مطابق ابن تیمیہؒ کی شنائت برائی بیان کی ہے اور کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی ربہ ولم ینکر
ذالک احد من السلف والخلف حتی جاء ابن
تیمیہ فانکر ذالک وعدل عن الصراط المستقیم
وابتدع ما لم یقلہ عالم وصار بین الاقام مسئلۃ
(روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۶)

نعمانی علیہ وسلم کے توسل اور طفیل سے دعا اللہ تعالیٰ
کے ہاں مستحسن امر ہے اور سلف و خلف میں اس کا کسی
انکار نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ابن تیمیہ آئے انہوں نے
اس کا انکار کیا اور سیدھی راہ سے تہجد کیا اور
بدعت کی ایسی بات ایجاد کی جو کسی عالم نے نہ کی
اور لوگوں میں وہ بدنام ہو گئے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر اور توسل کا رد
کیا تو ان کی تردید میں علامہ عبد الکافی السبکیؒ نے شفاء السقام کے نام سے کتاب تالیف فرمائی۔
مولانا محمد بن علی الہمدانیؒ (المتوفی ۷۳۲ھ) کی مدح و تعریف میں حضرت مولانا سید
محمد انور شاہ صاحبؒ نے عربی میں ایک بہترین قییدہ لکھا ہے اور ان کی تالیف کے بارے میں
فرماتے ہیں لم یصنف مثله قبلہ قط کہ اس سے پہلے ایسی کتاب کبھی تصنیف نہیں ہوئی
اپنی بہترین تالیف آثار السنن میں لکھتے ہیں کہ شفاء السقام کا رد حافظ ابن تیمیہؒ کے شاگرد
حافظ ابن عبد البرؒ نے اپنی تالیف الصارم المنکی سے کیا پھر اس کے رد میں علامہ ابن علانؒ
نے المبرر المبکی تصنیف فرمائی اور الصارم المنکی کا رد مولانا عبد الحمی لکھنویؒ نے بھی اپنی کتاب
السعی المشکور میں کیا ہے (تعلیق التعلیق علی آثار السنن ص ۲۷۹ طبع ملتان)
فائدہ بعض لوگوں نے جن میں مولف اتحاد النبلاء بھی ہیں امام سبکیؒ کی کتاب شفاء السقام
کو تعصب کا نتیجہ قرار دیا ہے لیکن ان کی رائے بالکل غلط ہے۔

چنانچہ مولانا عبد الحمی لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ
ولیس ردہ تعصبا بل هو مصیبا فیما
رادیہ شہد بہ الاجلۃ
(التعلیقات السنن ص ۱۹۶)
نے اس کی شہادت دی ہے۔

الغرض توسل جمہور سلف و خلف کے نزدیک درست ہے حافظ ابن تیمیہؒ ان کے تلامذہ
اور اُس لڑی کے بیشتر حضرات اور زمانہ حال کے اکثر غیر متقلدین حضرات اس کے منکر ہیں بعض

ان میں سے اس کے جواز کے قائل بھی ہیں جن کے حوالے عنقریب آ رہے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ اور ہمارے اکابر علماء دیوبند کثر انشاء اللہ تعالیٰ جماعتہم تقریباً سبھی مشروع توسل کے جواز کے قائل ہیں یہ یاد رہے کہ توسل کا مسئلہ صرف جواز کا درجہ رکھتا ہے نہ ضروری ہے نہ ناجائز اور گمراہی ہے جیسا کہ وہم کیا گیا ہے۔

علامہ آؤسیؒ مسئلہ توسل پر مبسوط بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

وهذا الذي ذكرته انما هو لدفع الحرج عن الناس والضرار من دعوى تضليلهم كما يزعمه البعض في التوسل بجاءه عريض الجاءه صلى الله تعالى عليه وسلم لا للميل الى ان الدعاء كذا لك افضل من استعمال الادعية الماثورة التي جاء بها الكتاب وصدحت بها السنة اه
(روح المعاني ج ۶ ص ۱۲۸)

علامہ آؤسیؒ کی یہ عبارت جواز توسل پر صراحت سے دال ہے اور ان کی اس سے بھی واضح عبارت آگے آ رہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ہافزا ابن تیمیہؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ایک مقام میں لکھتے ہیں کہ

القسم الثالث وهو ان يقول اللهم بجاه فلان عندك او ببركة فلان او بمحبة فلان عندك افعلي كذا فخذ ايفعله كثير من الناس لكن لم ينتقل من احد من الصحابة والتابعين وسلف الامة اخذوا كانوا يدعون بمثل هذا الدعاء ولم يبلغني عن احد من العلماء في ذلك

تیسری قسم یہ ہے کہ کہے لے اللہ فلاں کے مرتبہ سے جو تیرے ہاں اس کا ہے یا فلاں کی برکت سے یا فلاں کی حرمت سے جو تیرے نزدیک اس کی ہے میرا یہ کام کر دے تو ایسا توسل بہت لوگوں سے ثابت ہے لیکن حقارت صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور سلف امت سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے ایسی دعا کی ہو اور مجھے کسی عالم سے ایسی کوئی بات نہیں پہنچی جس کو میں

ما احكيه الا ما رايت في فتاوى الفقيه الى
محمد عبد السلام فان افتي انه لا يجوز
لأحد ان يفعل ذلك الا للنبي صلى الله عليه
وسلم ان صح الحديث في النبي صلى الله عليه
وسلم اه (زيارة القبور والاستجداء بالقبور ص ۱۱۲
طبع مصر)

میں حرث ثابت ہو۔

النشأه اللہ تعالیٰ یہ بات قاضی شوکانی جو غیرہ کے حوالہ سے عنقریب آئے گی کہ امام ابو
محمد عبد السلام (المتوفی ۶۶۸ھ) کا اس توسل کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی
سے مخصوص کرنا درست نہیں ہے اور جس حدیث کا حوالہ اس عبارت میں مذکور ہے وہ بھی اپنی
جگہ پر صحیح اور قابل احتجاج ہے باحوالہ اس کا بیان بھی آ رہا ہے النشأه اللہ تعالیٰ، اور اس کا تذکرہ
بھی ہو گا کہ ایسا توسل حضرات صحابہ کرام سے ثابت ہے یہ سب کچھ کہہ اور کر چکنے کے باوجود بھی
حافظ ابن تیمیہ نفس توسل اور توسل کی بعض صورتوں کا انکار نہیں کر سکے اور وہ ان کو درست سمجھتے
ہیں مثلاً وہ ایک مقام پر توسل کا منہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

اسئلك بنبيك محمد اى اسئلك

بإيماني به ومحبتهم اه

(القاعدة الجلية ص ۳۸)

میں تجھ سے تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کا معنی یہ
ہے کہ چونکہ میرا آپ پر ایمان اور آپ سے محبت اس لیے
اُس کی وجہ سے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ

فالنوسل الى الله بالنبيين هو النوسل

بالإيمان بهم وبطاعتهم كالصلوة والسلام

عليهم ومحبتهم ومولاهم اودعهم و

شفاعتهم و ما ننس ذواتهم فليس فيها

ما يقتضى حصول مطلوب العبد وان

اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

والسلام کی وساطت سے توسل کا یہ مطلب ہے

کہ ان پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے کی

وجہ سے توسل ہے جیسے ان پر صلوٰۃ و سلام کہنے اور

ان سے محبت کرنے یا ان کی دعا اور ان کی شفاعت

كان لهم عند الله تعالى الجاه العظيم
(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۳ طبع جدید)

کی وجہ سے توسل سے باقی رہیں ان کی ذوات تو ان
میں کوئی چیز نہیں جو بندے کے مطلوبہ حصول کو چاہے
اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا درجہ ہے۔

گویا ان کے نزدیک یہ توسل بصالح الاعمال کی مدد میں شمار ہوتا ہے اور اس کے ثبوت کے لیے
بخاری جلد ۲ ص ۸۸ اور مسلم ج ۲ ص ۳۵ کی وہ روایت ہے جس میں تین آدمی ایک غار میں چلے گئے اور
بارش کی وجہ سے ایک چٹان نے غار کا منہ بند کر دیا تو انہوں نے اپنے نیک اعمال کے توسل سے
اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا کی جو قبول ہو گئی چٹان غار کے منہ سے ہٹ گئی اور وہ صبح و سالم باہر نکل
آئے (محصلہ حضرات امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

استندل اصحابنا بهذا على انه يستدل بالانسان
ان يدعوا في حال كربته في دعاء الاستسقاء
وغیره بصالح عمله ويتوسل الى الله تعالى
بما كان هؤلاء فعلوه فاستجيب لهم ذكره
النبي صلى الله عليه وسلم في معرض الثناء
عليهم وجميل فضائلهم

تعارف اور ان کے اچھے فضائل کے سلسلہ میں کیا ہے
(نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۳۵)

ہمارے نزدیک توسل بالذات اور توسل بصالح الاعمال میں صرف نزاع فقہی ہے کیونکہ جو
حضرات توسل بالذات کے قائل ہیں ان کی مراد یہ ہرگز نہیں کہ مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کو (العباد یا اللہ تعالیٰ) وصف نبوت اور رسالت اور ان دینی خدمات
سے جو آپ نے اپنی حیات طیبہ میں سر انجام دی ہیں الگ کر کے توسل کیا جائے یا معاذ اللہ
تعالیٰ آپ پر ایمان لانے اور آپ سے محبت کرنے کی شرط سے صرف نظر کر لی جائے کسی
کے وہم میں نہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دیگر مقبول بندوں کو ان کی مذہبی سرگرمیوں اور خلق
خدا کی ہدایت کی کوششوں سے بڑا کر کے محض ان کی ذات ہی کو ملحوظ رکھا جائے ایسا بھی
نہیں بلکہ جہاں بھی ان حضرات سے توسل ہو گا وہاں ان کی تمام خوبیوں اور کمالات کو پیش نظر

رکھا جائے گا اور ان نیک کاموں کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کی جو خصوصی رحمتیں نازل ہوتی ہیں ان کو کسی صورت میں فراموش نہیں کیا جائے گا ذکر اگرچہ ذات کا ہوتا ہے اس لیے کہ وہ موصوف ہے لیکن اس کے اعمال کمالات اور صفات کو بھی اس میں دخل ہے اور اسی وجہ سے توسل کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ محبت بھی ان کی ان عظیم قربانیوں کی وجہ سے ہے جو حسب ارشاد جناب سول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبَغْضُ فِي اللَّهِ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۱) ہر دعا کنندہ کا اپنا نیک اور صالح عمل ہے اور اسی طرح صالح اعمال آخر کسی ذات ہی سے صادر ہوں گے از خود تو ان کا صدور نہیں ہو سکتا تو توسل بصلح الاعمال ذات کے واسطے کے بغیر سمجھ سے باہر ہے اس لیے ہمارے نزدیک توسل بالذات اور توسل بصلح الاعمال کا مال بالآخر ایک ہی ہے صرف اس کی تعبیر اور تشریح کا فرق ہے اور نزاع صرف تفسلی ہے جب حافظ ابن تیمیہؒ نے توسل بصلح الاعمال کے قائل ہیں تو توسل بالذات کا بھی ان کو اقرار کر لینا چاہیے۔ ان کے ذہن میں جو یہ وہم ہے کہ ذات کے توسل سے یہ تشبیہ پیدا ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ تعالیٰ) اس ذات کا رتبہ نشان اور درجہ خدا تعالیٰ سے بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے یا اس کا اس پر کوئی جبر اور زور ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) تو یہ کسی مسلمان کے وہم میں بھی نہیں آتا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

لَا فِيهِمَا إِيهَامٌ أَنْ الْمُتَجَوِّهَ بِهِ وَالْمُسْتَعَاذُ بِهِ
أَعْلَىٰ مِنَ الْمُتَجَوِّهَ عَلَيْهِ وَالْمُسْتَعَاذُ عَلَيْهِ
(شفاء السقام ص ۱۲)

ان الفاظ سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ جس کے جاہ اور وسیلہ سے سوال کیا گیا ہے اس کا درجہ اس سے اعلیٰ ہے جس کے ہاں انجام کی گتی ہے۔

چنانچہ امام نقی الدینؒ کی نے ان کے اس وہم اور نظریہ کا اس طرح رد کیا ہے کہ:-

فَالْتَوَسَّلْ وَالتَّشَفَّعْ وَالتَّجَوَّهْ وَالِاسْتَعَاذَ
بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ
وَالصَّالِحِينَ لَيْسَ لَهَا مَعْنَى فِي قُلُوبِ
الْمُسْلِمِينَ غَيْرُ ذَلِكَ وَلَا يَقْسِدُ بِهَا أَحَدٌ
مِنْهُمْ سِوَاكَ فَمَنْ لَمْ يَنْشُرْ حُدُودَهُ
لِذَلِكَ فَلْيَبْذُكْ عَلَىٰ نَفْسِهِ اه

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور نیک لوگوں کے وسیلہ، سفارش، جاہ اور طفیل وغیرہ سے دعا کرنے کا معنی مسلمانوں کے دلوں میں اس کے سوا اور کچھ نہیں (کہ ان پر ایمان لانا اور ان سے محبت کرنا یہی ہے) اور کوئی مسلمان اس معنی کے علاوہ اور کچھ ارادہ اس توسل

(تذیاء السقام ص ۱۲۹)

سے نہیں کیا کرتا مگر جس کا سبب اس کے فہم کھلنے نہ گئے
تو اس کو اپنے نفس پر رونا چاہیے۔

اس عبارت میں علامہ سبکیؒ نے حافظ ابن تیمیہؒ کے اس وہم اور نظریہ کی تردید کی ہے اور صحیح
العقیدہ مسلمانوں کا نظریہ توسل کے متعلق واضح کیا ہے کہ ہر مسلمان کا یہی نظریہ ہونا ہے کہ جن حضرات کے
توسل سے دعا مانگی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقبول بندے ہیں اور ان کی محبت اور
ان سے لگاؤ نزول رحمت الہی کا ذریعہ ہے اور یہ جائز ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں کہ توسل کی حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ فلاں شخص میرے
نزدیک آپ کا مقبول ہے اور مقبولین سے محبت رکھنے پر آپ کا وعدہ محبت ہے اَلْعَبْدُ مَعَ
مَنْ أَحَبَّ پس میں آپ سے اس رحمت کو مانگتا ہوں پس توسل میں یہ شخص اپنی محبت کو اولیاء
اللہ کے ساتھ ظاہر کر کے اس محبت پر رحمت و ثواب مانگتا ہے اور محبت اولیاء کا موجب رحمت و
ثواب ہونا نص صریح سے ثابت ہے (انفاس عیسیٰ ص ۱۷۹)

ایک حدیث قدسی میں اس طرح آتا ہے کہ رب العزت نے فرمایا کہ:-

حَقَّتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّينَ فِي الْحَدِيثِ
(مسند ابی یوسف ص ۱۶۹) قَالَ الْحَاكِمُ وَالذَّهَبِيُّ عَلِيٌّ
میری محبت ان لوگوں کے لیے لازم ہے جو میری رضا
کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے
ہیں۔

(شرطہما)

الغرض نہ تو اس توسل میں یہ بات وہم میں آتی ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ اولیاء کا درجہ اور ثناء
خدا تعالیٰ سے بڑھ کر ہے اور نہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کر
کے جبراً اس کو منوا سکتے ہیں کہاں خالق اور کہاں مخلوق؟ کجا آفا اور کجا عاجز بندے؟ اس کا سمجھنا
کوئی مشکل نہیں مگر یہ

گہر جود میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں

اُسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

توسل کی بعض اور صورتیں بھی حافظ ابن تیمیہؒ کے نزدیک درست ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ
وقول القائل بمرکت الشيخ قد يعني بها قائل کا یہ کہنا کہ شیخ کی برکت سے (میرا یہ کام ہوگا)

دعاءً واسرع الدعاء اجابۃ دعاء
غائب لغائب وقد یعنی بھما برکت ما
امرہ بہ وعلی الخیر وقد یعنی بھما
برکت معا و انتہلہ علی الحق و موالاتہ
فی الدین ونحو ذلک وغذہ کلہا معان
صحیحۃ (زیادۃ القبور ولاستغناء
بالقبور ص ۱۸)

کبھی تو اس سے شیخ کی دعا مراد ہوتی ہے اور سب
جلدی دعوہ قبول ہوتی ہے جو غائب کی غائب کے لیے
ہو اور کبھی اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ شیخ نے جو حکم اس
دیا ہے اور تعلیم غیر اس کو دی ہے اس کی برکت سے سوال کرنا
ہوں اور کبھی اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ جب سختی پر وہ اس کا
تعاون اور دین میں اس سے درستی کرتا ہے تو اس کی برکت
و دعا کرتا ہے اور یہ سب انی اپنی جگہ درست اور صحیح ہیں

جب یہ معافی درست اور صحیح ہیں تو صحیح العقیدہ مسلمان کے توسل کو ان میں سے کسی ایک
معنی کے لحاظ سے سمجھا جاسکتا ہے، مشرک کا معاملہ ہی بُرا ہے وہ توسل میں غیر اللہ کو حاضر و ناظر اور
عالم الغیب اور متصرف فی الامور سمجھ کر توسل کیا کرتا ہے اور ان میں سے ایک ایک بات اپنے مقام
پر کثرت ہے حضرات فقہاء کرام نے اس بات کی تصریح کی ہے لیکن مسلمان کے ذہن میں ان کفریہ امور میں
سے کوئی ایک امر بھی نہیں ہوتا۔ امام بدر الدین علی الحنبلیؒ نے حافظ ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ کا مخلص
لکھا ہے، اسی سابق عبارت کے قریب قریب عبارت لکھ کر آگے فرماتے ہیں کہ:-

وقد یعنی بہ معنی باطل امثال دعائہ
المیت والغائب واستئلال الشیخ
بذلک تاثیرًا او فعلہ لما لا یقد علیہ
الا اللہ او متابعۃ او مطاعۃ علی البدع
و المنکرات ونحو ہذہ المعانی الباطلۃ
(مختصر الفتاویٰ المصریۃ ص ۱۹)

اور کبھی برکت شیخ کے لفظ سے باطل معنی مراد لی
جاتی ہے، مثلاً مردہ اور غائب سے مراد مانگنا اور
شیخ کی اس میں منتقل تاثیر تسلیم کرنا یا ایسے فعل کی
اس سے توقع رکھنا جس پر اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی قادر
نہیں یا اس کی بدعات اور منکرات پر متابعت اور
فرمانبرداری کرنا اور اس قسم کے باطل معانی مکرر رکھنا۔

اس قسم کا توسل یقیناً باطل اور مردود ہے مگر یقین جانتے کہ کسی مومن اور مسلمان کے تصور میں بھی
ان میں سے کوئی معنی نہیں ہوتا مسلمان انہی معانی کو پیش نظر رکھتا ہے جن کے خود حافظ ابن تیمیہؒ
قائل ہیں۔ الغرض کلیتہً توسل کے حافظ ابن تیمیہؒ بھی منکر نہیں ہیں ماں صرف بعض صورتوں کے
منکر ہیں اور بن سورتوں کو وہ ناجائز سمجھتے ہیں ان کو دیگر اہل السنۃ والجماعت بھی درست نہیں

سمجھتے رہا تو سل بالذات اور تو سل بصالح الاعمال کا نزاع تو یہ صرف لفظی ہے ع

یہ اپنی حد نظر ہے کسی کی دید کہاں

جمہور علماء کرام اور مسئلہ تو سل

جمہور اہل سنت والجماعت تو سل کے بواز کے قائل ہیں لیکن اس میں تفصیل سکام
لیتے ہیں تو سل کی بعض صورتوں کو حرام بعض کو بلا دلیل اور بعض کو جائز قرار دیتے ہیں چنانچہ
حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ تو سل کے مسئلہ کی تفصیل کرتے ہوئے اور اس کی
فتیہیں بیان کرتے ہوئے آخر میں رقمطراز ہیں :-

والتالث دعاء الله ببرکت هذا المخلوق اور تو سل کی تیسری سورت یہ ہے کہ کسی مقبول خلق
المتبول وهذا قد جوزة الحمد والحمد لله الخ کی برکت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگے اور اسے جمہور
(بواد النواذر ص ۷۶) نے جائز قرار دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تو سل کی یہ صورت جمہور علماء کرام کے نزدیک جائز ہے بزرگان
دین اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کا تو سل اسی صورت میں ہونا رہا ہے جس کے جواز میں کوئی سکام
نہیں ہے۔

علامہ سید سمہودیؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تو سل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ
قلت فیک لا یستشفع ولا یتوسل بمن میں کہتا ہوں کہ اس ذات گرامی کو شفیع اور وسیلہ
لہ هذا المقام والجاہ عند موکاة بل یجوز بنانا کیونکہ درست نہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جہ
التوسل بسائر الصالحین کے مافالہ اور مرتبہ حاصل ہے جب کہ تمام صالحین کو وسیلہ
السبکی اھ (دعاء الوفا ج ۲ ص ۲۲۲) بنانا درست اور جائز ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ اور طفیل تو صحیح اور درست
ہے ہی جملہ صالحین کا تو سل بھی درست ہے اس عبارت میں علامہ سبکیؒ کے جس حوالہ کا ذکر ہے
وہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے اور علامہ سبکیؒ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

ان المتوسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تو سل ہر حالت میں
جائز فی کل حال قبل خلقہ وبعد خلقہ فی مآں درست ہے آپ کی پیدائش سے پہلے اور دنیا میں آپ

جیانتہ فی الدنیا وبعد موتہ فی مدۃ البرزخ کی زندگی کی مدت میں اور وفات کے بعد برزخ میں
 وبعد البعث فی عرصات القیۃ والجنۃ اہ اور قیامت کے دن میدان محشر اور جنت میں ہر مقام
 (شفاء السقام ص ۱۲) پر درست ہے۔

یعنی جس وجہ سے توسل کیا جاتا ہے وہ ان تمام مقامات اور حالات میں آنحضرت صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں علی وجہ الاثم پائی جاتی ہے کیونکہ ہر مقام میں آپ پر ایمان لانا اور محبت کرنا
 ضروری ہے جب توسل کی وجہ سب مقامات میں یکساں ہے تو توسل بھی جائز ہے، ہندوستان
 میں مسلمانوں کے جتنے بھی مکاتب فکر ہیں فن حدیث میں ان کا رشتہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب
 محدث دہلوی سے جانتا ہے اور موصوف بھی توسل کے قائل ہیں چنانچہ اپنی مشہور و متداول
 کتاب حجتہ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ :-

ومن ادب الدعاء تقدیم الثناء علی اللہ اور دعا کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف
 والتوسل بنبی اللہ لیستجاب (حجتہ اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کو مقدم کیا جائے تاکہ
 البالغہ ج ۲ ص ۲ طبع مصر دعا کو قبولیت کا شرف حاصل ہو۔

اس عبارت سے بصر احسن یہ معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب دعائیں آنحضرت صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے توسل کو مستحب اور قبولیت دعا کا بہترین ذریعہ قرار دیتے ہیں اور حضرت شاہ
 صاحب کے بعد اپنے دور میں علماء ہند کی سند کی کڑی حضرت شاہ محمد اسحق محدث دہلوی (۱۲۶۲ھ)
 سے جانتی ہے وہ اس مسئلہ کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

دعا بہ ایسی طور کہ الہی بجزمت نبی و ولی حاجت اس طریقہ سے دعا کرنا کہ اے میرے پروردگار نبی
 مراد اکن جائز است چنانچہ از شرح فقہ اکبر (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور ولی کی حرمت میری
 ملا علی القاری مفہوم میشود حاجت پوری کو دے جائز ہے چنانچہ حضرت
 (مسائل مسائل ع ۳۵) ملا علی القاری کی شرح فقہ اکبر سے معلوم ہوتا ہے

قطع نظر دیگر دلائل کے جو حضرات علم حدیث میں حضرت شاہ محمد اسحاق کی شاگردی اور ان
 کے سلسلہ سے فرائض جینی کا دم بھرتے ہیں ان کے لیے اس سے فرار بھلا معلوم نہیں ہوتا اور
 حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید (المتوفی شہادۃ ۱۲۶۲ھ) ابو داؤد شریف کی ایک حدیث کی

تفسیر صح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ جو لوگوں میں ایک ختم مشہور ہے، اس میں یوں پڑھتے ہیں یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ یعنی اے شیخ عبدالقادر کچھ دوئم اللہ کے واسطے یہ لفظانہ کہنا چاہیے ہاں اگر یوں کہے کہ یا اللہ کچھ شیخ عبدالقادر کے واسطے تو بجا ہے الخ (تقویۃ الایمان) بزرگان دین کے مشہور سلاسل اربعہ (قادری، چشتی، نشتریزی اور سہروردی) کے شجروں میں بکثرت واسطے وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے اور فاضل شروکانی نے جوازِ توسل پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ (العرف الشذی ط ۲۳) اس رسالہ کا نام در نصید ہے (جواد النوادری ص ۶۲) اس میں وہ لکھتے ہیں کہ :-

اور دوسرا مطلب حدیث توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاجات میں وسیلہ بنا کر صرف زندگی کی حالت سے مخصوص نہ تھا بلکہ جس طرح زندگی میں آپ کو وسیلہ بنایا جاتا تھا اسی طرح انتقال کے بعد بھی آپ کو وسیلہ بنانا جائز ہے اور جس طرح آپ کی موجودگی میں آپ سے توسل جائز تھا، اسی طرح عدم موجودگی میں بھی جائز تھا یہ بالکل واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی زندگی میں وسیلہ بنانا اور آپ کے بعد دوسرے بزرگوں کو وسیلہ بنانا صحابہ کرام کے اجماع مسکوئی سے ثابت ہے کیونکہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنایا تو کسی صحابی نے اس کا خلاف نہیں کیا، میرے خیال میں جوازِ توسل کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مخصوص کر دینا جیسا کہ غزال الدین (ابو محمد عبدالسلام) کو وہم ہوا ہے اس کی کوئی وجہ نہیں الخ (بحوالہ جواد النوادری ص ۶۲) جناب فاضل شروکانی نے جو کچھ فرمایا ہے دلائل اور کثرت کے تعامل سے یہی قوی اور صحیح ہے اور ایسے مسائل کے لیے اس سے زیادہ قطعی دلائل کے ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

علامہ آلوسی مسئلہ توسل پر خالص طویل بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

لے ایے لی محمد انید سنز تا جران اردو بازار پاکستان چوک کراچی نے جو نسخہ طبع کرایا ہے اس میں یہ عبارت ہی بدل دی ہے اللہ تعالیٰ خائنین سے بچائے ان کو اس کا تو حق تھا کہ وہ اس عبارت کو برقرار رکھ کر حاشیہ پر دلائل سے اس کی تردید کر جو ایک غلطی خدمت سمجھی جاتی لیکن عبارت ہی کو اڑا دینا پرلے درجہ کی غلطی خیانت ہے۔

وبعد هذا كله ان لا اري بأساً في التوسل
الى الله تعالى بجاه النبي صلى الله تعالى
عليه وسلم عند الله تعالى حياً وميتاً
وبراء من الجاه معنى يرجع الى صفة من
صفاته مثل ان يبرأ به المحبة التامة
المستندعية عدم رده وقبول شفاعتهم
فيكون معنى قول القائل اللهم اتوسل
بجاه نبيك صلى الله تعالى عليه وسلم
ان تقضى لي حاجتي اللهم اجعل محبتك
له وسيلة في قضاء حاجتي ولا فرق بين
هذا وبين قولك اللهم اتوسل برحمتك
ان تفعل كذا اذ معناه ايضاً اللهم اجعل
رحمتك وسيلة في كذا الخ
(روح المعاني ج ۶ ص ۱۲۵)

اس ساری بحث کے بعد میں اللہ تعالیٰ کے ہاں
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بجاہ سے آپ کی
زندگی میں اور بعد از وفات توسل میں کوئی حرج نہیں
سمجھتا اور آپ کی بجاہ توسل سے مراد کوئی ایسا معنی یا
جائے گا جو آپ کی سنات میں کسی صفت کی طرف
راجع ہو مثلاً آپ کی محبت تاملہ جو عدم ردا و قبول شفاعت
کو چاہتی ہے لہذا تامل کے اس طرح کہنے کا کہ
اللہ میں تیرے نبی کے بجاہ سے توسل کرتا ہوں کہ تو
میری حاجت پوری کر دے یہ معنی ہو گا کہ اے میرے
اللہ تیری جو محبت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے ساتھ ہے اس کو میری حاجت پورا کرنے کا وسیلہ
بنادے اور اس میں اور تیرے اس قول میں کوئی
فرق نہیں کہ اے میرے اللہ میں تیری رحمت توسل
کرتا ہوں کہ تو ایسا کر دے کیونکہ اس کا بھی یہی معنی ہے
کہ اے اللہ تو اپنی رحمت کو اس میں وسیلہ بنادے۔

اس عبارت سے بوضاحت یہ بات ثابت ہو گئی کہ علامہ آکوسی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کی زندگی اور بعد از وفات دونوں حالتوں میں آپ کی جاہ و عظمت سے توسل کو جائز قرار دیتے ہیں
اور اس میں وہ کوئی حرج و مشائقہ نہیں سمجھتے اور پھر آگے لکھتے ہیں۔

ان التوسل بجاه غیر النبی صلی اللہ تعالیٰ
عليه وسلم لا یأس بہ ایضاً ان کان المتوسل
بجاہہ مما علم ان لہ جاہاً عند اللہ تعالیٰ
کا لمقطوع بصلاحہ وولایتہ اھ
(روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۵)
کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اور
کی بجاہ و برکت سے توسل میں بھی کوئی حرج نہیں ہے جبکہ
یہ معلوم ہو کہ جس کی جاہ سے توسل کیا جانا ہے اللہ تعالیٰ
کے ہاں اس کی بجاہ ہے جیسے وہ شخصیت کہ ایسی طور پر
اس کی صلاح و ولایت معلوم ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے آپ کی زندگی میں بھی اور بعد از وفات بھی توسل درست ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اوروں سے بھی توسل جائز ہے جب کہ ان کی نیکی و تسویٰ اور ولایت لقیٰ طوبہ پر معلوم ہو اور یہ بات دلائل سے ثابت ہے کہ تواثر بھی قطعیت اور یقین کا فائدہ دیتا ہے تو معلوم ہوا کہ جس بزرگ کی فضلا اور نیکی اور ولایت تواثر سے ثابت ہو اس کا توسل بھی درست ہے لیکن یہ بات ذہن سے ہرگز اوجھل نہ ہو کہ توسل کا یہ معنی نہیں کہ اس بزرگ سے مرادیں مانگی جائیں یا اس کو حاجت روا اور مشکل کشا تصور کیا جائے جیسا کہ بعض جاہل عوام کا خیال ہے۔ چنانچہ خود علامہ آلوسیؒ و اشکاف الفاطمیؒ فی مثل یاسیدی اغثنی کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں۔

ولا اری احداً ممن یقول ذلک الا وهو
 یعتمد ان المدعو الحی الغائب او المیت
 المخبی بعلوم الخیب او یسمع النداء ویقدر
 بالذات او بالخیبر علی جلب الخیر ودفع الاذی
 ما لا ملأ دعاه الخ
 کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اے میرے سردار میری مدد
 کروں یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جس زندہ غائب یا مردہ
 غائب کو پکارا جاتا ہے وہ غیب جانتا ہے یا پکار
 سنتا ہے اور بالذات یا بالخیبر جلب نفع اور دفع
 مضرت پر قادر ہے۔ ورنہ وہ کیوں اس کو پکارتا

(روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۸)

الغرض :- اس طرز و انداز سے غیر اللہ سے مدد مانگنا عین شرک ہے اور فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ کی عبارات سے اس کا شرک ہونا پہلے باحوالہ نقل کیا جا چکا ہے اور یہی کچھ اس عبارت میں علامہ آلوسیؒ فرما رہے ہیں غرضیکہ علامہ آلوسیؒ کی خود اپنی عبارات اور تصریحات جواز توسل پر بالکل واضح ہیں غیر متعلق عبارات سے استدلال کننا اہل علم کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنؤیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اذا تعبدتم فی الامر فاستعبدوا باصحاب القبور (یعنی جب تم اپنے کاموں میں حیران ہو جاؤ تو اہل قبور سے استعانت کرو) حدیث ہے یا نہیں؟ اور اس کا منہ کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں وہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے کسی کا مقولہ ہے اور اس کا یہ معنی ہے کہ جب کسی چیز کے حلال و حرام سمجھنے میں تمہیں تردد ہو اور دلائل متعارض ہوں تو خود قیاس نہ کرو (غلطی کھا جاو گے) بلکہ اُن حضرات کی تقلید اور پیروی کرو جو

آب قبروں میں آرام فرما ہیں اور جو کچھ انہوں نے کہا اس کو تسلیم کر دو اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جب تم امور دنیویہ میں تنگ دل ہو جاؤ تو اصحاب قبور کو دیکھو اور ان سے عبرت حاصل کر دو کہ آخر انہوں نے بھی دُنیائے کر دی ہے اور آخرت کو چلے گئے ہیں تو تم یہ سمجھو کہ آخر تم بھی دُنیاء سے جا۔ نہ ہی والے ہیں (محسلہ) اور آگے لکھتے ہیں :-

و نیز بر استمداد ہم محول مینواں شد یعنی وقتیکہ منجبر شو بدو را امور دنیار بر آری شما نشود پس دعا نے انجام مرام بوسیله اصحاب قبور سازید و ایشان را وسیلہ گردانیدہ از جناب باری تعالیٰ دعا سازید تا برکت ایشان بدرجہ قبول رسد ای کہ ایشان را حلال مشکلات استقلالاً یا شریک کارخانہ تدبیر عالم دانید کہ ایس عین شکر است انتہی (مجموعہ فتاویٰ عبدالحی عجمی ج ۳ ص ۲۷)

اور اس عبارت کو توسل پر بھی حمل کیا جاسکتا ہے یعنی جس وقت تم امور میں حیران ہو جاؤ اور تمہارا مطلب پورا نہ ہو سکے تو تم حاجت میں کامیابی کے لیے اصحاب قبور کے وسیلہ سے دعا کرو اور ان کو وسیلہ قرار دیتے ہوئے جناب باری تعالیٰ سے دعا کرنا کہ ان کی برکت سے دعا درجہ قبولیت کو پہنچ جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو استقلالاً مشکل کشا یا کارخانہ عالم کی تدبیریں شریک سمجھا جائے کیونکہ یہ عین شرک ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جس معنی میں جواز توسل کے دیگر حضرات قائل ہیں حضرت مولانا عبدالحی صاحب بھی ایسے توسل کے جواز کے قائل ہیں جن کو تاہ فہم حضرات نے ان کی بعض مجمل عبارات سے اس کے خلاف سمجھا ہے وہ اپنی اصلاح خود کریں بشرطیکہ ان کو اصلاح مقصود بھی ہو ورنہ کون کسی پر جبر کر سکتا ہے۔ استقلال اور عدم استقلال کی بضرورت باخوالہ بحث ہم نے راہ ہدایت میں کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کریں۔

اکابرین علماء دیوبند اور مسئلہ توسل

علماء دیوبند کثر اللہ جماعتہم کی اس سلسلہ میں عبارتیں اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے نقل اور پیش کرنے کے لیے چند اوراق تو کیا خاصی ضخیم کتاب بھی ناکافی ہوگی اس لیے یہاں ہم صرف المہند کی عبارت پر اکتفاء کرتے ہیں جو علماء دیوبند کے نزدیک ایک اجماعی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

تیسرا اور چوتھا سوال :- کیا وفات کے بعد ثواب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل لینا دعاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟ تمہارے نزدیک سلف صالحین یعنی انبیاء (علیہم السلام) و سید نقین و شہداء و اولیاء اللہ کا توسل بھی جائز ہے یا ناجائز؟

جواب :- ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء و اولیاء سید نقین کا توسل جائز ہے ان کی حیات میں یا بعد وفات یا اس طور کہے کہ یا اللہ میں بوسیۃ علان درگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت برائی چاہتا ہوں اسی جیسے اور کلمات کہے چنانچہ اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ہمارے شیخ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی ثم المکیؒ نے پھر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس کو بیان فرمایا ہے جو چھپا ہوا آج کل لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے اور مسئلہ اس کی پہلی جلد کے ص ۹۳ پر مذکور ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے انتہی (المہند ص ۱۳۱)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے شاگرد رشید جلیل القدر عالم حامی توحید و سنت اور حق شریک و بدعت حضرت مولانا حبیب علی صاحب جو سینکڑوں علماء کے استاد و مرشد تھے اپنی ذاتی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ :-

ل مشکل از حق تعالیٰ طلب نمودن بتوجہ بزرگان است و عین رضا است الی ان قال بدان سے برادر گفتن یا رسول اللہ بطریق تعشق و توسل حج از محبت است الی ان قال نواب صدیق خان گفتہ ع

حج سنت مددی قاضی شوکان مددی یعنی باشند چنانچہ در ہندی گویند شمالا مدد ہووے جیلانی (بلغة الحیدران ص ۳۵)

ہیں شمالا مدد ہووے پیر جیلانیؒ

یعنی سمجھدار قسم کا کوئی مسلمان اس سے یہ مراد نہیں لینا کہ ان الفاظ سے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ مدد طلب کی جا رہی ہے بلکہ یہی سمجھے گا کہ ان کے وسیلہ اور طفیل سے دعا کی جاتی ہے۔ علی

ہذا القیاس اس قسم کے دیگر الفاظ سے بھی کچھ سمجھنا چاہیے الّا یہ کہ کوئی غالی ان سے استمداد کر کے شرک کا ارتکاب کرے تو اس کا معاملہ الگ ہے۔ اور دوسرے مقام پر اولیاء کرام سے مدد مانگنے والوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

اور کہتے ہیں کہ حضرت عبدالقادرؒ نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت مجھے پکارو یہ اس طرح نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ اول تو ثبوت اس امر کا نہیں بھجئے الاسرار والے کے خفی میں شاہ ولی اللہ صاحب ہلویؒ نے فرمایا کہ مشائخ بھجئے الاسرار والے کو معتبر نہیں سمجھتے مع ہذا اس نے جو سند لکھی ہے روات کا پتہ نہیں کہ کیسے ہیں اور اصل عبارت یوں لکھتے ہیں اذکونی اس کا معنی یہ ہے کہ بتوسل میرے دعا مانگو واللہ اعلم بالصواب (بلغة الحبوان ص ۳۳) اور حضرت مرحوم نے اپنے نانتہ مبارک سے علم تصوف سلوک پر ایک نہایت مفید اور بہترین رسالہ لکھا ہے جس کا نام تحفۃ ابراہیمید اور فیوضات مسینی ہے۔ اس کے آخر میں سلاسل اربعہ قادری، نقشبندی، چشتی اور سہروردی کے شجرے بتائے ہیں اور ان میں الہی بھرت فلاں الخ کے صریح الفاظ موجود ہیں جو زمین پر چمکدار موتیوں کی مانند اور آسمان میں درخشندہ ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں مگر صد افسوس کہ اب مؤلف تسکین القلوب نے یہ سارے شجرے حذف کر دیئے ہیں فوا اسفایا عجبا! اور خود کتاب میں بھی توسل کا صریح الفاظ میں ذکر موجود ہے المہند کی واضح اور اجماعی عبارت کے بغیر ضرور تو نہیں مگر صرف طلبہ علم کے افادہ کے لیے چند حوالے اور بھی عرض کئے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندیؒ کا فتویٰ

سوال ۳۱۲۷ قبور فقرا و اولیاء و صلحا پر فاتحہ خوانی کے بعد جو لوگ دعا مانگتے ہیں یہ اگر درست ہے تو کس طریقہ سے؟

الجواب: اس طرح دعا مانگنا درست ہے کہ یا اللہ میری بکرت اپنے نیک بندوں کے میری حاجت پوری فرما فقط (فتاویٰ دارالعلوم ج ۵ ص ۲۳ طبع دیوبند)

سوال ۳۱۱۳ استمداد من اہل القبور کے جواز کی حقیقت کے یہاں کوئی صورت ہے یا نہیں؟

الجواب: استمداد من اہل القبور اگر اس عقیدہ کے ساتھ ہے کہ وہ متصرف فی الامور ہیں جیسا کہ عوام کا عقیدہ ہے تو یہ درست نہیں ہے بلکہ اس میں خوف کفر ہے شامی (ج ۲ ص ۵۶ طبع مصر)

ہیں ہے ومنہا انہ ان ظن ان المیت یتصرف فی الہ و ردون اللہ تعالیٰ واعتقادہ
 ذلک کفرانہ اور اگر مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے ذریعہ سے دعا کی جاوے کہ یا
 اللہ میرا فلاں کام فلاں بزرگ کی برکت سے پورا فرما دے تو یہ جائز ہے قسماً (فتاویٰ دارالعلوم
 ج ۵ ص ۲۱۲ و ۲۱۳) اور نیز ارشاد فرماتے ہیں۔

ان بزرگوں سے یہ نہ کہے تم دعا کرو سماع موتیٰ خور مختلف فیہ مسئلہ سے منہیہ سماع موتیٰ
 کا انکار کرتے ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی مذہب ہے اور آیات
 قرآنیہ اس پر دال ہیں امداً اس طرح ان سے خطاب کر کے نہ کہے کہ تم دعا کرو بلکہ خود اللہ تعالیٰ
 سے ان کے لیے دعائے مغفرت اور رفع درجات کی دعا کرے اور اگر ان کے ذریعہ سے
 اپنی حاجات کے پورا ہونے کے لیے بھی دعا کرے تو مضائقہ نہیں حصن حصین (ص ۱۰۰ و لفظ
 وان یتوسل الی اللہ تعالیٰ بأنبیائہ والصالحین من عبادہ اھ) میں مذکور ہے کہ
 صالحین کے وسیلہ سے دعا کرنا مستحب ہے کہ حق تعالیٰ ان کی برکت سے دعا قبول فرما دے
 فقط (فتاویٰ دارالعلوم ج ۵ ص ۲۱۱ و ۲۱۲)

سوال :- اکثر آدمی شجرہ خاندان کا ہر صبح و شام پڑھتے ہیں یہ کیسا ہے ؟
 الجواب : شجرہ پڑھنا درست ہے کیونکہ اس میں بتوسل اولیاء کے حق تعالیٰ سے دعا
 کرتے ہیں اس کا کوئی حرج نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ ۱۳۱۰ھ
 (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۵۷)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دارالعلوم دیوبند و حال مفتی اعظم پاکستان
 مسئلہ استعانت اور توسل کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اسی طرح غیر مادی اسباب کے ذریعہ کسی نبی یا ولی سے دعا کرنے کی مدد مانگنا یا ان کا وسیلہ
 دے کہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا روایات حدیث اور اشارات قرآن سے اس کا بھی
 جواز ثابت ہے وہ بھی اُس استعانت میں داخل نہیں جو صرف اللہ کے لیے مخصوص اور غیر اللہ
 کے لیے حرام و شرک ہے (معارف القرآن ج ۱ ص ۱۷۱) اور پھر آگے اس کی مزید تشریح کرنے کے
 بعد لکھتے ہیں۔

وسیلہ۔ استعانت اور استدراج کے مسئلے میں بکثرت لوگوں کو اشکال رہتا ہے امید ہے کہ اس تشریح سے اصل حقیقت واضح ہو جائے گی اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء و اولیاء کو وسیلہ بنانا نہ مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز۔ بلکہ اس میں وہ تفصیل ہے جو اوپر مذکور کی گئی ہے کہ کسی کو مختار مطلق سمجھ کر وسیلہ بنایا جائے تو مشرک و حرام ہے اور جس واسطہ اور ذریعہ سمجھ کر کیا جائے تو جائز ہے اس میں عام طور پر لوگوں میں افراط و تفریط کا عمل نظر آتا ہے (معارف القرآن، ص ۱۷۷) مسلک دیوبند سے وابستہ اور تعلق رکھنے والے حضرات کے لیے علماء دیوبند کے ان جلیل القدر مفتیاں غلام کے یہ فتوے مشغلِ راہ کا کام دیں گے اور نہ ماننے والوں کا ان سے بھی شاید اتفاق مشکل ہو مگر۔

یہی یورش رہی آزادی و قلب و بے جا کی
تو غائب قوم کی تمکین ہے دو چار ہٹوں کی (اکبر الہ آبادی)
الغرض علماء دیوبند کے جملہ اکابر جوازِ توسل کے قائل ہیں اور ان کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں بقول شخصے ع

نہرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

توسل کے کچھ دلائل

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر جوازِ توسل کے بعض دلائل کا تذکرہ بھی کر دیا جائے تاکہ مجوزینِ حضرات کے اذعان و یقین میں مزید اضافہ ہو اور مانعینِ حضرات کے حق میں ممکن ہے کہ وہ راہنمائی کا ذریعہ اور سبب قرار پائیں۔ وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ۔ بعض حضرات نے قرآن کریم کی بعض آیات سے بھی مسئلہ توسل پر استدلال کیا ہے مثلاً
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا
إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (پ۔ المائدۃ)
اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

اور بعض حضرات نے

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتُونَ عَلَى الَّذِينَ
كَفَرُوا الْآيَةَ سے بھی استدلال کیا ہے چنانچہ علامہ سید محمود اوسوی لکھتے ہیں کہ:-

نزلت فی قریظۃ والنضیر کافوا
یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل مبعض
قالہ ابن عباس وقتادۃ اھ

یہ آیت کریمہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے بارے میں نازل
ہوئی ہے وہ اوس و خزرج کے خلاف آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ کے وسیلہ سے فتح طلب کیا
کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ نے
فرمایا ہے۔

اور وہ ان الفاظ سے دعا کرتے تھے۔
اللہم انا نسئلك بحق نبیک الذی
وعدتنا ان تبعثہ فی اخر الزمان انتصرنا
الیوم علی عدونا فینصرون اھ
(سورۃ المعافی جز ۱ ص ۳۲)

اس مضمون کی ایک روایت بھی مستدرک وغیرہ میں آتی ہے لیکن بعض محدثین کرامؒ نے اس
پر سخت کلام کیا ہے اس لیے اُس سے قطع نظر کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا ارشاد
ہی ملحوظ رکھنا چاہیے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:-
قرآن کے اترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے منسوب ہونے تو خدا سے دعا مانگتے کہ
ہم کو نبی آخر الزمان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور جو کتاب ان پر نازل ہوگی، اُن کے طفیل سکے قروں
پر غلبہ عطا فرما، جب حضور پیدا ہوئے اور سب نشانیاں بھی دیکھ چکے تو منکر ہو گئے اور ملعون ہوئے
(انتہی ص ۱) اصول فقہ میں یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر پہلے
لوگوں کی شریعتوں کو بلا انکار کے بیان کریں تو وہ ہم پر بھی لازم ہیں (نور الانوار ص ۲۱۶) اس ضابطہ کو
مؤلف تسکین القلوب نے ص ۱۷ میں باحوالہ بیان اور تسلیم کیا ہے اسی طرح مؤلف ندائے حق نے بھی ص ۱۷
میں یہ تسلیم کیا ہے اور اس پر نور الانوار ہی کا حوالہ دیا ہے پھر دونوں نے راقم پر گفت کرتے ہوئے سو
لفظوں کا چکر بھی دیا ہے جو لا حاصل ہے مؤلف ندائے حق ص ۱۷ میں حضرت شیخ الہندؒ کا نام لے
بغیر یہ لکھتے ہیں کہ اور صاحب تسکین جس بعض کی تفسیر کو اپنی تائید میں پیش فرما رہے ہیں اسی تفسیر
پر بریلویہ بڑے نازاں ہیں پھر آگے مولوی نعیم الدین صاحب کی اطیب البیان تبرید تقویۃ الایمان ص ۲۸

کے حوالہ سے وہی تفسیر نقل کی ہے جو حضرت شیخ الہندؒ نے بیان فرمائی ہے آخر میں مولف مذکور لکھتے ہیں کہ اب ناظرین بتائیں کہ صاحب تسکین اور نعیم الدین ایک ہی شاہ راہ پر گامزن ہیں یا نہ بملاحظہ۔ جواب یہ ہے کہ صاحب تسکین الصدورؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کی شاہ راہ پر گامزن ہے اگر اس مسئلہ میں مولیٰ نعیم الدین بھی ساتھ ہو گئے ہیں تو کوئی تزعج نہیں ہے خود مولف مذکور ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اور کسی سنی کا کسی ایک مسئلہ میں کسی غیر سنی کے ساتھ متفق ہونا اس کو سنی ہونے سے نہیں نکال سکتا۔
 زندائے حق ص ۲۱۶) تسکین القلوب ص ۱۱ میں ہے اور حضرت شیخ الہندؒ کی عبارت کا نقل یہ (یعنی نبی آخر الزمان کے پیشو فرما کہ ہم ان کے زیر علم ہو کر فتح پائیں محصلہ) بھی ہو سکتا ہے لیکن اگر وہی مطلب ہو جو بحوالہ روح المعانی حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا گیا ہے یعنی قبل البغۃ لطفیل دعا کرتا تو وہ بھی ہو سکتا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ یہ معنی حضرت ابن عباسؓ اور علامہ آلوسیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ وغیرہ بزرگوں سے منقول ہے۔
 - ازراہ ابن القيم اسی آیت کریمہ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ

ان الیہود فی الجاہلیۃ ویستنبطون علیہم بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبل ظہورہ فیستمطرون علیہم فلما ظہر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفر واوحدا نبوتہ اھ (بدائع الفوائد ج ۲ ص ۱۴۵)
 بے شک یہود جاہلیت میں اپنے عربی پڑوسیوں سے لڑتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے وہ آپ کے طفیل سے دشمن کے خلاف مدد طلب کرتے تھے تو ان کو فتح و نصرت حاصل ہوتی تھی پھر جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے کفر اختیار کیا اور آپ کی نبوت کا انکار کر دیا۔

اور علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی الخنفیؒ لکھتے ہیں کہ
 اتفق المفسرون واھل الحدیث علی انھا نزلت فی یھود خیبر کا نوا قبل وجودہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یحاربون اسداً وغطفان من مشرک العرب وکانوا یقولون اللھو بحق النبی الذی تبعثتہ
 مفسرین اور محدثین اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت کریمہ ہر خیبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے مشرکین عرب کے قبیلوں اسد اور غطفان سے لڑتے تھے اور اُن کتے تھے کہ لے اللہ تو اس نبی کے حق سے ہیں اُن پر نصرت اور

اٰخِرَ الزَّمَانِ اَلَا نَصْرَتْنَا عَلَيْهِمْ فَيَصْرُوْنَ
فَلَمَّا جَاءَهُمُ الرَّسُوْلُ وَاَوْهَ كُفْرًا بِهٖ
عِنَادًا وَّحَسَدًا (المنحة الوهبية ص ۳)

غلبہ عطا فرما جس کو تو آخر زمانہ میں بھیجے گا سوان کی
مدد کی جاتی پس جب آپان کے پاس آئے اور انہوں نے
آپ کو دیکھا تو عناداً و حسداً آپ کا انکار کر گئے۔

اس سے صراحتہ معلوم ہوا کہ یہ تفسیر صرف بریلویوں کی اختیار کردہ ہی نہیں بلکہ بقول علامہ
بغدادی حضرات مفسرین کرامؒ اور محدثین عظامؒ کا اس پر اتفاق ہے اور اسی لیے حضرت شیخ
الہندؒ جیسی علمی شخصیت نے اس کو اختیار کیا ہے۔

بعض مفسرین کرامؒ نے اس آیت کریمہ کی تفسیریوں کی ہے کہ آپ کی بعثت سے پہلے وہ
آپ کے اوصاف حمیدہ کافروں کے سامنے بیان کیا کرتے تھے۔ مگر آپ کی آمد کے بعد وہ منکر ہو
گئے منکرین کے سامنے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ بیان کرنے اور سلف
ہی آپ کے طفیل سے دعوائے کفر میں کوئی تعارض نہیں ہے تاکہ اس تفسیر کو سابق تفسیر کے
خلاف سمجھا کمالا یخفی

فائدہ :- دیگر فقہائے کرامؒ نے عموماً اور فقہاء احنافؒ نے خصوصاً یہ بیان کیا ہے
کہ توسل کے موقع پر بحق فلاں کا لفظ استعمال کرنا مکروہ ہے اور اس کی وجہ بھی صرف یہ ہے
کہ معتزلہ وغیرہ کے نزدیک نیکیوں پر بندوں کو ثواب دینا اور بدیوں پر عذاب دینا پروردگار
پر ضروری اور حق ہے۔ چنانچہ ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ :-

لَا يَجِبُ عَلَى اللَّهِ شَيْءٌ خِلَافًا لِلْمَعْتَزِلَةِ کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں بخلاف
(مذقات ج ۱ ص ۹۵)

ان کے نزدیک اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو معاذ اللہ تعالیٰ اس کا عدل باقی نہیں رہے گا
اور اس کا بخل و جہل وغیرہ لازم آئے گا۔ لیکن اہل سنت والجماعت اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ
تعالیٰ فاعل مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر کسی کا کوئی حق عائد نہیں ہوتا۔ ہاں محض اپنے
امادہ سے جس حق کا وعدہ کیا ہے وہ بجا ہے اور اس میں نہ تو کلام ہے اور نہ اس سے کسی قسم کا
کوئی جبر لازم آتا ہے اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
حَقًّا عَلَيْنَا نُنَاجِ الْمُؤْمِنِينَ (پاک۔ یونس) حق ہے ہم پر ہم مومنوں کو نجات دیں گے

اور یہ حق بھی بحسب وعدہ ہے اس معنی میں کوئی تباحث نہیں ہاں یہ سمجھ کر کہنا کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق لازم ہے مکروہ ہے چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ

ویکرہ ان یقول فی دعائہ بحق فلان
او بحق انبیائک ورسلك لانہ
لاحق للمخلوق علی الخالق انتہی اھ
(ہدایہ ج ۴ ص ۲۱۱)

اور امام سراج الدین الاودری الحنفی (المتوفی فی حدود ۷۵۰ھ) لکھتے ہیں کہ:-
یعنی مکروہ ہے کہ دعائیں یہ کہے کہ میں بحق فلان
یا بحق رسل یا بحق انبیاء تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

(فتاویٰ سر اجید ص ۲ طبع نولکشتور)

اور حضرت ملا علی نقاریؒ لکھتے ہیں کہ:-

قال ابو حنیفۃ وصاحبہ یکرہ ان
یقول الرجل اسئلك بحق فلان او
بحق انبیائک ورسلك و بحق البیت
الحرام والمشعر الحرام ونحو ذلک
اذ لیس لاحد علی اللہ حق الی ان قال
قلت قد ورد ایضاً اللہ وانی اسئلك
بحق المسائلین علیک و بحق معشای
البیک فالمراد بالحق الحرمة والحق
الذی وعدہ لمقتضی الرحمة۔
(شرح فقہ اکبر ص ۱۷۱ طبع کانپور)

امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے صاحبین (امام ابو یوسفؒ)
اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنی
دعائیں یہ کہے کہ اے پروردگار میں تجھ سے فلان کے
حق یا تیرے انبیاء کرام اور تیرے رسولوں (علیہم الصلوٰۃ
والسلام) اور بیت الحرام اور مشعرہ کے حق سے سوال
کرتا ہوں یا اسی طرح کے اور الفاظ استعمال کرے کھنکھ
اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق (واجب) نہیں پھر آگے فرمایا
کہ میں کہتا ہوں کہ حدیث میں آیا ہے کہ اے پروردگار
میں تجھ سے ان لوگوں کے حق کی بدولت سوال کرتا ہوں
جو تجھ سے سوال کرتے ہیں اور تیری طرف اپنے چلنے کے
حق کی بدولت سوال کرتا ہوں تو اس حق سے حرمت مراد
ہے یا وہ حق جو بحسب رحمت اس وعدہ کے طور پر اپنے ذمہ لیا

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ چونکہ کچھ بد باطن فرقے اس کا معنی غلط لیتے ہیں اس لیے لفظ مکروہ ہے ہاں اگر کسی کا عقیدہ صحیح ہو اور حق سے وہ حق مراد ہو جو بحسب وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اسی معنی میں حضرت مصلح الدین سعدی (المتوفی ۹۱۹ھ) نے یہ لفظ استعمال کیا ہے ۔

الہی بحق بنی فاطمہ کہ بر حال ایساں کنی خاتمہ

علامہ ابو محمد بن عبد اللہ بن ابی حمزہ الاندلسی (المتوفی ۶۹۹ھ) ماحق العباد علی اللہ کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

وفیه دلیل علی ان الحق یطلق علی ما کان من طریق الوجوب وعلی ما کان من طریق التفضل اذا علم المخاطب ذلك ولا یجوز ان یطلق لمن لا یعلمہ (بھیجۃ النفوس المسمنی مجمع النہایہ فی بدائع الخیر والغایۃ ج ۱ طبع مصر) اور اس میں دلیل ہے کہ حق اس پر بھی بولا جاتا ہے جو بطریق وجوب ہو اور اس پر بھی جو تفضل اور مہربانی کے طور پر ہو جب کہ مخاطب اس کو جانتا ہو اور جس شخص کو اس معنی کا علم نہ ہو تو اس کے لیے یہ لفظ بولنا درست نہیں ہے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ سے کسی نے سوال کیا تو اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا کہ :-

سوال :- دعا میں بحق رسول اللہ وعلی اللہ کہنا ثابت ہے یا نہیں ؟ بعض فقہاء و محدثین منع کرتے ہیں اس کا کیا سبب ہے ؟

الجواب :- بحق فلاں کہنا درست ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو تو نے اپنے احسان سے وعدہ فرمایا ہے اس کے ذریعہ سے مانگتا ہوں مگر معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک حق تعالیٰ پر حق لازم ہے اور بحق فلاں کے یہی معنی مراد رکھتے ہیں سو اس واسطے معنی موعوم اور مشابہ معتزلہ ہو گئے تھے لہذا فقہاء نے اس لفظ کا بولنا منع کر دیا ہے تو بہتر ہے کہ ایسا لفظ نہ کہے جو رافضیوں کے ہاتھ مشابہ ہو جاوے فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۶۳ طبع جمعیۃ بوقی پریس دہلی)

توسل بالدار عامہ اور استشفاع

یعنی کسی بزرگ اور زندہ ہستی کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور وسیلہ پیش کیا جائے یا اس کے سے دعا کی التجاء کی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دست بدعا ہو اور حاضرین مجلس بھی اس کے

ساتھ اپنے ہاتھ اٹھا کر خالق کائنات کے ہاں عاجزی اور زاری کریں اور دل کی تنہ سے یہ فریاد کریں کہ
 دینا ہے اپنے ہاتھ سے اسے بے نیاز دے !
 کیوں مانگتا پھرے تیرا سائل جبکہ جگہ !
 علامہ آلوسی الحنفی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

الاستشفاع وهو ان يطلب من الشخص الدعاء والشفاعة ويطلب من الله تعالى ان يقبل دعائه ويؤيد ذلك ان العباس كان يدعو وهم يؤمنون لدعائه حتى سقوا (روح المعاني ج ۶ ص ۱۲)

الاستشفاع کا یہ مطلب ہے کہ کسی شخص سے دعا اور شرف کرائی جائے اور اللہ تعالیٰ سے یہ طلب کرے کہ وہ اس کی دعا کو قبول فرمائے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عباسؓ دعا کرتے تھے اور لوگ ان کی دعا پر آمین کہتے تھے حتیٰ کہ ان پر بارش برساتی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک دفعہ خشک سالی ہوئی اور کافی عرصہ تک بارش نہ ہوئی جس کی وجہ سے لوگ خاصے پریشان ہوئے، اسی اثناء میں :-

ایک دیہاتی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جمعہ کے دن حاضر ہوا تو اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میری ہلاکت ہو گئی، اہل و عیال تباہ ہو گئے، لوگ خستہ حال ہو گئے پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے اور دعا کی اور لوگوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی

انہی اعرابی من اهل البد والی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الجمعة فقال یا رسول اللہ هلکت الماشیة هلك العیال هلك الناس فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیه يدعو و رفع الناس ایدیم مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعون (الحديث بخاری ج ۱ ص ۱۳)

اس آنے والے دیہاتی کا مقصد بھی یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر اور مقبول الدعاء ہیں دعا فرمائیں تاکہ بارش ہو اسی روایت میں آتا ہے کہ کائنات فوراً ظاہر ہوا اور خوب بارش ہوئی اور طحاوی ج ۱ ص ۱۹ کی روایت میں یہ لفظ بھی ہے کہ اس آنے والے نے کہا فادع اللہ بجیتنا فرجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیلو

وفی روایت فادع اللہ بسقینا الخ پس آپ دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہم پر بارش برساے سو آپ نے مانجا اٹھائے الخ اور تقریباً یہی الفاظ دلائل النبوة اصہبائی میں ہیں (جلد ۳۸ ص ۳۸) اور ایسے ہی موقع پر آپ نے جب بلا مانجا اٹھائے دعا مانگنا شروع کی تو آنے والوں اور دعا کی درخواست کرنے والوں نے کہا۔

فقالوا یا رسول اللہ ارفع یدیک الخ یا رسول اللہ مانجا اٹھا کر دعا کریں

اسی روایت میں آتا ہے کہ پہلے آپ نے تبسم فرمایا پھر مانجا اٹھا کر دعا مانگی (دلائل النبوة اصہبائی ص ۳۸) حافظ ابن تیمیہؒ انکشاف التوسل الحدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ

وذلك ان التوسل به في حياته هو اتم كانوا يتوسلون به اى يسألونه ان يدعو الله فيدعوا لهم ويدعون فيتوسلون بشفا ودعاءهم (مختصر الفتاوى المصرية ص ۱۹۶) یہ توسل آپ کی زندگی میں یوں تھا کہ حضرات صحابہؓ آپ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا کی التجا کرتے اور وہ حضرات بھی دعا کرتے تو اس طریقہ سے وہ آپ کی شفا اور دعا کا وسیلہ چاہتے تھے۔

خليفة راشد حضرت عمر بن الخطاب (المترق ص ۲۴) کے دور میں بھی ایسی ہی خشک سالی کی تکلیف پیش آئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو توسل کے طور پر پیش کیا اور یوں ارشاد فرمایا کہ اللہم انا کنا نتوسل اليک ببیننا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتسقینا وانا نتوسل اليک بعد نبینا فاسقنا قال فيسقون۔

اے اللہ بیشک ہم تیرے سامنے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بطور توسل پیش کیا کرتے تھے سو تو ہم پر بارش نازل کیا کرتا تھا اور اب ہم تیرے سامنے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کو بطور وسیلہ پیش کرتے ہیں سو تو ہم پر بارش نازل فرما تو ان پر بارش برساتی جاتی۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۳)

اور ایسے مواقع پر جس قدر اہل غیر اور صلاح کو آگے کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے چونکہ حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا تھے اور اس کے ساتھ ایمان اور آپ کی ہجرت کبھی سے بھی مالا مال تھے اس لیے حضرت عمرؓ نے ان کو دعا کے لیے آگے کیا۔

حافظ ابن حجرؒ علامہ عینیؒ اور تاسنی شہ کافؒ اس روایت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ویستفاد من قصة العباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباسؓ کے اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی

ہے کہ اہل خیر و صلاح اور خاندان نبوت سے
تعلق رکھنے والے حضرات کو بطور توسل پیش کرنا
مستحب ہے۔

استیجاب الاستشفاع باہل الخیر والصلاح
اہل بیت النبوة الخ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۸ واللفظ
وعدة القاری ج ۲ ونبیل الاوطار ج ۴ ونحو فی
مختصر الفتاوی المصریۃ ص ۱۹)

اور حضرت عباسؓ کی یہ دعا در حقیقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برکت اور آپ کے
تعلق کی وجہ سے ہی قبول ہوئی چنانچہ علامہ ناج الدین سبکیؒ لکھتے ہیں کہ

فہذہ دعوة مستجابہ ببرکتہ نبینا محمد
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اھ (طبقات السبکی
ج ۲ ص ۶۹ طبع مصر)
پس یہ دعا ہماری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
وسلم کی برکت ہی سے قبول ہوئی اور ان کی دعا کے الفاظ
بھی علامہ سبکیؒ نے نقل کر دیے ہیں (ایضاً)

توسل فعلی

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کا پہلا بیان وہ فرماتے ہیں کہ اس روایت متاخرین
حضرات کا توسل مراد نہیں کہ دعا کرنے والا کسی بزرگ کا نام بطور توسل پیش کر کے دعا مانگے مثلاً
یہ کہ اے پروردگار تو بوسیۃ فلاں میرا کام کر دے (بلکہ اس سے مراد توسل فعلی ہے یعنی کسی زندہ کو
آگے کر دینا تاکہ وہ دعا کرتا رہے اور قوم دعا میں اس کا ساتھ دے) چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

قوله اللهم اننا كنا نتوسل ابيك يا نبينا صلي
الله عليه وسلم ليس فيه التوسل المعهود الذي
يكون بالغائب حتى قد لا يكون به شعور
اصلاً بل فيه توسل السلف وهو ان
يقدم رجلاً ذا وجاهة عند الله تعالى
ويأمره ان يدعوهم ثم يجيل عليهم في
دعائهم كما فعل بعباس رضي الله عنه عم
النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولو كان
فيه توسل المتأخرين لما احتاجوا باذنا

اللهم اننا الخ کے اس قول سے وہ معہ توسل مراد نہیں جو
غائب کیا جاتا ہے یہاں تک اس کو اس کا بالکل شعور بھی ہو
بلکہ اس حدیث میں سلف کے توسل کا ذکر ہے وہ یہ
کہ کسی ایسے شخص کو آگے کیا جائے جس کا اللہ تعالیٰ کے
ہاں درجہ ہو اور اس سے التجاہ کی جائے کہ وہ ان کے لیے
دعا کرے پھر دعا اسی کے سپرد کی جائے جیسا کہ آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ سے کیا گیا
اور اگر اس سے متاخرین کا توسل مراد ہوتی تو حضرت عباسؓ
کو ساتھ لے جانے کی ان کو حاجت ہی نہ پڑتی

عباس رضی اللہ عنہ معہم ولکفی لہم
التوسل بنبیہم بعد وفاتہ ایضاً وبالعباس
رضی اللہ عنہ عند عدم شہودہ معہم اھ

(فیض الباری ج ۲ ص ۳۷۹)

اور ان کے لیے کافی تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا
توسل کرتے یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ان کی غیر حاضری
میں توسل کر لیتے۔

حضرات متقدمین کے اس توسل میں دعا کرنے والا بمنزلہ امام ہوتا ہے اور اس کی دعا پراہین
کہنے والے بمنزلہ مقتدی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر حاکفے ہیں کہ

وقد روی عبد الرزاق من حدیث ابن
عباس رضی اللہ عنہ ان عمرًا استسقی بالصلی
فقال للعباس قم فاستسق فقام
العباس فذکر الحدیث فقیلین بھنا
ان فی القصة المذكورة ان العباس کان
مستولاً وانہ بنزل منزلة الامام اذا
امرہ الامام بذلك اھ

(فتح الباری ج ۳ ص ۱۲۸ طبع مصر)

محدث عبد الرزاق رحمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے
روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے عید گاہ میں بارش
طلب کی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ کھڑے
ہوں اور بارش کی دعا کریں تو حضرت عباس کھڑے
ہوئے پھر آگے حدیث بیان کی اس سے واضح ہوا
کہ قصہ مذکورہ میں حضرت عباسؓ مستول تھے اور
وہ بمنزلہ امام تھے کیونکہ امام (حضرت عمرؓ) نے ان کو
اس کا حکم دیا تھا۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ حضرت عباسؓ اس دعا میں امام تھے اور حاضرین بمنزلہ
مقتدی تھے علامہ عینیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

وبعدہ استسقی عمر بن الخطاب
بالعباس رضی اللہ عنہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم فجعلوه کالامام یسأل فیہ لانه
کان امسن بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
واقربھو الیہ رحمًا اھ

(عمدة القاری ج ۷ ص ۳ طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد
حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں سمیت آنحضرت صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کے توسل
سے بارش طلب کی سو ان کو امام کی مانند قرار دیا،
کیونکہ قرابت کے لحاظ سے وہ باقی تمام حضرات سے
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ پیوستہ
اور زیادہ قریب ہے۔

اور یہ واقعہ امام ابو عمر بن عبد البر نے بھی ان الفاظ سے نقل کیا ہے۔

ثم قال عمر بن الخطاب رضي الله عنه فادع فقال العباس بن العباس (الاستيعاب على الاصابة ج ۳ ص ۹۸)

پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے ابوالفضل (یہ حضرت عباسؓ کی کنیت تھی) کھڑے ہو کر دعا کریں سو حضرت عباسؓ نے فرمایا الخ

اس ساری کا روائی سے توسل فعلی کا ثبوت ملتا ہے جو بقول حضرت مولانا سید محمد اوشاہ صاحب متقدمین کا توسل تھا۔ اور ایسا ہی واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (متوفی ۶۰ھ) کے زمانہ میں پیش آیا، چنانچہ حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن کثیر اور علامہ بدر الدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ

وكذلك استسقى معاوية بن ابي سفيان بن يزيد بن الاسود الجرشى وقال اللهم اني استشفع اليك بخيارنا يا يزيد ارفع يدك الى الله عز وجل فرفع يديه ودعا ودعا فاستقوا فلذلك قال العلماء يستحب ان يستسقى باهل الصلاح والخير (زيارة القبور والاستنجاد بالقبور ص ۱۱ واللفظ ۹) والبدایة والنهاية ج ۸ ص ۳۲۴ وفننصر الفتاوى المصرية ص ۱۹۱

اور اسی طرح حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے یزید بن الاسود الجرشىؓ کے توسل سے بارش طلب کی اور فرمایا کہ اے میرے اللہ تم اپنے میں سے بہتر شخص کو تیرے سامنے سفارشی پیش کرتے ہیں (پھر فرمایا کہ) اے یزید اپنے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے اٹھا۔ تو انہوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اور لوگوں نے بھی دعا کی تو ان پر بارش برسانی گئی اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ اہل خیر و صلاح کے وسیلہ سے استسقا مستحب ہے۔

اور علامہ الشیخ سلیمان بن سحمانؒ توسل کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

فان التوسل بالنبي في عرف الصحابة هو التوسل بدعائه وكذلك لما توسل عمر بن العباس فما هو بدعائه لقوله قم يا عباس فادع الله وكقول معاوية بن يزيد بن الاسود الجرشى

حضرات صحابہ کرامؓ کے عرف میں توسل بالنبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) توسل بالدعا ہی تھا (یعنی آپؐ سے دعا کرنا) اور اسی طرح جب حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے توسل کیا تو ان سے دعا کروائی اور فرمایا کہ اے عباسؓ آپ کھڑے ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں

قُمْ يَا بَزِيدُ فَادْعِ اللَّهَ وَلَيْسَ هَذَا
تَوْسَلًا بِالذَّوَاتِ لِأَنَّ التَّوَسُّلَ بِالذَّوَاتِ
لَمْ يَرِدْ إِلَّا بِلَفْظٍ غَيْرِ ثَابِتٍ لَا يَصِحُّ
وَالتَّوَسُّلُ بِالْأَعْمَالِ قَدْ ثَبِتَ بِالْكِتَابِ
وَالسُّنَّةِ الصَّحِيحَةِ اهـ (البيان المبدی ص ۳۱)

اور اسی طرح حضرت معاویہؓ نے نیز بَدَنِ الاسود
الجرشیؓ سے فرمایا تھا کہ اے بَزیدؓ کھڑے ہو کہ اللہ
تعالیٰ سے دعا کریں اور یہ توسل بالذوات نہیں کہو
توسل بالذوات کے بارے میں کوئی صحیح لفظ
ثابت نہیں اور توسل بالاعمال کا ثبوت کتاب اللہ
اور سنت صحیحہ سے ثابت ہے۔

باقی مضمون تو بالکل صاف اور واضح ہے البتہ ان کا یہ ارشاد کہ توسل بالذوات کے بارے
کوئی صحیح ثبوت نہیں محل نظر ہے اولاً اس لیے کہ حضرت عثمانؓ بن حنیف کی روایت بالکل
صحیح ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اور اسی طرح بعد از وفات
توسل ہوا ہے وثلاً آئیہا ہمارے نزدیک توسل بالذوات اور توسل بالاعمال کا اختلاف صرف
نزاع لفظی پر مبنی ہے جیسا کہ اسی کتاب میں اس کی تصریح ہے۔

توسل قولی

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب پہلے متاخرین کے توسل میں متردد تھے مولف تسکین
القلوب ص ۲۹ میں فیض الباری کا سابق حوالہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں اس عبارت سے آپ
(یعنی مولانا سید محمد انور شاہ صاحب) توسل مروجہ کار دہرتے ہیں اور مولف ندائے حق ص ۹۹
میں لکھتے ہیں کہ آپ اس کی تردید فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ اس حدیث سے ثابت نہیں الخ اور صفحہ ۳
میں حافظ ابن تیمیہ کا مسئلہ توسل سے انکار اور حضرت شاہ صاحب کا تردید لکھتے ہیں (محصلہ) اس
سابق عبارت کے پیش نظر ان حضرات کا یہ کہنا اور لکھنا بالکل بجا ہے لیکن حضرت مولانا سید محمد انور
شاہ صاحب کا آخری فیصلہ بھی علماء کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور عملی طور پر اس سے اغماض جائز
نہیں ہے اور جمہور امت کا اسی پر عمل ہے کہ آخری قول ہی کا اعتبار ہونا ہے انما یؤخذ بالآخر
فالاخیر۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب حدیث وان اتوسل الیک بعیم نبینا
الحديث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

قلت وهذا توسل فعلى لانه كان يقول
میں کہتا ہوں کہ یہ توسل فعلی ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے

بعد ذلك قم يا عباس فاستسق
فكان يستسقي لهو فلم يثبت منه
التوسل بالقول اى الاستسقاء باسماء
الصالحين فقط بدون شركتهم قول
وعند الترمذى ان النبى صلى الله تعالى
عليه وسلم علم اعرابيا هذه الكلمات
وكان اعلمى اللهم انا اتوجه اليك
بنبيك محمد بنى الرحمة الى قوله
فَشَقَّقْتُ مِنْ فَيْ قَتَبْتُ مِنْ التَّوَسُّلِ الْقَوْلِ
ايضاً وحيد بن زناد الحافظ ابن تيمية
نظا اول انتهى (فيض البارى ج ۲ ص ۶۸)

اس کے بعد حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ کھڑے ہو
اور بارش طلب کریں تو انہوں نے لوگوں کھیلے
بارش طلب کی تو اس سے توسل قوی ثابت نہیں ہوا
یعنی نیک لوگوں کی شرکت کے بغیر محض ان کے ناموں
کی برکت سے بارش طلب کرنا۔ میں کہتا ہوں، کہ
ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو جو اندھا تھا ان کلمات
سے تعلیم دی۔ اے اللہ میں تیرے سامنے تیرے نبی
محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے جو نبی رحمت
ہیں التجار کرتا ہوں پھر آگے فرمایا اے اللہ تو ان کی
سفارش میرے حق میں قبول فرما تو اس سے توسل قوی
بھی ثابت ہو گیا۔ لہذا حافظ ابن تیمیہ کا اس سے انکار
زیادتی ہے۔

۱۰ اس عبارت میں نہ صرف یہ کہ حضرت شاہ صاحب نے توسل قوی کا اقرار و اثبات ہی کیا ہے
بلکہ حافظ ابن تیمیہ کا رد بھی کیا ہے اور استدلال میں وہی روایت پیش کی ہے جو راقم انیم نے
تسکین الصدور میں نقل کی تھی جس پر بلا وجہ مؤلف تسکین القلوب نے ص ۲۳۲ میں اور مؤلف
ندائے حق نے ص ۲۹ تا ۲۰۲ میں حطی اور خطی مدنی اور مدینی وغیرہ کے الفاظ لکھ کر اس سند کے راوی
ابو جعفر کے بارے میں مبتدی طالب علموں کو مغالطہ دینے کی ناکام سعی کی ہے نیز یاد رہے کہ ترمذی
شریف کی اسی روایت سے توسل کے جواز پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے
بھی استدلال کیا ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۸۹)

کسی کے وسیلہ سے دعا مانگنا

یعنی کسی مقبول بزرگ اور فاضل ہستی کی ذات گرامی کو (مع ان صفات جمیلہ کے جو اس میں پائی
جاتی ہیں) دعا کرنے والا اپنی دعا میں بطور توسل پیش کرے اور اپنی زبان اور اپنے الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے

اس طرح دعا کرے کہ اے قادر مطلق تو فلاں بزرگ کے طفیل اور اس کے وسیلہ سے دیا اسی طرح کے اور الفاظ ہوں) میری دعا قبول فرما۔ جہور اہل اسلام کے نزدیک یہ جائز اور صحیح ہے جیسا کہ پہلے باتوالیہ عرض کر دیا گیا ہے اور اس کے لیے ایک دلیل حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ (المتوفی ۳۷ھ) کی روایت ہے جو حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے چنانچہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے مجاہد بن غیلان نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عثمان بن عمرؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے شعبہؒ نے بیان کیا اور وہ ابو جعفرؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ عمارہ بن خزيمة بن ثابت سے اور وہ حضرت عثمان بن حنیف سے وہ فرماتے ہیں کہ:

۱۔ امام ترمذی کا نام محمد بن ولید بن محمد بن عیسیٰ بن سوہ اور کنیت ابو عیسیٰ تھی الامام اور الحافظ تھے (تذکرہ الحفاظ ج ۲ ص ۱۸) صحاح میں مرکزی کتاب جامع الترمذی کے مصنف تھے ۲۹۷ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے ۲۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ میں ان کو خدمت حدیث میں صرف اور صاحب سنت دیکھا ہے امام نسائیؒ اور مسک فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے محدث ابن جابر ان کو ثقافت میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۶۵) امام بخاریؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ۳۳۹ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے ۳۔ امام احمد اور ابن معینؒ اور ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے امام علیؒ ان کو ثقہ اور ثبت فی الحدیث کہتے ہیں امام ابو حاتمؒ ان کو صدق کہتے ہیں محدث ابن جابر ان کو ثقافت میں لکھتے ہیں اور امام ابن قانعؒ فرماتے ہیں کہ وہ صالح تھے (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۲۹) ۴۔ ۲۰۹ھ میں ان کی رحلت ہوئی ہے ۵۔ علامہ بیہقیؒ ان کو النجاء الحافظ اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں (تذکرہ ج ۱ ص ۱۸)۔ المتوفی ۲۶۱ھ) ۶۔ ان کا نام محمد ولید اور نسبت یوں ہے عمیر بن یزید الانصاری ابو جعفر الخظی المدنی، امام ابن معینؒ اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے امام ابن جابر ان کو ثقافت میں لکھتے ہیں محدث ابن نمیرؒ علیؒ اور طبرانیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں امام عبد الرحمن بن مہدیؒ ان کو صاحب صدق کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۵۸) اصل میں وہ مدینہ طیبہ کے باشندہ تھے بعد کو بصرہ میں چلے گئے تھے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نقل کرتے ہیں کہ وہ مدنی قدم بصرہ (تہذیب ج ۱ ص ۱۵۸) وہ مدنی تھے بصرہ میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ حدیث کی بعض کتابوں میں ان کو المدنی اور بعض میں المہدنی سے یاد کیا گیا ہے اہل علم جانتے ہیں کہ پہلے مدینہ طیبہ کی طرف نسبت کرتے وقت المدنی اور المہدنی دونوں تعبیریں درست تھیں لیکن جب خلیفہ ابو جعفر منصور بن المہدیؒ (المتوفی ۲۳۶ھ) نے بغداد کا نام بدل کر کیوں کہ بلغ ایک بُت کا نام تھا اور داد کے معنی فارسی زبان میں اُس نے دیا کے ہوتے ہیں تو اس میں دینے کی نسبت بُت کی طرف ہوتی ہے اس لیے فقہاء کرامؒ نے اس نام کو پسند نہیں کیا۔ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۵۸) مدینہ السلام رکھا۔ تو اس کے

ان رجلاً ضریر البصر انا النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 فقال ادع الله ان يعافيني قال ان شئت
 صبرت فهو خير لك قال فادع قال فادع
 بتوضاً فيحسن وضوءاً ویدعو بهذا الدعاء
 اللهم اني اسئلك واتوجه اليك ببنيك
 محمد بنی الرحمة اني توجهت بك الى ربي في
 حاجتي هذه لتقضي لي اللهم فتشفعه في

ایک نابینا شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس
 آیا تو اُس نے کہا کہ حضرت! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ
 وہ مجھے صحیح ناب (اور بینا) کرے آپ نے فرمایا کہ اگر
 توجا ہے تو میں دعا کروں اور اگر توجا ہے تو صبر کرو اور
 صبری تیرے لیے بہتر ہے اُس نے کہا کہ حضرت!
 آپ دعا فرمائیں! آپ نے حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو
 کرے اور یہ دعا پڑھے اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا

(فقہ صفحہ گذشتہ) بعد علامہ عربیت نے مدینہ طیبہ اور مدینہ السلام (یعنی بغداد) کی طرف نسبت میں فرق کیا چنانچہ مشہور
 لغوی علامہ ابوالفضل محمد بن عمر القرشیؒ لکھتے ہیں کہ :-
 اذا نسبت الى مدينة الرسول قلت مدني
 والى مدينة المنصور مديني والى مدائن كسري
 مدائن (صراح ص ۵۲)

اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مدنی اور مدینی مدینہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت ہے قیاس تو یہ
 ہے کہ نسبت کے وقت اس میں یاد حذف کی جائے اور جو لوگ یاد کو حذف نہیں کرتے وہ اس لفظ کو اصل پر لکھتے ہیں
 (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۷۱) یعنی یہ لفظ حرف یاد کو برقرار رکھ کر بھی پڑھا گیا ہے۔ مدینی یہ حوالہ مدائے حق ص ۳۵ میں بھی
 موجود ہے لیکن اس کے باوجود رافق کی بلا وجہ صرف غلطی نکالنے کے لیے شافیہ کا حوالہ ڈھونڈ لگا لایا ہے کہ نسبت
 میں یا حذف کی جاتی ہے (شافیہ ص ۱۷۱) بجا ہے رافق نے موافق قیاس کی بحث ہی نہیں جھپٹری اصل نسبت میں
 بحذف یا ہی ہی لیکن یاد کے ساتھ بھی نسبت وارد ہوئی ہے جیسے علامہ قرشیؒ اور نوویؒ نے فرمایا ہے۔

اور خطبہ انصار میں سے ایک شخص کا نام تھا صراح ص ۲۶۱ میں ہے خطبہ نام مردے از انصار۔ اس لحاظ
 سے ابو جعفر الخطمی المدنی اور (بعض روایات میں) المدینی ایک ہی ہے اور یہ ثقہ راوی ہے۔

۶۔ عمارہ بن خزيمة کے بارے میں امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے، محدث، ابن حبانؒ ان کو
 ثقات میں لکھتے ہیں علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور قلیل الحدیث کہتے ہیں۔

(ترمذی ج ۲ ص ۱۹۷) واللفظ له وقال حسن صحیح
 غریب و مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۸) وابن ماجہ ص ۲۴
 و مسند ابی یوسف ص ۳۱۳ والنزہیہ التزہیب ج ۱ ص ۲۴
 قال رواہ النسائی وابن خزيمة في صحيحه ومشكوة
 ج ۱ ص ۲۱۹ والبداية والنهاية ج ۶ ص ۱۶۱ عن احمد
 و کتاب الاذکار ص ۱۶۷)

ہوں اور تیری طرف تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم جو نبی الرحمتہ ہیں کے وسیلہ سے توجہ کرتا
 ہوں، حضرت! میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ
 پیش کرتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے
 اے اللہ تو ان کی شفاعت میرے بارے میں
 قبول فرما۔

امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ اس روایت کو ایک مقام پر بخاری اور مسلم دونوں کی شرط پر صحیح فرما
 ہیں (مسند ابی یوسف ص ۳۱۳ مع التلخیص) اور دوسرے مقام پر بخاری کی شرط پر صحیح کہتے
 ہیں (مسند ابی یوسف ص ۱۵۲) اور تیسرے مقام پر صحیح کہتے ہیں (ج ۱ ص ۱۵۹) علامہ حنفیؒ فرماتے
 ہیں و هذا الحديث مسند صحيح اه نسيم الرياض ج ۳ ص ۱۶۱ طبع مصر
 علامہ سہودیؒ فرماتے ہیں صحیح البیہقی (دفاع الوفا ج ۲ ص ۲۲)
 اور حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ
 رواہ اهل السنن وصحی الترمذی الخ
 (فتاویٰ ج ۴ ص ۳۷)

اہل سنن نے یہ حدیث روایت کی ہے اور ترمذیؒ
 نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔
 الغرض یہ روایت اصول حدیث کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے اور ہم نے اس کی اس
 لیے قدرے تشریح کر دی ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ کے الفاظ جو پہلے نقل کیے جا چکے ہیں ان سے
 اس کی عدم صحت کا شبہ پڑتا ہے امام ترمذیؒ کو اس مقام پر شبہ ہوا ہے وہ فرماتے ہیں کہ
 اس سند میں ابو جعفر الخطمی نہیں (وہو غیور الخطمی) ان کے اس دہم کی بناء پر بعض دیگر حضرات
 کو بھی یہ منوط ہوا کہ یہ اگر الخطمی نہیں تو ابو جعفر الرازی ہوگا یا ابو جعفر المدائنی ہوگا اور یہ دونوں سخت
 ضعیف ہیں لہذا ان کی روایت کا کیا اعتبار؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ راوی ابو جعفر الخطمی ہی ہے
 چنانچہ امام ابوبکر احمد بن محمد المعروف بابن السنی الدینوری المتوفی ۳۶۲ھ اپنی کتاب عمل الیوم
 واللیلہ ص ۲۰ (طبع دائرة المعارف حیدرآباد دکن) میں المدنی و هو الخطمی ہی نقل
 کرتے ہیں اور اسی طرح مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۸ میں بھی ابو جعفر الخطمی ہے۔ اور امام حاکمؒ اور علامہ

ذہبی المدنی الخطمی نقل کرنے ہیں، امام طبرانیؒ بھی ابو جعفر الخطمی ہی نقل کرتے ہیں (معجم صغیر طبرانی ص ۱۰۴) اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:-

ابو جعفر الخطمی المدنی (تقریب ص ۲۹۱) و تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۵۱ ابو جعفر خطمی بھی ہے اور مدنی بھی۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن صحیح الخ سے تعبیر کرتے ہیں اگر یہ الرازی یا المدائنی ہوتے تو وہ تو بڑے کمزور اور پرلے درجہ کے ضعیف بلکہ وقیع راوی تھے ان کی حدیث کو یہ مقام وہ ہرگز نہ دیتے، معلوم ہوا کہ اس سند میں ابو جعفر امام ترمذیؒ کے نزدیک بھی ثقہ ہے گوان کے دہم کے لحاظ سے وہ الخطمی نہ ہو، مگر درحقیقت وہ الخطمی ہی ہے جیسا کہ ہم نے باحوالہ یہ ثابت کر دی ہے اور ترمذی ج ۲ ص ۲۷۷ طبع مصر میں دھوا الخطمی کے لفظ ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ہندی طبع میں غالباً کتابت کی غلطی سے لفظ غیر نادر ہو گیا ہے وھوالحق، واللہ الحمد مولف ندائے حق لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ترمذی میں گویا ہے وہو غیر الخطمی مگر باقی علماء خطمی کہتے ہیں پھر خطمی ہی کی تصویب فرمائی و سائل العلماء قالوا ہو ابو جعفر الخطمی وھوالصواب (قاعدہ جلیلہ ص ۸۸ ندائے حق ص ۱۹)

یہی وہ روایت ہے جس کے بارے میں امام عزالدین بن عبد السلامؒ نے آنحضرت ﷺ آلہ وسلم کی حیات میں توسل کی تخصیص کی ہے اور قاضی شوکانیؒ نے اس کا رد لکھا ہے جیسا کہ ان کے حوالہ سے پہلے یہ بات نقل کی جا چکی ہے اس لیے اب اعادہ کی حاجت نہیں۔

حضرت مولانا تھانویؒ اس حدیث کا ترجمہ کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں ف اس سے توسل صراحتاً ثابت ہوا اور چونکہ آپ کا اس کے لیے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں۔ اسے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دعا کا جائز ہے، اسی طرح توسل دعا میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے اور حاصل توسل فی الدعاء کا یہ ہے کہ اے اللہ فلاں بندہ آپ کا مورد رحمت کا ہے اور مورد رحمت سے محبت اور اعتقاد رکھنا بھی موجب جلب رحمت ہے اور ہم اس سے محبت اور اعتقاد رکھتے ہیں پس ہم پر بھی رحمت فرما اور توسل بالا اعمال میں بھی تھوڑے تغیر سے یہی تقریر ہے کہ یہ اعمال آپ کے نزدیک موجب رحمت ہیں اور ان کا فاعل بھی مرحوم ہوتا ہے اور ہم نے یہ اعمال کئے تھے پس ہم پر رحم فرما (نشر الطیلب ص ۲۵۲ جید برقی پریس دہلی)

اور ایک اور مقام پر ایک حدیث کے فائدہ میں لکھتے ہیں کہ:

عادةً توسل اہل طریق میں مقبول الہی کے توسل سے دعا کرنا بکثرت شائع ہے، حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے اور شجرہ پڑھنا جو اہل سلسلہ کے یہاں معمول ہے، اس کی حقیقت اور غرض ہے اھ۔ (التکشف ص ۲۲۶)

ان عبارات سے توسل کا صحیح مفہوم اور مراد واضح ہو جاتی ہے اور اس طرح کے توسل میں نہ تو شرک لازم آتا ہے اور نہ کلمہ است۔ جن حضرات نے اس توسل کو نصوص کے خلاف سمجھا اور بتایا ہے وہ خود چہل مرکب کا شکار ہیں اور بالکل غیر متعلق نصوص سے اس کا رد کرتے ہیں چنانچہ قاضی شوکانیؒ مسئلہ توسل کے جواز کی طویل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اب معلوم ہو گیا کہ جو دلائل منکرین توسل پیش کرتے ہیں مثلاً مَا نَعْبُدُ هُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ شَرْفًا اور فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا اور لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ شَيْءٌ ہمارے دعویٰ جواز توسل بالنبی والصالحین کے لیے مضر نہیں بلکہ اگر ان آیات کو امتناع توسل کے لیے پیش کیا جائے گا تو یوں کہا جائے گا کہ محل نزاع اور امتناع توسل سے یہ دلائل بالکل اجنبی ہیں لہٰذا (در نصیذ مؤلفہ قاضی شوکانیؒ مانحوذ از بواد الرواد ص ۲۴۷) قاضی شوکانیؒ کا یہ طویل مضمون حضرت مولانا عبد العزیز صاحب لوی المنونیؒ ۳۵۹ھ سابق خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ نے اپنے علمی اور تحقیقی رسالہ العدل ۲۹ جون ۱۹۲۷ء میں بھی شائع کیا تھا)

چونکہ ابن ماجہ سنن وغیرہ کی اسی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں یا محمد اتی قد توجہت بک الی ربی الحدیث تو اس سے مانعین توسل کو حاضر و ناظر اور علم غیب کا شبہ ہوا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے چنانچہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں اقول اس قصہ میں تو خود فخر عالم زندہ اس عالم میں تھے اور آپ ہی کے حکم سے یہ عمل ہوا تھا۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر تھے تو اس وقت میں تو کوئی ضرورت جواب و توجیہ کی نہیں اور بعد آپ کے معمول ہے تو اسی طرح سمجھ کر ہے کہ آپ کی خدمت میں تبلیغ ہوتی ہے ملائکہ پہنچا ہیں علم استقلال (یعنی بغیر فرشتوں کے پہنچانے کے۔ صقدر) نہ اس میں ہے اور نہ اس عقیدہ

سے پڑھنا اس کا درست ہے تو ایسی حالت میں یہ بھی شرک ہو جائے گا (البراہین القاطعہ ۲۱۹)

ایک شبہ

بہت ممکن ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہو (جیسا کہ امام عزالدین بن عبدالسلام کو بھی ہو چکا ہے) کہ اس حدیث سے جو ثابت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تو سل جیات میں تھا اور اکثریت سے تو سل بالاموات ہوتا ہے، لہذا یہ حدیث اس مسئلہ سے غیر متعلق ہے۔

اور اس کا ازالہ

اگرچہ سطحی طور پر اس حدیث سے یہ شبہ پڑتا ہے مگر تحقیق کے میدان میں اس کا کوئی مقام نہیں ہے کیونکہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عثمان بن عفان کی خلافت میں یہی دعاء ایک شخص کو بتلائی تھی اور اس نے دعاء کی تھی اور ان کا کام بن گیا تھا اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ حدیث کا راوی اپنی مروی حدیث کا مطلب اور مراد دوسروں سے بہتر جانتا ہے اور کسی نے ان پر تکبر بھی نہیں کیا لہذا اس سے تو سل بعد الوفات بھی ثابت ہے چنانچہ امام طبرانی فرماتے ہیں کہ ہم سے طاہر بن عیسیٰ بن قیس المصری المقرئ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اصبخ بن الفرج نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن وہب نے بیان کیا وہ ابوسعید (ثیب بن سعید) المکی سے اور وہ روح بن القاسم سے اور وہ ابو جعفر الخطمی المدنی سے اور وہ ابوامامہ بن سہل بن حنیف سے اور وہ اپنے چچا حضرت عثمان بن حنیف سے روایت کرتے ہیں کہ :-

ان رجلاً کان یختلف الی عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حاجۃ لہ فکان عثمان لا یلتفت الیہ ولا ینظر فی حاجتہ فلفی ابن حنیف فمشکی ذلک الیہ فقال لہ عثمان بن حنیف یرایک المیضاۃ فتوضاۃ تطیبت المسجد فصل فیہم کعتین ثم قل اللہم انی استعذک و اتوجه الیک بنبیئنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ایک شخص حضرت عثمان بن عفان کے پاس ایک ضروری کام کے سلسلہ میں آیا جا یا کرتا تھا، اور حضرت عثمان (غالباً بوجہ مصروفیت) نہ تو اس کی طرف توجہ فرماتے اور نہ اس کی حاجت براری کرتے وہ شخص حضرت عثمان بن حنیف سے ملا اور اس کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ وضو کی جگہ جاؤ وضو کر کہ پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ پھر کہہ

نبی الرحمتہ الحدیث (معجم صغیر و شفاء السقام)
۱۲۵ھ، وفاء الوفا ج ۲ ض ۲۲۶ (۲۲۶)

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور بوسیلہ حضرت
محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں
جو نبی الرحمتہ ہیں الخ

اسی روایت کے آخر میں اس کی تصریح ہے کہ اس شخص نے ایسا ہی کیا اور اس دعا کی
برکت سے حضرت عثمان بن عفان نے اس کی تعظیم و تکریم بھی کی اور اس کا کام بھی پورا کر دیا۔
امام طبرانی فرماتے ہیں کہ والحدیث صحیح کہ یہ حدیث صحیح ہے (معجم صغیر ص ۱۲۱) اور علامہ
منذری بھی اس روایت کو نقل کر کے امام طبرانی کے اس قول والحدیث صحیح کی تائید کرتے
ہیں (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۲۲) اور امام سبکی فرماتے ہیں کہ امام بیہقی نے بھی یہ روایت
دوسندوں سے روایت کی ہے۔ پھر آگے سند بیان کی ہے (شفاء السقام ص ۱۲) امام
سبکی فرماتے ہیں کہ اس روایت سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی
وفات کے بعد بھی آپ کا توسل درست ہے (شفاء السقام ص ۱۲) اور ایسا ہی علامہ
سمودی نے لکھا ہے (وفاء الوفا ج ۲ ض ۲۲۶) حضرت مولانا تھانوی اس روایت کو نقل
کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

ف اس سے توسل بعد الوفات بھی ثابت ہوا اور علاوہ ثبوت بالروایہ کے درایت بھی ثابت ہے کیونکہ
روایت اول کے ذیل میں جو توسل کا حاصل بیان کیا گیا ہے وہ دونوں حالتوں میں مشترک ہے اھ (نشر الطیف ص ۱۲)
اور بریقہ محمودیہ ج ۲ ص ۲۱ میں ہے

و يجوز التوسل الى الله تعالى والاستغاثة
بالانبياء والصالحين بعد موتهم
الغرض جمہور جس توسل کے قائل ہیں وہ دلائل کے رُوسے بزرگوں کی زندگی میں بھی اور بعد از
وفات بھی جائز اور صحیح ہے۔ لاشك فيہ۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اور صالحین کا توسل بھی درست ہے۔

جس طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل درست ہے اسی طرح اور صالحین کا

توسل بھی درست ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔

چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن محمد العبدی الفاسی المالکی الشویر بابی الحاج المتوفی
۳۷۷ھ لکھتے ہیں کہ

بل یبدأ بالتوسل الی اللہ تعالیٰ بالنبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذ هو العمدۃ فی
التوسل والاصل فی ہذہ کلہ المشرع
لہ فیتوسل بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
اتبعہ باحسن الی یوم الدین
(المدخل ج ۱ ص ۲۵۵ طبع مصر)

بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے توسل سے دعا شروع کی جائے گی کہ
آپ ہی توسل میں عمدہ اور اس میں اصل ہیں اور
آپ ہی نے اس کو مشروع قرار دیا ہے پس آپ
سے اور قیامت تک آنے والے آپ کی عمدہ
اتباع کرنے والوں سے توسل کیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت تک نیک لوگوں کے توسل سے دعا کرنا درست اور صحیح ہے
علامہ ابن حجر مکیؒ سابق نقل کردہ حدیث توسل پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ
اس حدیث کی امام بیہقی نے تصحیح کی ہے اور اس
میں یہ جملہ زائد نقل کیا ہے کہ وہ (تندرست ہو کر)
اٹھ کھڑا ہوا اور طبرانیؒ نے جبہ سند کے ساتھ یہ
روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے اپنی دعا میں اس کا بھی ذکر فرمایا کہ اے
اللہ! اپنے نبی کے حق سے اور ان انبیاء (علیہم
الصلوٰۃ والسلام) کے حق سے جو مجھ سے پہلے گذرے
چکے ہیں (دعا قبول فرما) اور توسل۔ استغاثہ۔ تشفع
اور توجہ (وغیرہ) میں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
یا آپ کے بغیر اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
اور حضرات اولیاء کرام سے کیا جائے کوئی فرق نہیں ہے

وصحہ البیہقیؒ وزاد فقام وروی
الطبرانی بسند جید انه علیہ السلام
ذکر فی دعائہ بحق نبیک والانبیاء
الذین من قبلی ولا فرق بین ذکر
التوسل والاستغاثۃ والتشفع و
التوجہ بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
او بغیرہ من الانبیاء وکذا الاولیاء
اھ (حاشیہ ابن حجر المکیؒ علی الايضاح
فی مناسک الحج للنوویؒ ص ۲۵ طبع مصر)

جس طرح یہ الفاظ تقریباً ہم معنی ہیں اسی طرح لفظ طفیل برکت۔ جاہ اور حرمت وغیرہ

الفاظ بھی ہیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ الْآيَةِ** کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل میں سب کی طرف خدا کی نظر لطف و رحمت ہوگی تب کچھ عرض کرنے کی برأت کریں گے اھ ص ۱۶۱ اور **قُلْ كُونُوا أَتَقُولُ كُونُوا الْآيَةِ** کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل میں جو خزانے آپ کے اتباع کو ملنے والے ہیں مل کر رہیں گے اھ ص ۱۶۸ اور **سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَبِّ رَحِيمٍ** کی تفسیر کے آخر میں لکھتے ہیں **اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا هَذِهِ النِّعْمَةَ الْعَظْمَى بِحُرْمَتِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** اور پہلے حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے برکت اور جاہ کے الفاظ بھی نقل کئے جا چکے ہیں اور ان سب الفاظ کے استعمال کی علماء اسلام اجازت دیتے ہیں، لیکن اسی معنی کے لحاظ سے جس کی بقدر ضرورت بحث پہلے گزر چکی ہے نہ اُس مفہوم کے لحاظ سے جو مشرکین کی مراد ہوتی ہے۔

مسئلہ توسل اور غیر مقلدین حضرات

غیر مقلدین حضرات چونکہ بالعموم اکثر مسائل میں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو ہیں اس لیے بعض حضرات نے مسئلہ توسل کا انکار کیا ہے اور بعض مقرر ہیں شیخ العربی رحمۃ اللہ علیہ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ وہابیہ توسل بالانبیاء والاولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بعد الوفا سے ممنوع اور حرام قرار دیتے ہیں یہ حضرات (دیوبند) اس کو نہ صرف جائز بلکہ ادبی (الاجابۃ) یعنی اس توسل کے بعد اس دعا کے قبول ہونے کی زیادہ توقع ہوتی ہے اور مفید قرار دیتے ہیں شجرات حضرات چشت رحمہم اللہ تعالیٰ وادب زیارت وادعیہ ندینہ منورہ اس پر شاید عدل ہیں جو کہ حضرت نالوتوی اور حضرت گنگوہی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی متعدد تصانیف میں شائع ہو چکے ہیں۔

(نقش حیات ج ۱ ص ۱۷)

غیر مقلدین کے مشہور مصنف عالم مولانا عبدالرحمن صاحب مبارک پوری (المتوفی ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ :-

والتوسل به صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد بہر حال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اسی

مما فہ دکن التوسل بغیرہ من اہل
الخیر والصلاح بعد صافقہ فلا یجوز
واختارہ الامام ابن تیمیہؒ فی رسالۃ
التوسل والوسیلۃ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۲۸۳)
طرح دیگر اہل خیر اور صلاح کا ان کی وفات کے
بعد توسل جائز نہیں ہے اور اسی کو امام ابن
تیمیہؒ نے اپنے رسالہ التوسل والوسیلۃ میں اختیار
کیا ہے۔

غیر مقلدین حضرات زبانی طور پر تسلیم کریں یا نہ کریں مگر یہ ایک خالص حقیقت ہے کہ جناب قاضی شوکانیؒ
اس دور میں غیر مقلدین حضرات کے پیشوا ہیں انہوں نے نہ صرف یہ کہ مسئلہ توسل کو جائز
ہی کہا ہے بلکہ اس کے اثبات پر درنضید رسالہ بھی لکھا ہے جس کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے
اور غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتوفی ۱۳۲۰ھ)
اپنی معروف علمی کتاب معیار الحق کے آخر میں لکھتے ہیں **هَذَا اخِرُ مَا اَلَّهَ اللّٰهُ خَالِقُ
الثَّقَلَيْنِ عَبْدَهُ الْعَاجِزَ مُحَمَّدًا نَذِيرَ حُسَيْنٍ عَاقَاہُ اللّٰهُ فِی الدَّارِیْنِ بِجَاہِ سَیِّدِ
الثَّقَلَيْنِ (معیار الحق ص ۲۱۹ مکتبہ نذیریہ قصور)** اس عبارت میں جاہ کے لفظ سے توسل
صراحتہ مذکور ہے اور مشہور غیر مقلد عالم مولانا وجید الزمان خان صاحب نیسر الباری ترجمہ صحیح
بخاری ج ۲ ص ۳۸۵ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں مسلم ج ۲ ص ۲۸۲ کی روایت میں یوں ہے **یَا اللّٰہ
میں اس (یعنی امام حسنؑ) سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ ہم گنہگاروں کے
پاس کو فی نیک نہیں ہے بجز اس کے کہ امام حسنؑ سے محبت رکھتے ہیں یا اللہ اپنے حبیب کی دعا
پوری کر اور ہم کو آخرت کے عذاب سے امام حسنؑ کے طفیل ہمیں بچا دے آمین** یا ساری
العلمین انتہای اور اسی طرح وہ اپنی کتاب لغات الحدیث ج ۲ ص ۴۵ میں بھی توسل کو جائز
قرار دیتے ہیں اور نیز وہ ترجمہ بخاری ج ۲ ص ۳۸۵ کے حاشیہ میں حدیث **وَاَنَا اتَّوَسَّلُ اِلَیْکَ
بِعَمَّ نَبِیْنَا الْحَدِیْثِ** کی شرح میں لکھتے ہیں اس حدیث سے نیک بندوں کا وسیلہ لینا ثابت
ہوا بنی اسرائیل بھی قحط میں اپنے پیغمبر کے اہل بیت کا توسل کرتے اللہ تعالیٰ پانی برسانا اس
سے یہ نہیں نکلتا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا توسل آپ کی
وفات کے بعد منع تھا کیونکہ آپ تو اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
ایک صحابی کو دعا سکھائی اس میں یوں ہے **یا محمد اِنِّیْ اتَّوَسَّلُ بِکَ اِلَیْ رَبِّیْ** اور اس صحابی

نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ دُعا دوسروں کو سکھائی مگر ہمارے اصحاب میں امام ابن تیمیہ اور ابن القیم اس طرف گئے ہیں کہ اموات و قبور کا تو سُل جائز نہیں نہ حفر عمرض نے اور نہ کسی اور صحابی نے آپ کی قبر کا تو سُل کیا اور خلاف کیا ان کا۔ بہت سے اکابر محدثین اور علماء نے اور یہ کہا کہ ایک امر کا منقول نہ ہونا اس کے عدم جواز پر دلالت نہیں کرتا جب اصل وسیلہ کا جواز شرع سے ثابت ہے الخ۔

ہم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ الحارث کا واقعہ صحیح سند سے پہلے عرض کر دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کی ان کو تابید حاصل تھی پھر نہ منقول ہونے کا کیا مطلب؟ الغرض غیر تقلیدین کے اہل علم اور ذمہ دار حضرات بھی مسئلہ تو سُل کا جواز ثابت کرتے ہیں اور اس میں وہ بھی جمہور کا ساتھ دیتے ہیں والحق ما قالہ المجہود کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ ید اللہ علی الجماعۃ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو جمہور کے مسلک اور دامن سے وابستہ رکھے اسی پر ان کی جیت ہو اور اسی پر ان کی وفات ہو۔ آمین ثم آمین۔ وَصَلَّى اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَاَزْوَاجِهِ وَجَمِیْعِ مُتَّبِعِیْهِ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

احقر الناس

ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد لکھنؤ

و

صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانولہ

۸ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ

۹ دسمبر ۱۹۷۸ء